تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

تاریخِ اسلام

جلد اوّل

جس میں عہدِ رسالتؐ اور عہدِ شیخینؓ کے مستند تاریخی حالات تشریح و تبصرہ کے ساتھ درج کئے گئے ہیں

مؤلفہ
مرتضیٰ احمد خان

ناشران
تاج کمپنی لمیٹڈ
لاہور ــــــ کراچی ــــــ ڈھاکہ

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱۷	تجارت	۴۳	۳۰	حرم کعبہ میں ہنگامہ	۶۴
۱۸	حضرت خدیجہؓ سے نکاح	۴۳	۳۱	ترہیب و ترغیب	۶۵
۱۹	تعمیر کعبہ کے سلسلے میں اہم فیصلہ	۴۴	۳۲	مسلمانوں پر جبر و تشدد	۶۸
۲۰	زندگی کا عام اسلوب	۴۶	۳۳	حبشہ کی طرف ہجرت	۷۱
۲۱	**دعوتِ اسلام کی ابتدائی رفتار**	۴۹	۳۴	حمزہ اور عمرؓ کا اسلام لانا	۷۳
			۳۵	بنو ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ	۷۶
			۳۶	معراج	۷۸
۲۲	عزیزوں اور دوستوں سے تذکرہ	۴۹	۳۷	طائف کا سفر	۷۸
			۳۸	قبائل میں تبلیغ	۸۱
۲۳	وحی الٰہی کا نزول	۵۰	۳۹	مکہ میں مسلمانوں کی حالتِ زار	۸۲
۲۴	السابقون الاولون	۵۱			
۲۵	کامیابی کے اسباب	۵۲	۴۰	**یثرب کی طرف ہجرت**	۸۴
۲۶	اسلام کی دعوت کیا تھی؟	۵۴	۴۱	یثرب میں اسلام کی مقبولیت	۸۷
۲۷	**مخالفت کے طوفان**	۶۰	۴۲	یثرب اور یثربی	۹۰
			۴۳	مکہ سے مسلمانوں کی روانگی	۹۳
۲۸	داعی حق کو اذیتیں	۶۰	۴۴	قتل کی سازش	۹۵
۲۹	قریش اور بنو ہاشم کو کھلی دعوت	۶۳	۴۵	غار میں پناہ لینا	۹۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تاریخ نویسی ادبیات ہی کی ایک شاخ ہے۔ لیکن ادیب اور شاعر کو جہاں یہ رخصتیں حاصل ہیں کہ وہ اپنے طائر فکر کو تخیل کی لامتناہی فضاؤں میں جس طرف چاہے محو پرواز کر دے۔ اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں طرح طرح کی رنگین بیانیوں سے کام لے۔ اور اثر آفرینی کے لئے مبالغہ آمیز پیرائیہ بیان اختیار کرے۔ وہاں مورخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح حالات اور مستند واقعات کو ان کی حقیقی شکل و صورت میں پیش کرے۔ انداز بیان کی رنگینیوں سے محترز رہے۔ تعصب کی عینک کو دور پھینک دے اور مبالغہ کو اپنے قلم کے نزدیک تک نہ پھٹکنے دے۔ مورخ مجبور ہے کہ ان حدود اور پابندیوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی کہانی کو دلچسپ اور سبق آموز بنائے۔

ہر نیا مورخ انہی حالات و واقعات سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا ہے جو اس سے پہلے کے مورخین بیان کر چکے ہوں۔ لیکن ہر مورخ انہی واقعات کو اپنے مخصوص زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان کی صحت و درستی کے متعلق پوری چھان بین سے کام لیتا ہے۔ اور اپنے رجحانِ فکر کے مطابق ان پر تبصرہ کرتا ہے۔

یہ باتیں مختلف مورخین کی لکھی ہوئی تواریخ میں تنوع اور امتیاز پیدا کر دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہر مورخ کا پیرایۂ بیان جداگانہ ہوتا ہے۔ اس لئے تاریخ کی ہر کتاب کی اضافی خوبیاں یا برائیاں اس کے مولف کے زاویۂ نگاہ اور اندازِ بیان پر موقوف ہیں۔

"تاریخِ اقوامِ عالم" کے نام سے نوعِ انسانی کی سرگذشت قلم بند کرتے وقت راقم الحروف نے محسوس کیا کہ اردو دان پبلک کے سامنے اسلام کی ایک ایسی مستند اور مبسوط تاریخ پیش کرنا ضروری ہے جو فنّ تاریخ نویسی کے جدید اصولوں کے مطابق ہو۔ تاکہ مسلمان جو اسے پڑھیں اپنے آبا و اجداد کے کارناموں کی روشنی میں عصرِ حاضر کی تحریکات کا صحیح طور پر جائزہ لے سکیں اُن اسباب و علل کو جان سکیں جو موجودہ دور میں مسلمانوں کے ہر گونہ زوال اور انحطاط کا باعث ہیں اور جو غیر مسلم اسے پڑھیں۔ وہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کے صحیح صحیح حالات و کوائف سے باخبر ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ٹھیک ٹھیک رائے قائم کر سکیں۔

اسلام نوعِ انسانی کی سماجی و معاشی۔ انفرادی اور اجتماعی جسمانی اور روحانی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک مخصوص حل پیش کرتا ہے اس حل کو نوعِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی صورت میں لفظاً و عملاً پیش کرنا ان لوگوں کا کام تھا اور ہے جو اس دین کے حامل ہونے کے مدعی ہیں۔ تاریخ ہی اس بات کی گواہی دے سکتی ہے کہ مختلف ادوار کے مسلمان اپنا یہ وظیفۂ حیات بجا لانے میں کس حد تک کامیاب یا ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام

دنیا کی ایک زندہ حقیقت ہے۔ جو نوعِ انسانی کے حاضر پر اثر انداز ہے اور مستقبل پر اثر انداز ہوتی رہے گی۔ اس لئے اسلام کی تاریخ کا مطالعہ ہر فرد بشر کے لئے جو نوع انسانی کو مسعود و کامران دیکھنے کا آرزو مند ہے ضروری ہے۔ اس خیال اور اس جذبہ کے ماتحت میں نے اسلام کے زیادہ از سیزدہ صد سالہ "ایام" کا تاریخی جائزہ لینے کی کوشش شروع کی ہے اس کوشش کا پہلا ثمر "تاریخِ اسلام" کی پہلی جلد کی صورت میں اردو زبان جاننے والی پبلک کے سامنے حاضر ہے اس جلد میں عہدِ رسالت اور عہد شیخین کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ جائزہ ایسی ہی چار یا پانچ جلدوں میں اختتام پذیر ہو جائے گا جس میں آغاز اسلام سے لے کر موجودہ دور تک کے مستند تاریخی حالات جو اسلام اور ان کے حاملین کو پیش آئے کسی قدر شرح وبسط کے ساتھ درج ہو سکیں گے۔ السعی منی والاتمام من اللہ وما توفیقی الا باللہ۔

آخر چہار شنبہ ۲۹ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ
مطابق ۲۲۔ جنوری ۱۹۴۷ء

مرتضیٰ احمد خان

استشہاد

تاریخ اسلام کی پہلی جلد مرتب کرنے اور لکھنے کے سلسلے میں جو کتابیں میرے پیش رہیں یا جن سے وقتاً فوقتاً استشہاد و استنباط کیا گیا حسب ذیل ہیں:۔

سیرت ابن ہشام۔ تاریخ ابن خلدون۔ طبری۔ ابن اثیر اور واقدی کی تالیفات۔ سر ولیم میور کی تالیفات۔ سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی۔ وغیرہا۔

مرتضیٰ احمد خان

پہلی کتاب

عہدِ رسالت

دعوتِ اسلام کی ابتدا

خدا کا پیغام

ملک عرب کے مشہور شہر مکہ کا ایک پاک نفس، انسان آبادی سے دُور تین میل کے فاصلے پر حرا پہاڑ کے ایک غار میں تنہا بیٹھا اپنے اور جملہ موجودات کے خالق و پروردگار کو یاد کر رہا تھا۔ کہ اس کی نگاہیں ایک حیرت انگیز نظارے سے دُوچار ہو گئیں۔ اُس نے دیکھا کہ ایک پیکرِ نُوری سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے:-

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۚ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۚ

(پڑھ! اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے کائنات کو خلق کیا جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا پروردگار بڑا کرم والا ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جنھیں وہ نہیں جانتا تھا)

یہ خدا کا پیغام تھا جو پیکرِ نوری کی وساطت سے مکہ کے اس پاک نفس

بندے محمدؐ پر پہلی دفعہ نازل ہوا۔ یہ پیغام اس امر کی دلیل تھا کہ پروردگار عالم نے محمدؐ کو اس کام کے لئے چن لیا ہے کہ وہ خدا کے احکام کو جو روح الامین فرشتے کی وساطت سے انہیں وقتاً فوقتاً ملتے رہیں گے خدا کے عام بندوں تک پہونچائیں اور لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا ایسا طریقہ بتائیں جو انسان اور کل موجودات کو پیدا کرنے والے احکم الحاکمین کی خوشنودی کا موجب ہے۔ ایسے برگزیدہ انسان کو جسے خدا کے پیغام ملیں یا جس کے سینے پر خدا کا کلام نازل ہو خدا کی ہستی پر ایمان رکھنے والے لوگ خدا کا پیغمبر، نبی یا رسول کہتے ہیں۔ عراق۔ شام۔ فلسطین اور مصر کی پرانی روایتوں اور ان ملکوں میں بسنے والی قوموں کے مذہبی نوشتوں میں ایسی برگزیدہ ہستیوں کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ جن کو ماننے والے لوگ عرب کی سرزمین میں اس وقت بھی موجود تھے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے ہاں سے رسالت کا منصب پا کر دین اسلام کی دعوت کا کام شروع کیا۔

حضرت محمدؐ کی عمر جس وقت خدا کا فرشتہ ان پر ظاہر ہوا چالیس برس کی تھی۔ سن عیسوی ۶۱۰ میلادی عیسوی کے لگ بھگ تھا +

سیرو شم -

مکہ اور عرب کی حالت

عربوں کی معاشی کیفیت

دین اسلام کی دعوت کے پہنچنے کا حال بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ گردو پیش کی اس فضا کا مجمل سا خاکہ کھینچ دیا جائے جس میں اس نئی مذہبی تحریک کا آغاز ہوا۔ عرب کا ملک اپنے محل وقوع نیز لق ودق صحرا ہونے کے باعث زمانہ ہائے دراز سے غیر متمدن قوموں کا گہوارہ چلا آرہا تھا جو دوسری بدوی قوموں کی طرح نہایت سادہ سی زندگی بسر کرنے کی عادی تھیں۔ عرب کے مشرق۔ شمال اور مغرب میں بابل۔ نینوہ۔ یروشلیم اور مصر قدیم کی شاندار تہذیبیں پھلتی پھولتی رہیں۔ لیکن عرب کے باشندے سرزمین عرب کے اندر اپنے پرانے طریق زندگی ہی پر قانع رہے۔ دجلہ و فرات کی وادی۔ نیل کی وادی اور دریائے اُردون کی وادی میں آباد ہونے والی قدیم متمدّن قوموں کے ریکارڈوں میں قدیم عربوں کا ذکر بڑے حقارت آمیز پیرائے میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب وقتاً فوقتاً ان متمدّن اور مہذب قوموں سے لڑ بھڑ کر ان کی منظم شہری زندگی میں خلل ڈالنے کا موجب بنتے رہتے تھے خود عرب کے ایسے خطّوں میں جو سرسبز و شاداب تھے بعض قوموں نے متمدن زندگی کی

بنیادیں استوار کیں جن کی تعمیرات کے آثار اب تک دستیاب ہو رہے ہیں لیکن یہ استثنائی حالتیں تھیں۔ عام طور پر عرب کے ریگستانوں میں زندگی بسر کرنے والے لوگ خانہ بدوش ہوا کرتے تھے جو صدیوں سے بھیڑوں، بکریوں اور اونٹوں کے گلّے پالتے اور اپنے نخلستانوں کی کھجوروں پر بسر اوقات کرتے تھے۔ ان میں کے جو قبیلے قدیم زمانہ کی تجارتی شاہراہوں پر آباد تھے وہ غیر ملکی سوداگروں کے تجارتی مال کو اپنے ملک میں سے بحفاظت تمام گزار کر متمدّن دنیا کی منڈیوں تک پہنچا دیتے تھے اور ان سوداگروں سے اپنا حق الخدمت وصول کر لیتے تھے۔ تجارتی شاہراہوں پر بسنے والے بعض متموّل خاندانوں نے خود تجارت کا پیشہ بھی اختیار کر رکھا تھا۔ عراق۔ ایران ہندوستان حتیٰ کہ چین تک کا تجارتی مال سوداگروں کے ہاتھوں دست بدست گزرتا ہوا عربوں کے ہاتھوں تک پہونچ جاتا تھا اور عرب تاجر اُسے شام۔ فلسطین اور مصر کی منڈیوں تک پہنچا دیتے تھے جہاں سے یہ مال دوسرے تاجروں کے ہاتھ میں پڑ کر یورپ کے ملکوں تک جاتا تھا۔ عرب تاجر حبشہ کے تاجروں سے بھی برّاعظم افریقہ کی پیداوار مثلاً ہاتھی دانت وغیرہ خرید کر اپنے متاعِ تجارت میں شامل کر لیتے تھے۔ اِس کے علاوہ ان کے اپنے ملک کی پیداواریں مثلاً عُود۔ لوبان۔ سنا۔ کھجوریں۔ بھیڑیں بکریاں اور اونٹ بھی ان کے تجارتی مال میں شامل ہوا کرتی تھیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت بھی عربوں کا طرزِ بود و ماند اور ان کا وسیلۂ معاش یہی تھا جسے ان کے آباؤ اجداد صدیوں سے اختیار کئے چلے آ رہے تھے۔ چونکہ یمن سے شام کو جانے والی تجارتی شاہراہ

یہ واقع تھا اس لئے مکہ کے لوگ عام طور پر تجارت پیشہ تھے تجارت پیشگی نے انہیں اعراب بادیہ یعنی ریگستان کے باشندوں کی بہ نسبت بہت زیادہ متموّل بنا دیا تھا۔ وہ خیموں کے بجائے کچّے اور پکّے مکانوں میں رہتے تھے اور شہریوں کی طرح متمدّن زندگی گزارتے تھے مکہ کے قریب کوئی پچھتّر میل کے فاصلے پر طایف نامی ایک بستی آباد تھی جہاں کھجوروں، اناروں اور دوسرے ثمردار درختوں کے باغات بکثرت موجود تھے۔ کیونکہ یہاں کی زمینیں شاداب اور سیر حاصل تھیں۔ مکہ کے نواح میں سرسبزی شادابی اور زراعت کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا؛

سماجی اور سیاسی نظام

اس دور کے عربوں کا سماجی نظام قبائلی طرز کا تھا۔ یعنی عرب کے باشندے قبیلوں، خیلوں اور کنبوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے شیخ یا رئیس کا تابع فرمان سمجھا جاتا تھا۔ یہی شیخ یا رئیس سارے قبیلے کی طرف سے دوسرے قبائل کے شیوخ کے ساتھ حسب ضرورت معاملات طے کرتا تھا۔ تمام بدوی اقوام کی طرح اس دور کے عربوں میں بھی قبیلے کا تعصّب حد سے بڑھا ہوا تھا۔ نسب اور خون کی شرافت ونجابت کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ ہر قبیلہ میں ایسے نسّابے موجود رہتے تھے جو چالیس چالیس اور پچاس پچاس پشتوں تک، قبیلوں اور افراد کا سلسلۂ نسب بیان کر سکتے تھے۔ بسا اوقات معمولی جھگڑے دو قبیلوں کے درمیان اور ان قبیلوں

کے ساتھ قریب کا نسبی رشتہ رکھنے والے دوسرے قبائل کے درمیان باہم جنگ کی صورت اختیار کر لیتے تھے جو سالہا سال تک جاری رہتی تھی۔ عام حالات میں یہ لوگ قبائلی رواج کے مطابق باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کر لیا کرتے تھے۔ جس کی صورت یہ تھی کہ قبیلہ کے کسی معزز آدمی کو ثالث یا حکم مان لیتے ہیں اور اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے اگر قبیلے اور قبیلے کے درمیان کوئی جھگڑا رونما ہو جاتا تھا تو اسے دونوں قبیلوں کے شیوخ یا دوسرے معزز اشخاص آپس میں بات چیت کر کے طے کر لیتے تھے۔ عرب کی زمین کے اقطاع قبیلوں نے آپس میں بانٹ رکھے تھے۔ اس قبیلوی سماجی نظام کے ساتھ عرب لوگ مادرِ صحرا کے بطن کی فطری آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کا نہ کوئی بادشاہ تھا نہ جابر حاکم۔ جس کے آہنی اقتدار کی تلوار ان کے سروں پر ہر وقت مسلطرہ کر ان کی روح کی بالیدگی کو روکنے والی ہوتی۔ گرد و پیش کے ملک تین زبردست شہنشاہوں کے حاکمانہ اقتدار کی گرفت میں مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے۔ بحیرۂ قلزم کے پار حبشہ میں ایک شاہی خاندان صدیوں سے حکمرانی کرتا چلا آرہا تھا۔ جس کے بادشاہوں نے چھٹی صدی عیسوی میں یمن اور جنوبی عرب کے بعض اقطاع فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اسی سلطنت کے ایک گورنر ابرہتہ الاشرم نامی نے ۵۷۱ء میں مکہ پر چڑھائی کی۔ ابرہہ کا لشکر ایک عجیب حادثہ کا شکار ہو کر تباہ ہو گیا۔ روایت ہے کہ ابرہہ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا اس کا لشکر مکہ کے نزدیک پڑاؤ ڈالے پڑا تھا کہ سر پر ابابیلوں کے غول

منڈلانے لگے اور لشکر پر بھیڑ کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکنے لگے جنہیں وہ اپنی چونچوں میں کہیں سے اٹھا کر لائے تھے۔ کنکریوں کی اس بارش سے بوکھلا کر ابرہہ کے ہاتھی بھیر گئے جنھوں نے اپنے ہی لشکر کو پامال کر ڈالا اور ابرہہ کو ناکام و نامراد واپس لوٹنا راستے میں یہ لشکر چیچک کی قسم کی ایک وبا کا شکار ہو کر تمام و کمال تباہ ہو گیا۔

مکہ کے عرب اس سال کو "عام الفیل" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اسی سال غالباً اس واقعہ کے چند روز بعد پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے۔

مصر، فلسطین، شام اور ایشیائے کوچک کے ملک رومی قیصروں کے زیر نگیں تھے، جن کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ رومی حکمران مفتوح قوموں سے غلاموں کا سا سلوک کیا کرتے تھے۔ مشرق میں ایران کی پرانی سلطنت قائم تھی جس کا زبردست شاہنشاہی نظام رعایا کے دل میں آزادی کا خیال تک پیدا نہیں ہونے دیتا تھا۔ ۵۸۰ء کے قریب ایران کے شہنشاہ خسرو نوشیروان عادل کے لشکروں نے یمن پر چڑھائی کی اور حبشہ کے بادشاہوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اس مہم کے بعد عرب کی سرزمین سلطنت ایران کے حلقۂ اثر میں شمار ہونے لگی لیکن عملی طور پر ایرانی حکومت کو عرب کے معاملات میں کسی قسم کا دخل حاصل نہ تھا۔ شام کی سرحد کے قریب رہنے والے عرب قبیلوں کے شیوخ و ملوک عام طور پر رومی قیصروں کے زیر اثر رہتے تھے اور عراق کی سرزمین میں ایران کی سرحد کے قریب بسنے والے

عرب قبائل سلطنت ایران کے زیرِ اثر ہوا کرتے تھے۔ یہ قبائل سرحدوں پر امن قائم رکھنے کے لیے رُوم و ایران سے وظایف لیتے تھے اور جنگوں میں ان کے حلیف بن جاتے تھے۔

ادیان و عقاید

عربوں کے قبیلے دینِ اسلام کے ظہور کے وقت مختلف مذاہب و ادیان کے پیرو کار تھے۔ شام کی سرحد پر بسنے والے عرب بنی غسان جو سیاسی حیثیت سے روم کی قیصریت کے زیرِ اثر تھے۔ دینِ عیسوی قبول کر چکے تھے۔ ایرانی سرحد پر بسنے والے قبائل نے بھی ظہورِ اسلام سے کچھ مدّت پہلے مسیحی دین قبول کر لیا تھا۔ یمن اور جنوبی عرب کے بعض قبیلے حبشہ کے عیسائی حکمرانوں کے زیرِ اثر آ کر عیسائی بن چکے تھے۔ اس کے علاوہ عرب کے بعض مقامات پر یہودیوں نے بھی اپنی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جن میں سے مدینہ اور خیبر کے یہودی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یمن میں بھی یہودیوں کی ایک نوآبادی تھی جو حبشہ کے عیسائی حکمرانوں سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ بعض قبیلے ایران کے مجوسیوں اور آتش پرستوں کا دین بھی اختیار کر چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود عربستان کی عام آبادی بُت پرست تھی۔ بعض قدیم اقوام کی طرح عرب بھی پہلے محض وثن پرست یعنی پتھر کے ٹکڑوں کو پوجنے والے ہوا کرتے تھے لیکن جب مصر اور بابل میں سنگ تراشی کے فن کو فروغ حاصل ہوا اور مندروں

میں رکھنے کے لئے بُت تراشے جانے لگے تو عرب قبائل میں بھی صنم پرستی کا رواج چل نکلا۔ اور اس مت کو عرب میں اتنا فروغ حاصل ہو گیا کہ ہر قبیلہ نے اپنا اپنا الگ بُت بنا لیا۔ جسے قبیلہ کا سرپرست نگہبان اور حاجت روا سمجھا جاتا تھا۔ وثن پرستی اور صنم پرستی اگرچہ عربوں میں صدیوں سے رائج چلی آرہی تھی تاہم عرب قبیلے اپنے جدّ امجد حضرت ابراہیمؑ کو نہیں بھولے تھے جنھوں نے دو ہزار سال قبل مسیح کے قریب کلدانیوں کے شہر اُر میں بُت پرستی کے خلاف آواز بلند کر کے ایک خدائے بزرگ و برتر کی بندگی قبول کرنے کی تبلیغ شروع کی تھی۔ اور اپنی ایسی سرگرمیوں کے باعث اپنے کنبے اور قبیلے سمیت عراق کی سرزمین سے ہجرت کر کے کنعان اور فلسطین میں جانے پر مجبور ہو گئے۔ مکّہ کے معبد کعبہ کی چار دیواری حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کے لئے تعمیر کی تھی۔ لیکن ان کی اولاد نے صدیاں گزر جانے پر اس معبد کو بُت کدہ بنا لیا۔ خانہ کعبہ کو عرب کے تمام قبائل بہت احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کا طواف کرنا اور اس میں رکھے ہوئے بتوں کو پوجنا۔ ان پر چڑھاوے چڑھانا اور ان کے لئے جانور ذبح کرنا اپنا اہم دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ عرب کے بُت پرست ہر سال مقررہ دنوں میں اس معبد کا طواف کرنے اور اپنی مانی ہوئی منتیں گزارنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس اجتماع کو حج کا نام دیا جاتا تھا۔ قریش کے سوا جو مکہ کے رہنے والے اور کعبہ کے متولی تھے باقی تمام قبیلوں کے افراد خانۂ کعبہ کا طواف پوری برہنگی کی حالت میں کیا کرتے تھے۔

اور ساتھ ہی ساتھ گنگنا کر سیٹیاں بجاتے جاتے تھے۔ کعبہ کے سوا عرب کی سرزمین میں بت پرستوں کی یاترا کی اور کوئی جگہ نہ تھی۔ کعبہ کی اسی حیثیت کا نتیجہ تھا کہ مکہ میں بسنے والے قریش قبیلہ کے افراد کو تمام عرب میں ایک ممتاز درجہ حاصل تھا۔ قریش صدیوں سے خانۂ کعبہ کے متولی چلے آرہے تھے۔ حج اور یاترا کے لئے آنے والے لوگوں کی خدمت و آسائش کا خیال رکھنا ان کا فرضِ منصبی بن چکا تھا۔ یاتریوں کی خدمت کے حصے قریش مکہ کے مختلف کنبوں نے آپس میں بانٹ رکھے تھے۔ انہی کنبوں میں ایک بنو ہاشم کا خاندان تھا۔ جسے یاتریوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی خدمت تفویض کی گئی تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی خاندان کے ایک ممتاز فرد تھے۔

اخلاق و اطوار

اس وقت کے عربوں کی معاشی۔ سماجی۔ مدنی۔ سیاسی اور مذہبی کیفیات کا تذکرہ کرنے کے بعد ضروری ہے کہ ان کے اخلاق و اطوار کی کیفیت بھی بیان کر دی جائے۔ اس دور کے عرب بت پرست شراب خوری کے بہت دلدادہ تھے۔ قماربازی بھی ان کا ایک محبوب مشغلہ تھی۔ ان کی سوسائٹی میں عورت کو محض ہوس رانی کا سامان سمجھا جاتا تھا۔ ہر مرد کو کئی کئی عورتیں بیویاں یا لونڈیاں بنا کر رکھنے کی اجازت تھی۔ باپ کی منکوحہ عورتیں ورا ثت میں بیٹوں کو ملتی تھیں۔ دو حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ گھر میں ڈال لینا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود عربوں کی سماج میں زناکاری بہت عام تھی۔

مردوں اور عورتوں کے کھلم کھلا اختلاط کو چنداں معیوب خیال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ غیر عورتوں کے ساتھ عشق بازی قابلِ فخر سمجھی جاتی تھی۔ عورتیں کھلے بندوں پھرتی تھیں اور مردوں کی محفلوں میں بے حجابانہ شریک ہوتی تھیں۔ عورتوں کا یہ درجہ اور بچے گھرانے کے افراد کے لئے باعثِ ننگ بن چکا تھا۔ اس لئے بعض لوگ اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ زمانۂ قبل اسلام کے فصیح و بلیغ عرب شاعروں کا کلام اس دور کے عربوں کی اخلاقی کیفیتوں کا آئینہ ہے جس میں معاشقہ کے قصّے اتنی عریانی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جو مذاقِ سلیم پر بہت گراں گزرتی ہے۔ عرب شاعروں کا ایسا کلام اس دور کے اعلےٰ اور ادنےٰ دونوں طبقوں میں اس قدر مقبول اور ہر دلعزیز تھا کہ شعرا اسے عکاظ کے سالانہ میلے میں محفلوں کو سُنا سُنا کر دادِ سخن لیتے تھے اور جن شاعروں کے کلام کو افصح اور سب سے زیادہ پسندیدہ سمجھا جاتا تھا اسے چمڑے یا لکڑی پر لکھوا کر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیتے تھے۔ اگر محض عریاں شعرا اپنے دور کی اخلاقی حالت کا آئینہ قرار نہیں دیئے جا سکتے تو یہ دوسری بات یعنی ایسے شعروں کی عام مقبولیت اس دور کے لوگوں کی اخلاقی پستی کا روشن ثبوت ہے۔

صحرا کی آزاد فضاؤں میں پرورش پا کر جوان ہونے والے عرب بالطبع بہادر تھے۔ لامتناہی قبائلی کشمکش نے انہیں جنگجو اور سپاہیانہ اوصاف کا حامل بنا رکھا تھا۔ قتل کے جرم کو وہ کبھی معاف نہیں کرتے تھے بلکہ خون کا بدلا قاتل کے قبیلہ کے افراد سے زور دیا بدیر لے کر رہتے تھے۔ انکا عقیدہ

تھا کہ مقتول کی روح جب تک کہ اس کے خون کا خاطر خواہ بدلا نہ لے لیا جائے ہامہ (ایک غیر مرئی پرند) بن کر نوحہ کرتی رہتی ہے۔ بدلا لینے میں وہ صرف ایک جان کے بدلے ایک جان لینے پر حصر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس اصل پر مع سود در سود وصول کرنا یعنی قاتل کے قبیلہ کے کئی افراد کی جانیں لینا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ یہ کیفیت اور یہ عادت قبیلوں کے درمیان خونریزیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پیدا کر دیتی تھی جو بسا اوقات صدیوں تک جاری رہتا تھا۔ بے رحم اور بے درد ہونا تمام قدیم اقوام کی عام عادت تھی اس سے عرب بھی مستثنےٰ نہ تھے۔ لڑائیوں اور خونریزیوں میں دشمن کو آگ کی نذر کر دینا۔ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے حمل گرا دینا۔ بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو بے دریغ قتل کرنا ان کے لئے معمولی باتیں تھیں۔

فصاحت وبلاغت

اس دور کے عربوں کی ایک نمایاں خصوصیت جو عرب کے لئے سرمایۂ ناز سمجھی جاتی تھی یہ تھی کہ انھیں فصیح البیانی، خطابت اور شعر گوئی میں یدِ طولےٰ حاصل تھا۔ فنِ خطابت اور شعر گوئی کو عربوں نے اس دور میں جس معراج کمال کو پہنچا رکھا تھا دوسری اقوام کو اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہ تھا۔ زمانہ قبل اسلام کے شعرائے باکمال کے سات منتخب قصیدے جو خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکائے جانے کا امتیازی درجہ حاصل کر چکے تھے آج تک عربی زبان کے ادبی لٹریچر کا بہت اہم جزو سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سخن گوئی کی عام ترقی

کا یہ عالم تھا کہ عورتیں مُردوں کی نعشوں پر کھڑی ہو کر ارتجالاً ایسے نوحے کہتی تھیں جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہوا کرتے تھے۔ خطیب اور مقرّر بلا تکلّف مسجّع اور مقفّیٰ عبارتوں میں مُؤثر تقریریں کرتے تھے۔ اس خصوصیت پر عربوں کو اتنا فخر تھا کہ انھوں نے غیر عرب کو عجم یعنی گُنگا ہونے کا خطاب دیا۔ اور اپنے زبان آور ہونے پر فخر کرنے لگے۔ میلوں۔ محفلوں اور اجتماعوں میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہانا شعر و سُخن کی داد لینا اور دینا پُر زور خطبے سُنانا۔ اور فصیح و بلیغ انداز میں قصّے اور کہانیاں بیان کرنا ان کا ایک مرغوب مشغلہ تھا۔ اس دور کی اور اس سے پہلے کی بعض دوسری قومیں تمدّنی کمالات کے حصول کی دَوڑ کے دوسرے میدانوں میں عربوں سے بلا شبہ بہت آگے نکل چکی تھیں لیکن فصیح البیانی قادر الکلامی اور شعر گوئی میں عرب لوگ اپنے لٹریچر کو جس بلند معیار پر پہنچا چکے تھے اس کی نظیر دنیا کی اور کسی قوم کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

غرض اس ماحول کے موٹے موٹے خد و خال یہ تھے جس میں دینِ اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا۔

۱

اسلام کے داعی کی ابتدائی زندگی

خاندانی حالات

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن پر چالیس سال کی عمر میں خدا کا فرشتہ اسلام کا پیغام لے کر نازل ہوا قریش مکہ کے خاندان بنو ہاشم کے ایک فرد تھے۔ قریش کا یہ خاندان کئی پشتوں سے خانہ کعبہ (بت کدہ) کے یاتریوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرنے کی خدمت پر مامور تھا۔ قریش کے اور گھرانے دوسری خدمات سرانجام دیتے تھے۔ مثلاً حجابت یعنی خانہ کعبہ کی کلید برداری اور تولیت ظہور اسلام کے وقت عثمان بن طلحہ کے سپرد تھی۔ افادت یعنی غریب حاجیوں کی خبرگیری کا کام نوفل کا خاندان سرانجام دیتا تھا۔ تیم کا خاندان خون کے جھگڑوں کے فیصلے کیا کرتا تھا۔ بنو امیہ کے سردار جنگ میں علمبرداری کی خدمت بجا لایا کرتے تھے۔ مخزوم کا خاندان خیمہ، خرگاہ اور سواری وغیرہ کا انتظام کیا کرتا تھا۔ عدی کا خاندان سفارت کے لئے مخصوص تھا۔ جمح کا خاندان فال کا منتظم تھا اور سہم کا خاندان خزانے کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ حضرت محمدؐ کے پردادا ہاشم

نے قیصرِ روم سے خط و کتابت کر کے رومی سلطنت کے ملکوں میں قریش کے لئے تجارتی رعایتیں حاصل کیں۔ ہاشم نے حبشہ کے بادشاہ سے بھی یہ فرمان حاصل کر لیا کہ قریش اس کے ممالک محروسہ میں ٹیکس ادا کئے بغیر تجارت کر سکتے ہیں۔ ہاشم نے عرب کے بدوی قبیلوں سے اس مضمون کے معاہدے طے کئے کہ وہ قریش کے تجارتی قافلوں کو جب وہ ان کی سرزمین میں سے گزریں نہیں روکیں گے۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب نے جن کا اصلی نام شیبہ تھا، چاہِ زمزم کا سراغ لگا کر اسے نئے سرے سے درست کرایا کیونکہ یہ پرانا کنواں اَٹ کر گم ہو چکا تھا ■

ذبیحین کا بیٹا

حضرت محمدؐ کے والدِ ماجد کا نام عبداللہ تھا۔ یہ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے ایک تھے۔ عبدالمطلب نے یہ منّت مان رکھی تھی کہ جوان ہوتے ہی اپنے ایک بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ منّت پوری کرنے کے لئے قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کے نام پر نکلا۔ عبدالمطلب عبداللہ کو لے کر قربان گاہ کو چل پڑے۔ رؤسائے قریش نے یہ مشورہ دیا کہ ایک طرف اونٹوں اور دوسری جانب عبداللہ کو کھڑا کر کے قرعہ ڈالا جائے۔ پہلے دس اونٹوں پر پھر بیس پر پھر تیس پر قرعہ ڈالا گیا۔ لیکن ہر بار قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر پڑتا رہا۔ آخر جب سو اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا تو اونٹوں کے نام پر نکل آیا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ کعبہ کی بھینٹ چڑھا دیئے۔ اور عبداللہ کی جان بچا لی۔ ■

مکّہ کے قریش اور عرب کے اکثر دوسرے قبائل نسباً اسماعیلی یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہا تھا کیونکہ انھوں نے خواب دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہا ہوں۔ لیکن عین وقت پر جب کہ ابراہیمؑ اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ چکے تھے فرشتۂ غیبی نے آکر ہاتھ پکڑ لیا اور خدا کی طرف سے اسماعیلؑ کی جگہ ایک دُنبہ قربان کرنے کا حکم دیا۔ ان دو واقعات کی بنا پر پیغمبر اسلام اکثر فخر کیا کرتے تھے کہ میں ذبیحین یعنی خدا کی راہ میں قربان ہونے والے دو بزرگوں کی نسل سے ہوں۔[1]

اس واقعہ کے بعد عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی قبیلۂ زہرہ کے ایک فرد وہب بن عبد مناف کی بیٹی آمنہ سے رچا دی۔ شادی کے

---

[1] معبود یا معبودوں، خدا اور دیوتاؤں کی راہ میں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے خیال سے انسانی جانوں کی قربانیاں پیش کرنا اور اولاد کو بھینٹ چڑھانا قدیم اقوام کی ایک عام رسم تھی۔ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں انسانی قربانی کے بجائے جانور کی قربانی پیش کرنے کو بہت فروغ حاصل ہوا یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں انسان کی قربانی دینے سے یکسر مجتنب ہو گئے اور انسان کے بدلے جانوروں کی قربانیاں دینے لگے۔ دوسری قوموں میں یہ رسم کم یا بیش اس کے بعد بھی بہت طویل مدت تک جاری رہی۔

(مؤلف)

تھوڑا ہی عرصہ بعد عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کے سفر کو چلے گئے واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے تھے کہ بیمار پڑ گئے۔ ان کے بیمار ہو جانے کی اطلاع پا کر عبداللہ کا بڑا بھائی حارث خبرگیری کے لئے مدینے کی طرف چل پڑا لیکن عبداللہ حارث کے پہونچنے سے پہلے فوت ہو گئے۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) جو شکمِ مادر میں تھے پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو گئے۔

ولادت و رضاعت

محمدؐ ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف دوشنبہ (۲۰-اپریل ۵۷۱ء عیسوی میلادی کو شہر مکہ میں آمنہ کے بطن سے تولد ہوئے قمری مہینے ربیع الاوّل کی تاریخ ۹ تھی۔ محمدؐ کے دادا عبدالمطلب نے اس بچے کا نام جو پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم بن چکا تھا محمدؐ رکھا جس کے معنی اردو زبان میں "خوبیوں والا اور سراہا گیا" کئے جا سکتے ہیں۔ شرفائے مکہ میں یہ دستور مدت سے چلا آ رہا تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو اپنا دودھ بہت کم پلاتی تھیں۔ اسی دستور کے مطابق آمنہ نے دو تین دن اپنے لختِ جگر کو اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا۔ ازاں بعد مولودِ مسعود کے چچا ابولہب کی ایک لونڈی ثوبیہ چند دن تک دودھ پلاتی رہی۔ ثوبیہ کے بعد قبیلۂ ہوازن کے خاندان بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ سعدیہ اس خدمت پر مامور ہوئیں۔ حلیمہ اپنے قبیلہ کی چند دوسری عورتوں کے ساتھ اجرت پر دودھ پلانے کے لئے شرفائے قریش

کے بچّے لینے کی خاطر مکّہ آئی تھیں۔ عبدالمطلب نے اپنا ننھا پوتا محمدؐ اُن کے حوالے کر دیا اور وہ اس شیر خوار بچّے کو ساتھ لے کر اپنے صحرائی خیموں میں چلی گئیں۔ محمدؐ پانچ سال کی عمر تک بنی سعد کے بدوی قبیلہ میں حلیمہ کی گود میں پرورش پاتے رہے بنی سعد بہت فصیح البیان عرب تھے محمدؐ بڑے ہو کر اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں اس لئے فصیح البیان ہوں کہ میں نے قبیلۂ بنی سعد میں پرورش پائی ہے۔ محمدؐ دو سال کے تھے کہ حلیمہ سعدیہ انہیں لے کر مکّہ آئیں لیکن مکّہ میں ان دنوں وبا پھوٹ نکلی تھی۔ اس لئے محمدؐ کی والدہ آمنہ نے حلیمہ سے کہا کہ انہیں واپس لے جاؤ۔ حلیمہ نے پانچ برس محمدؐ کی پرورش کی اور اس کے بعد وہ انہیں ان کی ماں کے پاس چھوڑ گئیں۔

والدہ کی وفات

محمدؐ چھ سال کے تھے کہ ان کی ماں انہیں ساتھ لے کر مدینے تشریف لے گئیں۔ مدینہ میں وہ اپنے شوہر عبداللہؓ کی قبر دیکھنے کے لئے گئی تھیں تاکہ اپنے لخت جگر کو باپ کی آخری آرام گاہ دکھائیں۔ اس سفر میں محمدؐ کی دایہ امّ ایمن بھی آمنہ کے ساتھ تھیں۔ آمنہ ایک ماہ مدینہ میں خاندان بنجار کے ہاں ٹھہریں جو محمدؐ کے دادا کا ننھیال تھا۔ مدینہ سے مکّہ کی طرف واپس لوٹ رہی تھیں کہ راستے میں ابواء کے مقام پر فوت ہو گئیں اور وہیں دفن کر دی گئیں۔ امّ ایمن بچّے کو مکّہ لے آئیں اور اس دُرِّ یتیم کو اس کے دادا عبدالمطّلب کے حوالے کر دیا۔ عبدالمطّلب اپنے ہونہار پوتے کو جس کی پیشانی پر

اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ لیکن یہ سہارا بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ دو سال کے بعد جب محمدؐ آٹھ برس کے تھے عبدالمطلب بھی چل بسے اور اپنے یتیم پوتے کو تربیت کے لئے اس کے چچا ابو طالب کی تحویل میں دے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابوطالب عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے محمدؐ کے حقیقی چچا تھے یعنی محمدؐ کے والد عبداللہ اور چچا ابو طالب ایک ہی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ابوطالب اپنے بھتیجے محمدؐ سے بہت محبت کرتے تھے اور اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کی آسایش و تربیت کا خیال رکھتے تھے۔

گلّہ بانی

محمدؐ جب دس بارہ برس کے ہوئے تو شرفائے عرب کے عام دستور کے مطابق بکریاں چرانے لگے۔ تجارت اور گلّہ بانی اہل مکہ اور باشندگانِ عرب کے اہم پیشے تھے۔ کم و بیش عربستان کے ہر نوعمر شخص کو اونٹوں، بھیڑوں اور بکریوں کی گلّہ بانی کرنی پڑتی تھی۔ ابوطالب کا گھرانا ویسے بھی چنداں متموّل نہ تھا۔ اس لئے محمدؐ جب بکریاں چرانے کے قابل بن گئے تو انہیں اس کام پر لگا دیا گیا۔ محمدؐ اپنے گھر کی بکریاں چرانے کے لئے باہر لے جاتے تھے اور دوسروں کی بکریاں بھی چرائی کی اجرت مقرر کر کے ساتھ لے لیا کرتے تھے۔

شام کا سفر ۵۸۲ء

محمدؐ کی عمر بارہ برس کی تھی کہ ان کے چچا ابوطالب ایک تجارتی سفر پر

شام کی طرف روانہ ہونے کا قصد کرنے لگے۔ محمدؐ نے اس سفر میں چچا کے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔ ابوطالب نے انہیں بھی ساتھ لے لیا۔ محمدؐ اس سفر میں اپنے چچا کے ساتھ شام کے شہر بُصریٰ تک گئے۔ ایک روایت ہے کہ بُصریٰ میں ابوطالب نے بُحیرا نام ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں قیام کیا تھا۔ اس راہب نے حضورؐ کی پیشانی کو جمالِ ایزدی سے معمور دیکھ کر پیش گوئی کر دی کہ یہ بچّہ بڑا ہو کر خدا کا پیغمبر بنے گا۔ اس دَور کے ذی بصیرت عیسائی حضرت عیسےٰؑ کی پیش گوئی کے مطابق جو انجیل میں مرقوم ہے ایک مقتدر نبی کے مبعوث ہونیکا انتظار کر رہے تھے۔ اگر بُحیرا نے کشف کی آنکھوں سے محمدؐ کے چہرے میں نُورِ نبوت کی جھلک دیکھ لی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ بُحیرا نے یہ بھی کہا تھا کہ "جب تم لوگ پہاڑ پر سے نیچے اُتر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ درخت اور پتھر سب سجدے میں جُھک گئے ہیں"

حربِ فُجّار

حضورؐ نے آغازِ شباب میں ایک قبائلی جنگ میں بھی شرکت کی جو "حربِ فجّار" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں قریش اور قیس کے قبیلے ایک دوسرے کے بالمقابل تھے۔ قریش کے لشکر میں ایک علَم آلِ ہاشم کا بھی تھا۔ جس کے حامل محمدؐ کے ایک چچا زبیر ابن عبدالمطّلب تھے۔ محمدؐ اسی لشکر کے ہمراہ جنگ میں شامل ہوئے۔ قریش کا رئیس اعظم اور سپہ سالار حرب بن امیّہ تھا۔ اس جنگ میں پہلے بنی قیس کا پلّہ بھاری رہا بعد میں قریش غالب آگئے اور

بالآخر دونوں کے درمیان صلح ہو گئی۔

جوانی

حلف الفضول

قریش جنگ فجار سے واپس لوٹے تو مکہ میں قبیلوی لڑائیوں کو بند کرنے کے لئے ایک اصلاحی تحریک پیدا ہوئی۔ جرہم اور قطورا قبائل کے تین اشخاص فضیل ابن حرث، فضیل ابن داعۃ اور مفضل نے اس تحریک کو اٹھایا۔ ہاشم، زہرہ اور تیم خاندان کے رؤسا عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ طے کیا گیا کہ "آئندہ ہم میں سے ہر ایک شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں رہنے نہ پائے گا"۔ اس معاہدہ پر دستخط کرنے والوں میں ایک محمدؐ بھی تھے اللہ کا رسول بننے کے بعد بھی حضورؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی کوئی ایسے معاہدہ کے لئے بلائے تو میں حاضر ہوں"۔ اس معاہدہ کو "حلف الفضول" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے محرکین کے ناموں میں "فضل" کا مادہ مشترک تھا۔

تجارت

سنِ رشد وتمیز کو پہونچنے کے بعد محمدؐ نے بھی قریش کے دیگر افراد کی طرح کسبِ معاش کے لئے تجارت کو اپنا مشغلہ بنایا۔ اس کام کو آپ نے اس خوش اسلوبی کے ساتھ کیا کہ لوگ آپ کے حسنِ معاملت کی داد دینے لگے اور متمول اشخاص اپنا سرمایہ منافع میں شرکت کی بنا پر انہیں سونپنے لگے۔ محمدؐ اپنے حسنِ اخلاق اور حسنِ معاملات کی بدولت اہل مکہ میں "صادق الامین" کے لقب سے معروف ہو گئے تجارت کے سلسلے میں آپ نے جوانی کے ایام میں شام، بصریٰ، یمن اور بحرین تک کے متعدد سفر کئے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

۵۹۶ء

مکہ کے صادق الامین تاجر کی شہرت وہاں کی ایک متمول خاتون خدیجہ کے کانوں تک بھی پہونچی جو یکے بعد دیگرے دو شادیاں کر کے بیوہ ہو چکی تھیں۔ خدیجہ دوسرے لوگوں کی وساطت سے تجارت کیا کرتی تھیں۔ بسا اوقات قریش کے تجارتی مال میں جسے قافلہ اپنے وقت پر شام یا یمن کی طرف لے جاتا تھا نصف سامان خدیجہ کا ہوتا تھا۔ شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق کی مالک ہونے کے باعث مکہ کے لوگ انہیں "طاہرہ" کے نام سے پکارتے تھے۔ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی منڈیوں کی طرف جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ طاہرہ خدیجہ نے

محمدؐ کی راست بازی اور دیانت کا شہرہ سُن کر ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا تجارتی مال اپنی تحویل میں لے کر شام کے سفر پر جائیں تو میں آپ کو دوسروں کی بہ نسبت دگنا معاوضہ دوں گی۔ محمدؐ نے یہ پیشکش قبول کرلی اور اپنا اور خدیجہ کا تجارتی مال لے کر بصریٰ کی منڈی کو روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں خدیجہ کو پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ نفع حاصل ہوا اور محمدؐ کی امانت و دیانت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ سفر سے واپسی کے تین ماہ بعد خدیجہ نے محمدؐ کو ایک عورت کی وساطت سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ جسے محمدؐ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد نے قبول کر لیا۔ نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی تاریخ معین پر بنی ہاشم کے خاندان کی برأت دولہا کو لے کر خدیجہ رضؓ کے مکان پر گئی پانسو طلائی درہم مہر مقرر ہوا اور محمدؐ خدیجہؓ کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے۔ نکاح کے وقت محمدؐ کی عمر پچیس سال تھی اور خدیجہ رضؓ چالیس سال کی تھیں۔ پہلے دو شوہروں سے خدیجہ رضؓ کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہو چکی تھی یہ اولاد نکاح کے وقت موجود تھی اور دیر تک زندہ رہی۔

تعمیر کعبہ کے سلسلے میں اہم فیصلہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ شباب کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ وہ ہے جو تعمیر کعبہ کے سلسلے میں پیدا ہونے والے ایک جھگڑے کو نپٹانے سے متعلق ہے۔ کعبہ کی چاردیواری نشیب میں واقع ہونے کے باعث بارش کے دنوں میں سیلاب کی آماجگاہ بنی رہتی تھی۔ اس لئے خانۂ کعبہ کی عمارت بوسیدہ ہوگئی تھی۔ قریش کے بڑے آدمیوں نے فیصلہ کیا کہ پرانی عمارت کو گرا کر

اسی جگہ نئی عمارت کھڑی کر دی جائے۔ مکّہ کے ایک متموّل رئیس ولید بن مغیرہ نے کعبہ کی عمارت بنانے کے لیے جدّہ سے تباہ شُدہ جہاز کی لکڑی خریدی۔ ولید اس لکڑی کے ساتھ باقوم نامی ایک رُومی معمار کو ساتھ لے آیا۔ قریش مکّہ کے تمام خاندان خانۂ کعبہ کی تعمیر کا شرف حاصل کرنے کے خواہاں تھے اس لئے سب نے اپنے اپنے حصّے کا کام بانٹ لیا۔ تعمیر شروع ہوگئی جب سنگ اسود کو اپنی جگہ پر نصب کرنے کا موقع آیا تو رؤسائے قریش میں سے ہر شخص یہ چاہنے لگا کہ سنگ اسود کو نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو۔ اس بات پر ان میں زبردست اختلاف رونما ہوگیا اور اکثر اشخاص نے خون سے بھرے ہوئے پیالوں میں انگلیاں ڈال کر قسمیں کھائیں کہ وہ کسی دوسرے کو اس سعادت سے مشرف ہوتے دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔ چار دن مسلسل اسی بحث و تمحیص میں گزر گئے کہ حجر اسود کو دیوار میں نصب کرنے کی سعادت کسے حاصل ہو۔ چوتھے دن شام کے وقت یہ رائے قرار پائی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو سب اسے حکم یعنی ثالث مان لیں اور اس کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اگلی صبح کو سب سے پہلے جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ محمدؐ تھے جنہیں لوگوں نے راست بازی اور دیانت کے باعث "صادق الامین" کا لقب دے رکھا تھا۔ حسب قرارداد تمام دعویداروں نے محمدؐ کے سامنے اپنے اپنے دعوے کے حق میں دلائل پیش کئے۔ حضورؐ نے تبسّم فرمایا اور کہا کہ ایک چادر لاؤ۔ حضورؐ نے حجر اسود کو اس چادر پر ڈال دیا اور قریش کے جملہ خاندانوں کے رؤسا سے کہا کہ وہ چادر کے کونے اور کنارے پکڑ لیں اور چادر کو اٹھا کر

نصب کے موقع تک لے جائیں۔ جب حجر اسود اس طریق سے دیوار کے قریب تک پہنچ گیا تو حضور نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ محمدؐ کے اس فیصلے سے رؤسائے قریش تمام کے تمام مطمئن ہو گئے اور کسی کے دل میں یہ حسرت نہ رہی کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی سعادت اس کے حصے میں نہ آئی۔ کعبہ کی از سر نو تعمیر کا کام خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔

زندگی کا عام اسلوب

نبوت و رسالت کی زہرہ گداز ذمہ داریاں تفویض ہونے سے پہلے محمدؐ مکہ کے ایک پاک نفس۔ پاکیزہ اخلاق۔ راست گفتار۔ دیانتدار۔ اور خوش اطوار شہری تھے جنہیں مکہ کے لوگ محض حسن کردار کے باعث احترام و اعتماد کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ قریش کی اخلاق باختہ سوسائٹی میں اچھی صفات کے اور لوگ بھی موجود تھے۔ لیکن فطرتِ سلیم نے جو خوبیاں محمدؐ کی ذات میں ودیعت کر رکھی تھیں وہ دوسروں میں بہت کم پائی جاتی تھیں۔ آپ ایام طفولیت ہی سے بت پرستی اور شرک کی دوسری رسموں سے مجتنب رہتے تھے۔ شراب خوری اور قمار بازی سے انہیں طبعی نفرت تھی۔ وہ ان جانوروں کا گوشت کھانے سے بھی محترز رہتے تھے جو بتوں کے سامنے ذبح کر کے ان کے نام بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ آپ نے قبل نبوت چالیس سال کی عمر میں دو دفعہ داستان گوئی کی محفل میں شامل ہونے کا ارادہ کیا لیکن دونوں دفعہ ایسے واقعات پیش آ گئے کہ

آپ ایسی بزم میں جس کا مقصد ساعت تیری کے سوا اور کچھ نہ تھا شامل نہ ہوسکے۔ نزولِ وحی کے وقت آپ ایک پختہ کار اور کامیاب تاجر کی زندگی بسر کر رہے تھے جو لہو ولہب کے کاموں اور مشرکین مکہ کی رسموں سے مجتنب رہتا تھا۔
مکہ شہر میں ان دنوں بت پرست۔ مشرک۔ کفار یعنی خدا کی ہستی کے منکر۔ عیسائی۔ یہودی۔ مجوسی۔ دہریئے۔ اور موحد یعنی خدائے بزرگ و برتر کو وحدہٗ لا شریک لہٗ ماننے والے ہر مذہب اور ہر خیال کے لوگ موجود تھے۔ نبوت سے پہلے محمدؐ کا شمار ان آخر الذکر لوگوں کی فہرست میں کیا جاسکتا ہے جو محض عقل و فکر کی بنا پر شرک و الحاد سے متنفر ہو کر خدا کی واحدانیت کا عرفان حاصل کر چکے تھے۔ عین اس حال میں جب کہ مکہ کی غالب اکثریت بتوں کو پوجتی، ان کے نام کی قربانیاں دیتی اور ان کے آگے چڑھاوے چڑھاتی تھی محمدؐ سب سے الگ ہو کر غارِ حرا میں جا بیٹھتے تھے کئی کئی دن کا کھانا اور پانی ساتھ لے جاتے اور شب و روز اس غار میں بیٹھ کر قدرت خداوندی کی کارفرمائیوں، کائنات کی نیرنگیوں، عالم ہست و بود کی حقیقتوں کو سمجھنے اور جاننے کے لئے تفکر و تدبر میں مشغول رہتے تھے۔ گوشۂ انزوا میں بیٹھ کر یاد الٰہی کی یہ صورت بہت قدیم زمانے سے رائج چلی آرہی تھی۔ عرفانِ حق کے جویا اکثر ذکر و فکر کے لئے پہاڑوں کے غار آباد کرتے رہتے ہیں جہاں کی پرسکون و پرشکوہ فضا میں ان کی وجدانی اور روحانی کیفیات سے کوئی چیز معترض نہیں ہوتی۔ خالق حقیقی سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے محمدؐ برسوں سے حرا کے غار میں جایا کرتے تھے۔ آخر یہ رابطہ قائم ہوا اور پروردگار عالم و عالمیان

نے رُوحِ اعظم جبرئیل امین کو سرورِ کونین۔ فخرِ دارین حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم (بابا بتا هو وامهاتنا) کی خدمت بابرکت میں بھیج کر پیغام دیا کہ اٹھیئے کمر ہمت باندھیئے اور نوعِ انسانی کے سامنے دینِ الٰہی کو کامل و مکمل صورت میں پیش کر کے اس کی فلاحِ دنیوی اور تجارتِ اُخروی کا وسیلہ بن جائیے۔

یہ سرزمین عرب میں دعوتِ اسلام کی ابتدا تھی۔

دعوتِ اسلام کی ابتدائی رفتار

عزیزوں اور دوستوں سے تذکرہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر وحی الٰہی کے نزول کا نظارہ دیکھنے اور اس کی کیفیات سے لذت آشنا ہونے کے بعد غارِ حرا سے نکلے تو قدرتِ خداوندی کے جلال و جبروت سے بہت زیادہ اثر پذیر تھے۔ وہ ایک سہما سہما دل لے کر گھر پہونچے جہاں انھوں نے اپنی چہیتی بیوی خدیجہؓ سے وہ سارا ماجرا بیان کیا جو ان پر غار میں گزر چکا تھا۔ خدیجہؓ کو تعجب ہوا وہ اپنے شوہر کو ساتھ لے کر مکّہ کے ایک عالم و فاضل شخص ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو دینِ مسیحی کے پیرو تھے۔ ورقہ عبرانی زبان کے ماہر تھے۔ توراۃ اور انجیل پر انہیں کافی عبور حاصل تھا۔ ورقہ نے غارِ حرا کی کیفیت کا حال سنا اور کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ ورقہ کی تصدیق کے بعد خدیجہؓ اپنے شوہر کے خدا کا رسول ہونے پر ایمان لے آئیں۔ خدیجہؓ اپنے شوہر کی ذاتی خوبیوں پر پہلے ہی ایمان لا چکی تھیں اب وہ شرک سے تائب

ہو کر مسلمان بن گئیں۔ خدیجہؓ کے بعد رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے چچیرے بھائی حضرت علیؓ و اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ اپنے محبِ خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کو وحی کے نزول کی خوشخبری سنائی۔ وہ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلعم کی ظاہری اور باطنی کیفیات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ان کے دل میں محمدؐ کی بات پر لمحہ بھر کے لئے شک کرنیکی گنجائش نہ تھی ۔

وحی الٰہی کا نزول

اب خدا کا فرشتہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت محمدؐ پر ظاہر ہو کر انہیں خدا کا کلام پہونچانے لگا۔ آپؐ فرشتے سے خدا کا کلام سنتے تھے اور ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے۔ یہ کلام فرشتے کے غائب ہو جانے کے بعد انہیں ازبر ہو جاتا تھا۔ آپ اس کو اپنی رسالت پر ایمان لانے والوں کو حفظ کرا دیتے تھے۔ حضرت محمدؐ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ بچپن ہی سے انہوں نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا۔ اس لئے کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ نے اپنے پیروؤں میں سے خدا کا کلام قلمبند کرنے کے لئے کاتب مقرر کر دیئے۔ خدا کے اس کلام کو جو حضرت محمدؐ پر نازل ہو رہا تھا قرآن یعنی "پڑھنے کی چیز" کا نام دیا گیا۔ خود رسول کریمؐ اور ان کے متبعین قرآن کی آیات کی جو ان پر جستہ جستہ نازل ہو رہی تھیں بالالتزام تلاوت کیا کرتے تھے۔ کبھی وحی کے نزول میں تاخیر ہو جاتی تھی تو محمدؐ سخت

پژمردہ خاطر ہو جایا کرتے تھے۔ اس اندیشے سے خایف ہو کر کہ شاید خدائے ذوالجلال نے وحی کے نزول کا سلسلہ منقطع کر دیا ہے وہ حد سے زیادہ ملول ہو جاتے تھے اور ان کا جی چاہنے لگتا تھا کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر زندگی کا خاتمہ کر لیں۔ آخر ربّ اکبر نے ایک پیغام کے ذریعے حضورؐ کے ان اندیشوں کو دُور کر دیا۔ قرآن مجید کی سورہ "والضحیٰ" خدا کے اسی پیغام کی حامل ہے جس نے آنحضرت صلعم کو تاخیرِ وحی کے سبب سے پیدا ہونے والے اندیشوں سے نجات دلائی۔

سابقون الاوّلون

شروع شروع میں دینِ اسلام کی دعوت پھیلانے کا یہ طریق اختیار کیا گیا کہ خاموشی سے چیدہ اور منتخب اشخاص کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وحی الٰہی کے نزول کی اطّلاع دی جاتی تھیں اور انہیں قرآن یعنی خدا کے کلام کی نازل شدہ آیتیں پڑھ کر سُنائی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ مکّہ کی سوشل زندگی میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے اور مکّہ کے پنچایتی نظام میں خون کے دعووں کا فیصلہ کرنے کی خدمت پر مامور تھے۔ صدیقؓ دولتمند بھی تھے جب اسلام لائے تو چالیس ہزار درہم سرمایہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت صائب الرائے، متین طبع اور پختہ کردار کے آدمی تھے اس لئے مکّہ کے لوگ انہیں بہت عزّت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کا اسلام لانا دعوتِ اسلام کی تقویت کا باعث ثابت

ہوا۔ ان کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ۔ حضرت سعد ابن وقاصؓ۔ حضرت طلحہؓ اور بہت سے دوسرے صحابۂ کرام سابقون الاوّلون کی فہرست میں شامل ہوئے۔ دعوتِ اسلام کا کام کچھ مدت اس خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔ نماز ادا کرنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں چھپ کر نماز پڑھا کرتے۔ ایک دفعہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے محمدؐ اور اپنے بیٹے علیؓ کو چھپ کر نماز پڑھتے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کیا دین ہے جو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ رسول اکرمؐ نے جواب دیا کہ ہمارے دادا حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ یہی تھا۔ ابو طالب نے کہا کہ میں اسے اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تمہیں اس کی اجازت ہے۔ میں دیکھوں گا کہ کوئی شخص اس مسلک کے اختیار کرنے میں تمہارا مزاحم نہ ہو۔

کامیابی کے اسباب

حضرت محمدؐ اور ان کے ابتدائی متبعین نے انفرادی طور پر لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کا کام جاری رکھا آہستہ آہستہ محمدؐ کی رسالت پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ شہر میں ایک نئے رسول کے ظہور اور نئے دین کی دعوت کا چرچا عام ہوگیا۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے بعض اسلام کے معتقدات کو ٹھٹھوں میں اڑانے لگے۔ بعض اپنی فطرت سے مجبور ہوکر صریح مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ بعض طبیعتیں اس نئی تحریک کو

جاننے اور سمجھنے کی طرف مائل ہونے لگیں۔ اس ابتدائی کامیابی کے اسباب یہ تھے کہ غور و فکر سے کام لینے والی بعض طبیعتیں ظہور اسلام سے پہلے ہی بت پرستی اور شرک سے بیزار ہو چکی تھیں ایسے اشخاص کی روحیں حق کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔ بعض افراد یہ سوچنے لگے تھے کہ اسماعیلؑ کی اولاد ابراہیمؑ کے صحیح دین سے منحرف ہو چکی ہیں۔ وہ جاننا چاہتے تھے ابراہیمؑ کا حقیقی دین کیا تھا؟ ایسے طبائع نے جب خدا کے پیغمبر کی بعثت کا حال سنا تو اس کی دعوت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اسے اپنی روحوں کی تشنگی کو دور کرنے والا پیغام پاکر اسلام لے آئے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو پیغمبر اسلام کی ذاتی سیرت کی خوبیوں کے بہت مداح تھے۔ اس لئے ان کی پیش کردہ دعوت پر بلا تامّل ایمان لے آئے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ محمدؐ پر نازل ہونے والے خدائی کلام کی اثر آفرینیاں فصاحت و بلاغت کے سمندر میں رہنے والوں پر جادو سے بڑھ کر کام کرتی تھیں۔ قرآن کا انداز بیان اور اس میں بیان کئے ہوئے مضامین و مطالب دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر محمدؐ کی رسالت کا یقین دلاتے تھے۔ اس لئے سلیم الفطرت طبیعتوں نے اسے جلد قبول کر لیا۔

اسلام کی دعوت کیا تھی؟[1]

[1] اس عنوان کے ماتحت مناسب اجمال کیساتھ اسلام کی دعوت کے موٹے موٹے خدوخال بیان کردیئے گئے ہیں جو تمام کے تمام قرآن مجید کے بیان کئے ہوئے مطالب کے حامل ہیں۔ اگر اس مضمون کو (بقیہ دیکھو صفحہ ۵۴)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہتے تھے کہ خدائے بزرگ و برتر نے جس کا نام اللہ ہے مجھے اپنا نبی اور رسول بنا کر تمہارے عقاید و اعمال کی اصلاح کے لئے مامور کیا ہے۔ جو باتیں خدا کا فرشتہ جبرئیل مجھے بتاتا ہے وہ یکن من وعن تمہارے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔ خدا کہتا ہے کہ کائنات ارضی وسماوی اور اس کے گوناگوں عالموں کا خالق۔ مالک اور پروردگار تنہا وہی ہے۔ وہ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کی مشیت کے بغیر کائنات کی کسی چیز میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ عبادت کے لائق صرف وہی ایک خدا ہے۔ جس کی قدرت سب جاندار اور بے جان چیزوں پر محیط ہے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو بندگی کے لائق سمجھنا۔ اس کی قدرت کاملہ میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا۔ کسی اور طاقت کو اس کا مدمقابل سمجھنا۔ اور اسکی ذات کو انسانی صفات کا حامل گردانتا شدید گمراہی ہے۔ کیونکہ وہ سب کا خالق ہے اور باقی جملہ اشیا ان کی کیفیت و ماہیت خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو اس کی مخلوق اور اس کے احاطۂ قدرت کے بس میں ہیں نیکی و بدی۔ نور و ظلمت۔ اور جزا و سزا کا مالک وہی ہے۔ انسان کی زندگی کا خاتمہ صرف موت ہی پر نہیں ہو جاتا بلکہ ہر انسان کو دوبارہ زندہ ہونا اور حیات ابدی کا مالک بنتا ہے۔ قیامت یعنی از سر نو جی اٹھنے کے بعد یوم حساب آنیوالا ہے جس میں ہر انسان کو اس کے اچھے اور برے اعمال جو اس نے

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۵۳) قرآن مجید کی آیات کے حوالے سے شرح و بسط کے ساتھ لکھا جائے تو اس کے لئے ایک الگ ضخیم کتاب چاہئے تھی۔ (مولف)

دنیوی زندگی میں کئے دکھائے جائیں گے اور اس سے ان اعمال کا کڑا حساب لیا جائے گا۔ جو لوگ ایماندار ہوں گے اور اس زندگی میں ہدایت کی سیدھی راہ پر جو میں نے ہیں بتا رہا ہوں چلیں گے وہ آخرت کی جاودانی زندگی میں آرام پائیں گے۔ بہشت میں رکھے جائیں گے جہاں انسان کی جسمانی اور روحانی خواہشوں کی تسکین کے جملہ سامان مہیا ہوں گے۔ جو لوگ خدائے واحد کی ہستی پر ایمان نہیں لائیں گے یا اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت و قدرت میں شریک ٹھہرائیں گے وہ اس دنیا میں ٹیڑھی راہ پر چلنے والے لوگ ہوں گے وہ منزل مقصود کو نہیں پائیں گے اور آخرت کی زندگی میں جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ جس کی جسمانی اور روحانی اذیتوں میں وہ ابدالآباد تک جلتے رہیں گے ۔

اسلام کی دعوت کے بنیادی عقاید یہ تھے جن کی تلقین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے کی۔ اور جن کو ملنے پر قرآن کی آیتوں میں یعنی خدا کے اس کلام میں جو محمدؐ پر فرشتے کے ذریعے نازل ہوتا تھا نئے نئے مؤثر پیرایوں میں زور دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ حضرت محمدؐ سے پہلے مختلف ادوار میں خدا کے جو پیغمبر وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے ہیں ان سب کی تعلیم یہی تھی۔ جن قوموں نے اپنے وقت کے نبی اور رسول کو پہچان اور مان لیا انھوں نے اس دنیا کی زندگی میں بھی فلاح حاصل کر لی اور آخرت کی زندگی میں بھی فوز و فلاح پانے کی حقدار بن گئیں لیکن جن قوموں نے خدا کے رسولوں کی مخالفت کی اور انکی بات نہ مانی ان پر اس دنیا کی زندگی میں بھی خدائی عذاب

نازل ہوئے اور وہ آخرت کی زندگی میں بھی خائب وخاسر رہیں گے۔

اسلام کی یہ دعوت اس وقت کے تمام مروجہ ادیان اور مسلّمہ عقاید کے لئے ایک کھلا چیلنج تھی۔ اس میں بت پرستوں کے عقیدے اور مسلک پر یہ کہکر حملہ کیا گیا تھا کہ تم پتھر کی بے جان مورتیوں کے سامنے سر جھکاتے ہو اور ایسی ہستیوں سے دعا اور استمداد کرتے ہو جو تمہاری طرح اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہیں تم اپنے خیالی دیوتاؤں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہو اور انہیں پرستش اور عبادت کے حق دار سمجھتے ہو۔ تمہارے یہ طریقے کھلی ہوئی گمراہی ہیں۔ جو تمہیں اس دنیا میں بھی ذلیل وخوار کرکے رہیں گے اور آخرت میں بھی شدید عذاب میں مبتلا کردیں گے مکّہ اور عرب کے مشرک بت پرست خدا کی ہستی کے منکر نہ تھے وہ ایک قادر مطلق ہستی کے جسے وہ اللہ اور اللہ کے نام سے موسوم کرتے تھے قائل تھے۔ دوسری مشرک قوموں کی طرح ان کے مفکّر لوگ کہتے تھے کہ یہ دیوتا جن کی ہم پرستش کرتے ہیں اللہ کی قدرت کاملہ میں شریک ہیں اور اسکی مرضی پر اثر انداز اور اس کے کاموں میں دخیل ہوسکتے ہیں اور یہ جو بت ہیں وہ عین معبود نہیں بلکہ قدرت وطاقت والے دیوتاؤں کی تمثیلیں ہیں۔ جن کے سامنے سر نیاز جھکانا چڑھاوے چڑھانا اور قربانیاں دینا۔ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔ مکّہ والوں نے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت لگا رکھے تھے سب سے بڑا بت ہُبل تھا جو کعبہ کی چھت پر نصب کیا گیا تھا۔ عزّیٰ۔ لات اور منات کے بت بھی تھے۔ منات کا بت مدینہ کے قریب قدید کے مقام پر ساحلِ بحر پر نصب تھا۔ اِن کے

علاوہ ہر قبیلہ کے اپنے اپنے بُت بنا رکھے تھے۔ مکہ کے مشرک خدائے بزرگ و برتر کی ہستی کے قائل تھے لیکن اس کے باوجود انہیں اسلام کی دعوت ناگوار گزری کیونکہ وہ ان دیوتاؤں اور بُتوں کا دامن نہیں چھوڑنا چاہتے تھے جن سے وُہ اور ان کے آباؤ اجداد نامعلوم اوقات سے مرادیں مانگتے اور استمداد کرتے چلے آرہے تھے۔

اسلام کی دعوت نے یہودیوں اور عیسائیوں کے مروّج الوقت عقاید کی تکذیب کی۔ یہود سے اس نے کہا کہ تم جو خدا کو محض یہودیوں کا پروردگار خیال کئے بیٹھے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ صرف یہود خدائی انعاموں کے مستحق ہیں اور آخرت میں محض یہود ہونے کی وجہ سے نجات پا جائیں گے۔ یہ تمہاری غلطی ہے وہ رب العالمین ہے اور اپنے تمام بندوں پر یکساں طور پر مہربان ہے تمہاری قوم اپنی پیہم نافرمانیوں کے باعث اللہ کی مغضوب ہو چکی ہے جس پر خود تمہارے مذہبی نوشتے شاہد و دال ہیں۔ تم خدا کے نبیوں کا انکار کرتے رہے ہو بلکہ تمہارے آباؤ اجداد انہیں قتل کر دیتے رہے ہیں تم عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہو۔ حالانکہ خدا کی ذات باپ اور بیٹے۔ بیوی اور اولاد کے علایق سے بے نیاز ہے۔ عیسائیوں کو اسلام کی دعوت نے یہ کہا کہ تم جو مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا مان رہتے ہو۔ روح القدس کو خدائے قادر و قیّوم کی تثلیثی ہستی کا ایک جزو لا ینفک گردانتے ہو۔ کنواری مریم کو خدا کی بیوی قرار دے رہے ہو یہ سب غلط ہے خدائے وحدہٗ لا شریک لہٗ کی شان ایسی آلودگیوں سے یکسر مبرا ہے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی حیثیت

اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھی کہ وہ بھی خدا کے رسولوں میں سے ایک تھے۔ اور دوسرے نبیوں کی طرح یہودیوں کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے عیسائیوں سے اسلام کی دعوت نے یہ بھی کہا کہ حضرت عیسےٰؑ مصلوب نہیں ہوئے۔ لہذا تمہارا یہ عقیدہ جس کو بنیاد بنا کر تم نے دین مسیحی کی عمارت کھڑی کر رکھی ہے سراسر باطل ہے کہ حضرت مسیحؑ نے صلیب پر جان دے کر تمہارے اگلے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اور تمہیں اس دنیا میں رنگ رلیاں منانے کی کھلی چھٹی دیدی۔ یہود اور نصاریٰ کے لئے اسلام کی دعوت پر ایمان لانا مشرکوں اور کافروں کی بہ نسبت زیادہ سہل تھا کیونکہ وہ اپنی مقدس کتابوں توراۃ اور انجیل کی بدولت خدا کی وحدانیت اور نبیوں کی رسالت کے حقائق سے آگاہ تھے اس کے علاوہ ان مقدس کتابوں میں ایک جلیل القدر رسول کے مبعوث ہونے کی پیشن گوئیاں بھی موجود تھیں لیکن یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی اسلام کی دعوت ناگوار گزری وہ بھی مشرکوں کی طرح اپنے قائم شدہ عقیدوں سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

زرتشتی دین کے پیرو یزدان کے مقابلے میں اہرمن کو برابر طاقت و قدرت کا مالک تصور کرتے تھے۔ اسلام کی دعوت نے اس خیال کو بھی باطل قرار دیا اور بتایا کہ ابلیس کو محض ایک مقررہ میعاد کے لئے شر پھیلانے اور انسانوں کو گمراہ کرنے کی چھٹی دی گئی ہے جو نیکی کی راہ اختیار کرنے والے راسخ الایمان بندوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ ابلیس یا اہرمن بھی دوسری مخلوق کی طرح قدرت الٰہی کے بس میں ہے بذات خود وہ کسی قدرت اور

طاقت کا مالک نہیں۔

مجوسیوں کو جو چاند سورج ستارں اور نیچر کے دوسرے مظاہر کی پرستش کرتے تھے اسلام نے یہ کہکر کھڑا کیا۔ کہ یہ سب اشیاء اور مظاہر اللہ نے انسان کی بہبود کے لئے پیدا کئے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ ان کی پرستش کی جائے۔ وہ تو قدرت خداوندی کے قانون کے غلام ہیں۔ بذاتِ خود انسان کو نفع یا نقصان پہونچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

کافروں اور دہریوں کو اسلام نے یہ بتایا کہ کائنات کے نظام کی باقاعدگی اور ہر شے میں قانونِ ربوبیت کا عمل جاری انسان کا انفس اور آفاق کی جملہ موجودات پھر ان سب کی ایک معین مقصد کے ماتحت تخلیق و ترقی۔ یہ سب باتیں غور و فکر۔ اور عقل و ہوش سے کام لینے والوں کو جتا رہی ہیں کہ اس سارے نظام کے پیچھے ایک خدائے قادر و قیوم کی ہستی کارفرما ہے۔

یہ تھی اسلام کی دعوت جس نے مکہ شہر کے گھر گھر میں نئے چرچے اور نئی بحثیں پیدا کر دیں ہر شخص اپنی جگہ پر سوچنے لگا کہ اسے نئی دینی تحریک کے بارے میں کیا روش اختیار کرنی چاہیئے۔

مخالفت کے طوفان

داعیٔ حق کو اذیتیں

شروع شروع میں قریشِ مکہ کے بااثر لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموش اور انفرادی تبلیغی سرگرمیوں کو چنداں قابلِ اعتنا خیال نہ کیا وہ ان سرگرمیوں کا حال سنتے تھے اور اپنی محفلوں میں نئے دین کی اس دعوت کا استہزا کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ محمدؐ کو جنون کا عارضہ لاحق ہوگیا ہے۔ اس لئے وہ ایک نیا دین ایجاد کرنے کی فکر میں جان ہلکان کر رہا ہے۔ جب ان کے سامنے کلامِ الٰہی یعنی قرآن کی آیتوں کی غیر معمولی اثر آفرینیوں کا ذکر آتا تو وہ یہ کہہ کر بات کو ٹالنے کی کوشش کرتے کہ محمدؐ بھی دوسرے شاعروں کی طرح ایک شاعر ہے جو اپنے کلام میں جادو کی تاثیر بھر دیتا ہے۔ جب وہ یہ سنتے کہ جو لوگ اس کے پیرو بن رہے ہیں وہ دل و جان سے اس کے مطیع اور شیدائی بن گئے ہیں تو جواب دیتے کہ محمدؐ ایک ساحر ہے جو اپنے جادو کے بل پر دوسروں کے دل مسخر کر لیتا ہے۔ غرض ابتدا میں مشرکینِ قریش نے تبلیغِ حق کے مقابلے کے لئے عصرِ حاضر کی اصطلاح میں پروپیگنڈے کا حربہ اختیار کیا۔ اور محمدؐ کو ساحر، شاعر اور مجنون ظاہر کر کے دعوتِ اسلام کی اہمیت کو زائل کرنے کی کوشش کرنے لگے جب انہوں نے دیکھا کہ محمدؐ

کے خلاف ان کا پروپیگنڈہ چنداں بار آور ثابت نہیں ہوتا تو وہ پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی کے درپے ہونے لگے۔ وہ رسول اللہ کی راہ میں کانٹے بکھیر دیتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت ان کے جسم پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ گالیاں دیتے تھے۔ آوازے کستے تھے۔ ایک شخص عقبہ بن معیط نامی نے ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کہ وہ حرم کعبہ میں سربسجود تھے اونٹ کی اوجھ لاد دی اور حضور کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے داعی حق کی اس ایذا رسانی میں محمد کا چچا ابولہب اور ان کی چچی یعنی ابولہب کی بیوی سب سے پیش پیش تھے۔ یہ دونوں سائے کی طرح ان کے پیچھے لگے رہتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ اس پاگل (نعوذ باللہ من شرور انفسنا) کی بات نہ سننا۔ ابولہب کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بکھیرنے کی بہت ماہر تھی۔ ان دونوں کو اس ایذا رسانی کا صلہ یہ ملا کہ قرآن پاک کی ایک سورت ان دونوں کی شان میں نازل ہوئی جس میں ان کے انجام بد کی پیش گوئی کی گئی۔ قریش کے دوسرے سرداروں میں جو اس مخالفت میں نمایاں حصہ لے رہے تھے ایک ولید بن مغیرہ تھا جو سارے قریش کا رئیس اعظم سمجھا جاتا تھا۔ دوسرا ابوسفیان تھا جو خاندان بنو امیہ کا سردار تھا۔ تیسرا ابوجہل (اصلی کنیت ابوالحکم) تھا جو ولید کا بھتیجا تھا اور خود بھی بہت با اثر آدمی تھا۔ اس نے مکہ کے ایک شخص اخنس بن شریق سے کہا تھا "ہم اور بنو عبد مناف (آل ہاشم) ہمیشہ ایک دوسرے کے حریف رہے ہیں۔ انہوں نے مہمان داریاں کیں۔ تو ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے۔ انہوں نے فیاضیاں کیں تو

ہم نے ان سے بڑھ گئیں۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا تو بنو ہاشم اب پیغمبری کے دعوے دار بن رہے ہیں۔ خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔"

مشرکین مکّہ کی ان سرگرمیوں کے باوجود محمدؐ کی تبلیغی کوششوں میں کوئی فرق نہ آیا وہ ہر قسم کے استہزا اور ہر نوع کی ایذا رسانی کو باوقار صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ انہوں نے اپنا کام جاری رکھا اور لوگ آہستہ آہستہ مومنین کے زمرے میں شامل ہوتے چلے گئے۔ رؤسائے مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی ٹولی ترقی پذیر ہے اور اکا دکا کر کے لوگ اسلام کی دعوت کو قبول کرتے چلے جا رہے ہیں تو انہیں یہ فکر لاحق ہونے لگی کہ اگر یہ دین چل نکلا تو قریش کے اس اثر و اقتدار کو سخت دھکا لگے گا جو انہیں بت کدۂ کعبہ کے پجاری اور متولی ہونے کے باعث حاصل ہے اور خود شہر کے اندر ان کی ذاتی وجاہت جو قریش کے رئیس ہونے کے اعتبار سے انہیں حاصل ہے خطرے میں پڑ جائے گی۔ اب انہوں نے پیغمبر کو اذیتیں دینے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ ان کا خیال تھا کہ محمدؐ ان ایذاؤں سے تنگ آ کر خود ہی دعوتِ اسلام سے کنارہ کش ہو جائیں گے لیکن ادھر محمدؐ کو خدا کی طرف سے پیغام پہ پیغام چلا آ رہا تھا کہ کمر ہمت باندھ کر تبلیغ حق کا فرض ادا کئے جاؤ۔ اور مخالفین کی پروا نہ کرو۔ یہ سب آخر کار آپ سے آپ خائب و خاسر ہو کر رہ جائیں گے[1]۔

---

[1] سورۂ القلم میں جو سورۂ علق کے بعد نازل ہوئی آتا ہے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ (دیکھو بقیہ صفحہ ۶۳ پر)

قریش اور بنو ہاشم کو کھلی دعوت۔

رسول خدا کی بعثت کے بعد تین سال تک یہی کیفیت جاری رہی اب انہیں خدا کی طرف سے اپنے اقربا کو غضب الٰہی سے ڈرانے اور کھلم کھلا دین حق کی تبلیغ کرنے کا حکم مل گیا۔ یہ حکم پاکر آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر "یا معشر القریش" کا نعرہ بلند کیا۔ قریش کا دستور تھا کہ ان کے فریادی جنہیں ساری قوم سے کچھ کہنا ہوتا تھا اس پہاڑ پر چڑھ کر پکارتے تھے۔ حسب دستور محمدؐ کی پکار سن کر لوگ کوہ صفا کے دامن میں جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے کوئی لشکر حملہ کے لئے آرہا ہے تو کیا تم مان لو گے؟" لوگوں نے جواب دیا کہ "ہم نے آپ کو ہمیشہ سے سچ بولتے دیکھا اور سنا ہے کیوں نہ مانیں گے۔" یہ جواب پاکر حضورؐ نے کہا کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔" محمدؐ کی

(بقیہ صفحہ ۶۲) كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۔ (پس تو اپنے پروردگار کے حکم کے لئے صبر سے کام لے اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کی طرح نہ بن جب کہ اس نے پکارا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا) سورہ مزمل میں جو القلم کے بعد نازل ہوئی مذکور ہے:۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۞ (صبر کر ان باتوں پر جو وہ کہہ رہے ہیں اور اُن سے الگ تھلگ رہ۔ خوبصورتی کے ساتھ الگ تھلگ رہنا)

زبان سے یہ غیر متوقع بات سن کر قریشِ مکہ سخت برہم ہوئے اور پیغمبرِ خدا پر آوازے کستے ہوئے واپس چلے گئے۔

اس کے بعد آپؐ نے علیؓ سے کہا کہ خاندانِ بنو ہاشم کے تمام ارکان کو دعوت ضیافت پر بلاؤ۔ علیؓ نے حکم کی تعمیل کی کھانے سے فارغ ہو کر آپ کھڑے ہو گئے اور آپ نے افرادِ خاندان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "میں ایسی چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بارِ گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیگا"

اس دعوت میں حضورؐ کے چچا ابوطالب۔ حمزہؓ اور عباسؓ بھی شامل تھے لیکن سب چپ رہے۔ صرف علیؓ نے کھڑے ہو کر کہا "گو میری آنکھیں آئی ہوئی ہیں۔ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں خاندان میں سب سے زیادہ نوعمر ہوں لیکن میں آپ کا ساتھ دونگا"۔

خاندان کے بزرگ اس سیزدہ سالہ بچے کی جرأت و ہمت پر تبسم ہوئے اور کسی نے محمدؐ کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔

حرم کعبہ میں ہنگامہ

بعثت کے چوتھے سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروؤں کو لے کر جن کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی حرم کعبہ میں داخل ہوئے تاکہ وہاں خدائے بزرگ و برتر کے واحد و بے شریک ہونے کا اعلان کریں۔ حرم میں پہنچکر آپ نے خدا کے ایک ہونے کا اعلان کیا۔ متبعین نے بلند آواز سے اس اعلان کی تصدیق کی اور پکار اٹھے کہ "ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

محمد خدا کے رسول ہیں۔" مشرکین مکہ مسلمانوں کی مختصر سی جمعیت کی یہ جسارت دیکھکر بھڑک اُٹھے۔ چاروں طرف سے تلواریں سونت کر مسلمانوں پر پل پڑے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حضورؐ کے ربیب حارثؓ بن ذبی ہالہ گھر میں تھے۔ انہیں اس بلوے کی اطلاع ملی تو دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت صلعم کو بچانے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی کوشش میں کسی مشرک کی تلوار کا وار کھا کر گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ یہ جنگ نہ تھی محض بلوا تھا۔ مشرکین کو اس بات کا ڈر تھا کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوئی مسلمان مارا گیا تو اس کا سارا خاندان بگڑ جائے گا۔ اس جمعیت میں مکہ کے متعدد خاندانوں کے افراد شامل تھے اس لئے اگر بات بڑھ جاتی تو شہر مکہ کے خاندانوں میں زبردست جنگ شروع ہو جاتی۔ اس لئے محض ہنگامہ برپا کرنیکے بعد بلوائی منتشر ہو گئے۔ مسلمان بھی اعلائے کلمۃ الحق کر کے اور ایک مسلمان کے خون سے حرم کی زمین کو لالہ زار بنا کر واپس آ گئے۔

ترہیب و ترغیب

اس ہنگامہ کے بعد مشرکین مکہ کے اثر و اقتدار والے لوگ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لئے زبردست خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کے انسداد کی تدبیریں سوچنے لگے۔ اب تک وہ جو کچھ کرتے رہے یکسر ناکام ثابت ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ محمدؐ ہر طرح کی سختیاں جھیلتے مصیبتیں اٹھاتے تھے لیکن خدا کے دین کی تبلیغ سے باز نہ آتے تھے۔ باہمی مشورت کے بعد قریش کے چند سرکردہ اشخاص رسولِ خدا کے

چچا ابوطالب کے پاس آئے۔ اور ان سے شکایت کی کہ آپ کا بھتیجا لوگوں کو ان کے آبائی دین سے منحرف کر رہا ہے۔ ابوطالب نے انہیں نرمی سے سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ ابوطالب نے کہا کہ ہر شخص اپنا مسلک اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ قریش میں عیسائی۔ مجوسی۔ زرتشتی۔ دہریئے۔ احناف (یعنی اپنی عقل سے حضرت ابراہیم کے دین پر چلنے والے) ہر خیال اور ہر عقیدے کے لوگ موجود ہیں۔ اگر محمدؐ اپنا الگ مسلک اختیار کر رہا ہے تو ہمیں اور آپ کو اس کے کام سے تعرض نہ کرنا چاہیئے یہ سفارت واپس ہو گئی تو مکہ کے چیدہ چیدہ اشخاص جن میں عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان۔ عاص بن ہشام۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ سب شریک تھے وفد بنا کر ابوطالب کے پاس آئے۔ اور ان سے کہنے لگے کہ "تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہمیں احمق قرار دیتا ہے" یہ باتیں ہمیں سخت ناگوار ہیں اس لئے تم اسے اس کام سے باز رکھو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تم اس سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دو ہم خود نپٹ لیں گے"۔ ابوطالب نے اس وفد کو بھی وہی جواب دیا جو پہلی سفارت کو دے چکے تھے۔ رؤسائے قریش اپنا سا منہ لے کر واپس آ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا۔ تو بنو ہاشم ضرور انتقام لینے پر کمربستہ ہو جائیں گے۔ وفد کے لوٹنے کے بعد ابوطالب نے رسول خداؐ کو اپنے پاس بلایا اور رؤسائے قریش کی سفارت کا حال بیان کر کے کہا "بیٹا! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اسے اٹھا بھی نہ سکوں"۔ محمدؐ چچا کے یہ الفاظ سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ آپؐ نے کہا "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر

سورج اور دوسرے پر چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں اپنے اس فرض کی بجاآوری سے باز نہ آؤں گا۔ خدا اس کام کو پورا کر کے رہے گا یا میں اس پر اپنی جان قربان کر دوں گا۔" بھتیجے کا یہ عزم بلند دیکھ کر ابوطالب بھی جوش میں آ گئے اور انہوں نے کہدیا کہ "اپنا کام کئے جا کوئی شخص تیرا بال تک بیکا نہ کر پائیگا"۔

ابوطالب سے یہ جواب پانے اور بنو ہاشم کی آنکھیں دیکھنے کے بعد روسائے قریش نے ایک شخص عتبہ بن ربعیہ کو محمدؐ کے پاس بھیجا۔ عتبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "محمدؐ! اس تحریک کو اٹھانے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ کیا تم مکہ کا رئیس بننا چاہتے ہو۔ اگر یہ بات ہے تو تم اس نئے دین کی تبلیغ سے باز آجاؤ ہم تمہیں اتفاق رائے سے اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ اگر تم کسی بڑے گھرانے میں شادی کرانے کے خواہشمند ہو تو جہاں تم انگلی رکھو ہم اس کا انتظام کئے دیتے ہیں۔ اگر تم دولت کے انبار چاہتے ہو تو ہم ابھی فراہم کئے دیتے ہیں"۔

عتبہ کی یہ باتیں سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے تو کچھ جواب نہ دیا لیکن قرآن کریم کی چند آیتیں پڑھ دیں جن میں وہ یہ تھیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۝

(اے محمدؐ کہدے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک خدا ہے پس سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اس

سے معافی مانگو)

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ (حمٓ السجدہ)

(کہہ دے کہ کیا تم لوگ اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو یوم میں پیدا کیا اور تم اسکے شریک بناتے ہو۔ وہ تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے)

عتبہ نے واپس جا کر رؤسائے قریش سے کہا کہ محمدؐ جو کلام سناتے ہیں وہ شاعری نہیں کچھ اور ہے بہتر ہے کہ ہم اس کے کام سے تعرض نہ کریں۔ اگر وہ سچے ہیں تو ان کی کامیابی میں سارے عرب کی عزت ہے۔ اگر وہ حق پر نہیں تو عرب انہیں خود فنا کر دے گا۔ رؤسائے قریش کو عتبہ کا یہ مشورہ پسند نہ آیا اور وہ دین اسلام کو محو کرنے کی اور تدبیریں سوچنے لگے۔

مسلمانوں پر ظلم و تشدد

ان واقعات سے پہلے مکہ کے بت پرست صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ایذائیں پہونچا کر تنگ کیا کرتے تھے اب انہوں نے ان لوگوں کو ایذائیں پہونچانے پر کمر ہمت باندھی جو اسلام کی دعوت پر لبیک کہکر مسلمان ہو چکے تھے۔ تاکہ یہ لوگ تنگ آکر محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کی تحریک ناکام رہ جائے مکہ کے آزاد شہریوں کو تو وہ کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ کنبوں اور قبیلوں والے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر کسی دوسرے قبیلے کے شخص نے ان میں سے کسی پر ہاتھ اٹھایا تو دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ ٹھن جائے

گی لہٰذا انہوں نے پہلے غلام پیشہ اور بے کس مسلمانوں پر جبر و تشدد کرنے کی مہم شروع کی۔ انہیں اپنے غلاموں اور اپنی کنیزوں پر پورا پورا حق حاصل تھا۔ اس لئے جن غلاموں اور کنیزوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ ان کے آقا انہیں شدید بدنی سزائیں دیتے تھے۔ تازیانے لگاتے۔ انہیں عرب کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں گرم گرم ریت پر لٹا کر ان کی چھاتیوں پر بھاری پتھر رکھ دیتے۔ لوہے کو سرخ کر کے ان کے بدنوں کو داغتے۔ انہیں پانی میں غوطے دیتے غرض ہر طریق سے انہیں ایذا دے کر اس بات پر مجبور کرتے کہ وہ خدا کے ایک اور محمدؐ کے رسول برحق ہونے کے اقرار و اعلان سے توبہ کر لیں۔ بلالؓ، عمارؓ، صہیبؓ، خبابؓ، یاسرؓ، ابو فکیہہؓ ایسی جلیل القدر ہستیوں کو محض غلامی کی حالت میں اسلام قبول کر لینے کی بنا پر ان امتحانوں میں سے گزرنا پڑا۔ سمیہؓ والدہ عمارؓ کو ابو جہل نے برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ لبینہؓ اور زنیرہؓ عمرؓ کے گھرانے کی کنیزیں تھیں جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ عمرؓ انہیں اس بے دردی کے ساتھ بے تحاشا مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ نہدیہؓ اور ام عبیسؓ بھی کنیزیں تھیں جنہیں اسلام لانے کی پاداش میں سخت شدائد جھیلنے پڑے۔ ان لوگوں میں سے اکثر کی جان حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بچائی کہ انہیں ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ غلاموں اور کنیزوں کے علاوہ ایسے لوگ بھی قریش کی ستم رانیوں کا تختۂ مشق بنے رہتے تھے جو پردیسی تھے اور مکہ میں آکر مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اس فہرست میں ابوذر غفاریؓ کا نام بہت نمایاں ہے جنہیں کفار نے

حرم میں مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ خدا کی راہ میں ایسی ایذائیں جھیلنے والوں کی ایک تیسری فہرست تھی۔ یہ وہ قریش تھے جن کے رشتہ دار بزرگ انہیں اسلام لانے کی پاداش میں سخت سزائیں دیتے تھے۔ عثمانؓ ابن عفان کو ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر زد و کوب کیا۔ زبیرؓ ابن العوام کو ان کے چچا نے چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں چڑھایا۔ سعیدؓ بن زید کو ان کے چچیرے بھائی عمر نے رسیوں سے باندھ دیا۔ محمدؐ کی رسالت پر ایمان لانے والوں نے یہ تمام سختیاں صبر و تحمل کے ساتھ خندہ پیشانی سے برداشت کیں ان میں سے کسی کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے امتحان کے پہلے ہی موقع پر ان کے ساتھی ہونے سے انکار کر دیا تھا لیکن جن لوگوں کے قلوب محمدؐ کی محبت کے نشے سے سرشار ہو چکے تھے انہیں مخالفوں کا ترش سے ترش سلوک بھی اعتراف حق سے منحرف نہ کر سکا + قریش مکہ نے اپنے برابر کا درجہ رکھنے والے مسلمانوں پر بھی غلبی مقاطعہ۔ اور معاملات میں بدسلوکی وغیرہ کے حربوں سے عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ کافروں اور مشرکوں نے شدائد کی یہ مہم شروع کی تو خدا نے اپنے رسول مقبولؐ پر حسب ذیل سورت نازل کر کے ان کے ساتھ ایک دوسرے کے مسلک سے تعرض نہ کرنے کی پیش کش رکھی دی۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝ (الکفرون)

(کہہ دے کہ اے خدا کی ہستی کا انکار کرنے والو! میں اس کی بندگی نہیں کرتا جسے تم پوجتے ہو اور نہ تم اس کی پرستش کرتے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں نہ میں اس کا پجاری بن سکتا ہوں جس کی بندگی تم نے کی اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین۔ میرے لئے میرا دین)

چاہیئے تھا کہ اس پیش کش کے بعد کفار اور مشرک اپنی راہ لیتے اور مسلمانوں کو اپنے دین کی پیروی کرنے پر آزاد چھوڑ دیتے لیکن اُنھوں نے ایسا نہ کیا۔ انہوں نے محمدؐ کے دستِ صلح کو جو انہوں نے خدا کے حکم سے عدم تعرض کے اصول کی بنا پر مشرکوں کی طرف بڑھایا تھا مسترد کر دیا اور دینِ اسلام کو صفحۂ ہستی سے محو کرنے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں + کفار کو قرآنِ پاک کی آیات سے خاص چڑ تھی وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی مسلمان بلند آواز سے قرآن پڑھے جب کسی مسلمان کو قرآن پڑھتا سُن پاتے تھے تو فوراً اس پر حملہ کر دیتے تھے۔ یا وہاں سے خود ٹل جاتے تھے۔

حبشہ کی طرف ہجرت

سنہ ۶۱۵ء

مکہ میں مشرکوں کی ایذا رسانیوں کے باعث جب مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا تو پیغمبر خدا نے اپنے جاں نثاروں کو ہدایت کی کہ جو لوگ چاہیں مکہ کی سکونت کو خیرباد کہکر حبشہ کے مُلک میں چلے جائیں جس کا بادشاہ اصحمہ نامی

ایک عیسائی تھا۔ عرب لوگ حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ حبش کا شاہی خاندان حضرت سلیمانؑ اور ملکۂ سبا کی نسل سے تھا جو کوئی آٹھ نو سو سال ق م کے وقت سے اس ملک پر حکمرانی کرتا چلا آرہا تھا۔ حبش میں دین مسیحی کو تیسری چوتھی صدی مسیحی میں فروغ حاصل ہوا۔ حضورؐ کی اجازت سے پہلے پہل گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ قریش کے آدمی بندرگاہ تک ان کے تعاقب میں آئے لیکن یہ لوگ جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ اس قافلے کے بعد اور مسلمان بھی اکادکا کر کے مکہ کو چھوڑ کر حبش کی طرف جاتے رہے۔ چند ماہ میں ان کی تعداد ۸۳ تک پہونچ گئی۔ مسلمان حبش میں امن وامان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ مکہ کے مشرک تاجر بھی حبش کے ساتھ آمدورفت رکھتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا یوں چین سے بیٹھنا گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ مشرکین مکہ نے نجاشی کی خدمت میں وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ نجاشی کو مسلمانوں کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی جائے۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو ابن العاص اس کام پر مامور ہوئے۔ انہوں نے حبش پہونچکر بادشاہ کے درباریوں کو سوغاتیں دیں۔ پادریوں سے سازباز کی۔ اور بادشاہ کے دربار میں پیش ہوکر گزارش کی کہ ہمارے شہر کے کچھ مجرم آپ کے ہاں پناہ گزین ہیں وہ ایک نئے مذہب کے پیرو ہیں جو بت پرستی اور عیسائیت دونوں کو باطل قرار دیتا ہے۔ مکہ کے سردار آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان مجرموں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور ان سے حقیقتِ حال دریافت کی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؓ کے بھائی جعفرؓ نے بادشاہ کے سامنے بھرے دربار میں تقریر کی اور بتایا کہ ہم بلاشبہ اپنے میں کے ایک صادق۔

دیانتدار اور شریف شخص کی تلقین سے جو خدا کا پیغمبر ہے دینِ اسلام قبول کر چکے ہیں اور بتوں کی پرستش سے منہ موڑ چکے ہیں۔ ہمارے نبی نے ہمیں برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے محض ایسا کرنے پر ہماری قوم کے لوگ ہمارے دشمن بن گئے ہیں اور ہمیں پھر گمراہ کرنے کے لئے ہم پر جبر کرنا چاہتے ہیں۔

نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے قرآن کی آیتیں سنیں۔ اس کے قلب پر رقت طاری ہوگئی۔ اس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہونے لگیں جب اسے سورۂ مریم کی وہ آیات سنائی گئیں جن میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش۔ زندگی۔ پیغمبری اور ان کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کا بیان آیا ہے تو نجاشی نے کہا کہ قرآن فی الواقع خدا کا کلام ہے خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ اس سے ایک تنکا زیادہ درجہ نہ رکھتے تھے جو قرآن کی ان آیتوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔

نجاشی نے رؤسائے قریش کی سفارت کی درخواست نامنظور کر دی۔ مسلمان مہاجر امن اور چین سے حبش میں رہنے سہنے لگے۔ حبش کی طرف پہلی ہجرت رسول اکرمؐ کی بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں پیش آئی۔

حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام لانا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا چھٹا سال تھا کہ قبیلہ قریش کے دو بہادر رتن حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ تھے جنہیں ہم عمر اور رضاعی بھائی ہونے کے

بانعث محمدؐ سے بہت محبت تھی۔ حمزہؓ سپاہیانہ منش کے آدمی تھے۔ دن بھر شہر کے باہر جاکر شکار و تفریح میں معروف رہتے شام کے وقت واپس آکر خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور صحن حرم کی مجلسوں میں بیٹھکر وقت گزارا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابوجہل پیغمبرِ خدا سے سخت اور بیہودہ گستاخی پر اتر آیا۔ حمزہؓ کی ایک کنیز یہ ماجرا دیکھ رہی تھی۔ حمزہؓ شکار سے واپس آئے تو اس کنیز نے سارا حال من و عن کہہ سنایا۔ حمزہؓ کی رگوں میں ہاشمی غیرت کے خون نے جوش مارا اسی وقت ابوجہل کی طرف گئے اور اسے اس گستاخی پر جو اس نے شانِ رسالت میں کی تھی ڈانٹا اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ "میں آج سے مسلمان ہوگیا ہوں" مطلب یہ تھا کہ میں دیکھوں گا کہ تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔ حمزہؓ گھر آکر اس سوچ میں پڑ گئے کہ آبائی دین یعنی بت پرستی کو دفعۃً کس طرح چھوڑوں آخر شبانہ روز کی سوچ بچار کے بعد انہوں نے دینِ حق پر قائم رہنے کا فیصلہ کرلیا۔

عمرؓ دین اسلام کے سخت دشمن تھے۔ اور ان بے بس مسلمانوں پر جن پر انکا قابو چلتا بھلا برے طرح تشدد کیا کرتے تھے۔ ان کے بعض نزدیکی عزیز جن میں ان کی بہن اور بہنوئی بھی شامل تھے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور گھر کی ایک کنیز بھی توحید کا کلمہ پڑھنے لگی تھی عمرؓ اس کنیز کو جس کا نام لُبَینہ تھا بری طرح زدوکوب کرتے تھے لیکن وہ دینِ اسلام سے منحرف نہ ہوتی تھی۔ لونڈی کی اس مستقل مزاجی سے برہم ہوکر عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تلوار کمر سے لٹکائی اور رسول خدا کی طرف چل پڑے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہؓ سے ملاقات

سوئی۔ نعیم نے پوچھا "عمرؓ! کس مہم پر جا رہے ہو" عمرؓ نے جواب دیا "محمدؐ کا کام تمام کرنے کے لئے نکلا ہوں"۔ نعیم نے کہا "حضرت! پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے آپ کے بہنوئی اور آپ کی بہن دونوں مسلمان ہو چکے ہیں" عمرؓ یہ سن کر اپنی بہن کے گھر کی طرف پلٹے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ مشرک بھائی کو جو سخت مزاج بھی تھا اپنی طرف آتے دیکھ کر بہن نے قرآن کے اوراق چھپا دیئے۔ عمرؓ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے الجھ پڑے۔ بہن چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں تو انہیں بھی دو چار رسید کر دیں اس پر بہن نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ عمرؓ جو جی میں آئے کر و لیکن اب ہم دین اسلام کو چھوڑ نہیں سکتے۔ زخمی بہن کو اس حال میں دیکھ کر عمرؓ کی طبیعت کسی قدر نرم ہو گئی۔ کہا جو تم پڑھ رہی تھیں ذرا مجھے بھی سناؤ بہن نے قرآن کے اجزء سامنے رکھ دیئے یہ سورۂ حدید کی آیتیں تھیں۔ عمرؓ پڑھنے لگے۔ قرآن کا ایک ایک لفظ ان کے دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ جب انہوں نے آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ (اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) پڑھا تو بے اختیار پکار اٹھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)

عمرؓ جو گھر سے اللہ کے رسولؐ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ حضورؐ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے + ان کے مسلمان ہونے پر رسول خداؐ کو بہت خوشی ہوئی وہ دل سے چاہتے تھے کہ عمر بن ہشام

(ابوجہل) اور عمر ابن خطّاب (فاروق) میں سے کوئی ایک مسلمان ہوجائے تو مسلمانوں کی جمعیّت کو بہت تقوّیت حاصل ہوجائے۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ کے مسلمان ہوجانے سے فی الواقعہ مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی۔ پہلے مسلمان کھلے مقامات پر نماز بھی ادا نہ کرسکتے تھے۔ نہ قرآن پڑھ سکتے تھے۔ عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں نے کعبہ میں جاکر نمازِ باجماعت ادا کی۔

بنو ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ

سنہ ۶۱۶ء سے سنہ ۶۱۹ء تک

مُشرکینِ مکّہ نے جب دیکھا کہ حمزہؓ اور عمرؓ ایسے جری اور بہادر شخص بھی اسلام لے آئے ہیں اور مسلمانوں کی جمعیّت و طاقت بڑھتی جارہی ہے تو انہوں نے آپس میں اتفاق کرکے بنو ہاشم کے سارے خاندان کا مقاطعہ کرنے کی ٹھان لی۔ بنو ہاشم کا قصور یہ تھا کہ وہ مُشرکوں کے مقابلے میں قبیلوی دستور کے مطابق محمدؐ کی سپر بنے ہوئے تھے۔ مُشرکینِ قریش کے تمام قبیلوں نے جو مکّہ میں آباد تھے آپس میں یہ معاہدہ طے کیا کہ آئندہ ان میں کا کوئی شخص خاندانِ بنو ہاشم سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گا۔ نہ ان سے قرابت داری کا کوئی رشتہ استوار کرے گا۔ نہ ان کے ساتھ کسی قسم کی خرید و فروخت میں حصّہ لے گا۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا اور نہ ان سے میل جول رکھے گا۔ یہ معاہدہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کیا گیا۔

مشرکین مکہ نے بنو ہاشم کے مقاطعہ کی اس قرارداد پر شدت سے عمل کیا۔ بنو ہاشم شہر سے نکلکر شعب ابی طالب میں جو پہاڑ کا ایک درہ اور بنو ہاشم کی ملکیت تھا پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ دوسرے مسلمان بھی جو مشرکوں کے مقابلے میں کمزور تھے ان کے ساتھ ہو لئے۔ تین سال تک یہ مقاطعہ جاری رہا۔ مشرکین مکہ نے ایک طریق سے بنو ہاشم کو درہ میں محصور کر رکھا تھا۔ وہ دیکھتے رہتے تھے کہ مکہ کا کوئی شخص چوری چھپے انہیں کھانے پینے کا سامان تو نہیں بھیجتا؟ یہ تین سال بنو ہاشم پر سخت مصیبت کے گزرے۔ بعض دفعہ وہ طلح (ببول کی قسم کا ایک پودا) کے پتے کھا کھا کر بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ بنو ہاشم کے بعض قرابت دار اور قریش کے بعض رحم دل اشخاص وقتاً فوقتاً موقع پا کر انہیں کچھ غلہ بھیج دیتے تھے لیکن وہ بھوک مٹانے کے لئے کافی نہ ہوتا تھا۔ بنو ہاشم کے بچے درے میں بھوک کے مارے بلک بلک کر رونے تھے تو سنگ دل قریش ان کی آوازیں سن سن کر خوش ہوا کرتے تھے تین سال اسی حال میں گزر گئے آخر مکہ کے بعض مشرکین کو بنو ہاشم کی بے بسی پر ترس آیا۔ انہوں نے اس معاہدہ کو ختم کرنے کی تجویز اٹھائی اور ابو جہل ایسے شقی القلب مشرکین کی مخالفت کے علی الرغم معاہدہ کے کاغذ کو کعبہ سے اتار کر پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد اس تحریک کے محرک مطعم بن عدی۔ عدی بن قیس۔ زمعہ بن الاسود۔ ابوالبختری اور زبیر۔ ہتھیار باندھ کر شعب ابی طالب کی طرف گئے اور بنو ہاشم کو وہاں سے نکال کر شہر میں لے آئے۔ یہ واقعہ بعثت کے دسویں سال پیش آیا۔

معراج

اسی سال شعب ابی طالب سے باہر آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اور آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پاگئے۔ معراج کا مشہور واقعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی سال پیش آیا جس کی کیفیت یہ تھی کہ ایک رات جب کہ آپ حرم میں لیٹے ہوئے تھے خدا کے فرشتے آپ کو تیز رفتار سواری براق پر بٹھا کر پہلے بیت المقدس میں لے گئے اور وہاں سے اٹھا کر آپ کو ساتوں آسمانوں اور اُن سے پرے کے عوالم یعنی عرش و کرسی کی سیر کرائی۔ نبوت۔ رسالت۔ وحی۔ سیر ملکوت السمٰوات والارض اور معراج ایسی باتیں ہیں جن کی صحیح صحیح کیفیت عام انسانوں کی عقل و فکر میں نہیں آسکتی۔ یہ باتیں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مختص ہیں۔ جن کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش میں پڑنا لاحاصل ہے ٭

طائف کا سفر

۶۱۹ء

ابی طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے باعث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو زبردست سہاروں سے محروم ہو گئے جو ان مصیبتوں میں جو آپؐ کو فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے سلسلے میں پیش آ رہی تھیں آپ کے قلبی اطمینان کا سامان مہیا کیا کرتے تھے۔ بنو ہاشم اور مسلمانوں کے مقاطعہ کا

معاہدہ جو مکّہ کے مشرکوں نے آپس میں طے کر رکھا تھا۔ بعض رحمدل اشخاص کی کوششوں سے منسوخ ہو چکا تھا لیکن مشرکوں کی غالب اکثریت بنو ہاشم اور دوسرے مسلمانوں سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھتی تھی۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے اور رسولِ خدا کیساتھ طرح طرح کی گستاخیوں سے پیش آنے کی مہم پورے زور سے جاری تھی۔ ان کی قلبی شقاوت۔ اسلام کے ساتھ اُن کی نفرت۔ محمدؐ اور ان کے پیروؤں کی مخالفت پختہ ہو کر ایک عادت مستمرہ کی شکل اختیار کر گئی۔ ان زہرہ گداز مشکلات کے باوجود خدا کے رسولؐ نے اسلام کی دعوت کا کام اسی والہانہ جوش اور شیفتگی کے ساتھ جاری رکھا جس کے ساتھ اُسے ابتدا میں شروع کیا تھا۔ ایک دن سرورِ کائنات۔ سرکارِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کے اصلاح حال کی طرف سے مایوس ہو کر طائف کو چل پڑے تاکہ وہاں کے لوگوں کو خدا کے پیغام سے آگاہ کریں اور دینِ اسلام کی دعوت دیں۔ طائف مکّہ سے کوئی پچھتّر میل کے فاصلہ پر عربوں کی ایک مشہور بستی تھی جو بہت زرخیز اور سیر حاصل زمین میں آباد تھی۔ (یہ بستی اب بھی علی حالہٖ قائم ہے) طائف پہونچکر پیغمبر اسلامؐ خاندان عمیر کے شیوخ کے پاس گئے جو وہاں کے قبیلوں میں سب سے زیادہ با اثر گھرانا تھا۔ یہ شیوخ عبدیالیل۔ مسعود اور حبیب نامی تین بھائی تھے۔

اسلام کا داعیؐ یکے بعد دیگرے ان تینوں کے پاس پہنچا ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ رؤسائے عرب کی نخوت و رعونت کا ایک روشن ثبوت ہیں۔ ایک نے کہا "اگر خدا نے تجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو وہ خود کعبے کا پردہ چاک

کر رہا ہے۔" دوسرے نے کہا "کیا خدا کو تیرے سوا کوئی اور شخص نہ ملا جسے پیغمبر بنا کر بھیجتا۔" تیسرا بولا "میں کسی حال میں تیرے ساتھ بات نہیں کر سکتا اگر تو سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں۔" طایف کے ان رئیسوں نے بازار کے اوباشوں اور لونڈوں کو اکسا دیا کہ وہ خدا کے اس پیغمبر کی ہنسی اڑائیں لونڈوں اور اوباشوں کی ٹولیاں جمع ہو گئیں جنہوں نے سرورِ دو عالم کو اینٹ اور پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ پیغمبرِ خدا کی یہ حالت دیکھ کر شہر کے لونڈے اور اوباش ہنستے اور تالیاں بجاتے تھے۔ آپ گر پڑتے تھے تو آپ کو بازو سے پکڑ کر پھر کھڑا کر دیا جاتا اور چلنے پر مجبور کیا جاتا تھا آپ نے آخر انگور کے ایک باغ میں جا کر پناہ لی جو عتبہ بن ربیعہ نامی ایک شخص کا تھا۔ عتبہ نے عربوں کی روایتی مہمان نوازی کے جذبہ سے متاثر ہو کر انگوروں کا خوشہ طشتری میں لگا کر بھیجا۔ طایف کے اس واقعہ نے ظاہر کر دیا کہ بیرونِ مکہ کے بادیہ نشین اپنے معتقدات کے مقابلے میں کوئی نئی بات سننے کے معاملے میں مشرکینِ مکہ سے بھی زیادہ سخت گیر تھے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم طایف سے نکل کر چند روز نخلہ میں ٹھہرے وہاں سے حرا گئے۔ مطعم بن عدی نے جو بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں سے نکالنے والوں میں سے ایک تھا یہ حال سنا تو بیٹوں سے کہا کہ تم ہتھیار باندھ کر حرم میں جاؤ میں محمدؐ کو ساتھ لے کر آتا ہوں۔ مطعم بن عدی محمدؐ کو مکہ لایا۔ اور حرم کے پاس پہونچ کر پکارا کہ میں نے محمدؐ کو پناہ دی ہے۔ لہٰذا کسی نے آپ کے ساتھ تعرض نہ کیا۔ آپؐ نے حرم میں نماز ادا کی۔ اور اپنے گھر

تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے مسلّح ہوکر آپ کے ہمراہ تھے مطعم کو اسلام لانے کی سعادت حاصل نہ ہوئی تاہم اس کی وفات پر دربارِ رسالت کے شاعر حسّان بن ثابت نے بڑا پُر درد مرثیہ لکھا۔

قبائل میں تبلیغ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دینِ اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف تھی۔ انہیں اگر کوئی دھن تھی تو یہ کہ لوگ دینِ حق کو قبول کریں۔ اس لئے تبلیغِ حق کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ آپؐ ہر ملاقاتی کو دعوت اسلام دیتے۔ رئیسوں اور بااثر لوگوں کے گھروں پر جاکر حق کا پیغام سناتے اور حج کے موقع پر جب بُت کدۂ کعبہ کے پاس چار اطراف کے بادیہ نشین عرب جمع ہوجاتے اور یہ اجتماع میلوں کی شکل اختیار کرلیتے تو آپؐ ان میلوں میں ہر قوم اور ہر قبیلہ کے لوگوں کے پاس پہونچتے اور انہیں دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔ یہ آپؐ کا معمول تھا۔ لیکن عربوں کے مذہبی تعصّبات کی زمین اس قدر سنگلاخ تھی کہ کسی جگہ بھی تبلیغ حق کی تخم ریزیاں سرسبز ہوتی نظر نہ آتی تھیں۔ پیغمبر کی ڈھارس باندھنے کے لئے قرآن کی آیتیں اور سورتیں لگاتار نازل ہورہی تھیں۔ جن میں نہایت واضح طور پر مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں فوز و فلاح پانے اور مخالفوں کے خائب و خاسر ہونے کی بشارتیں دی جاتی تھیں۔ عرب کے بعض قبائل نے نبیؐ کی زبان سے دعوتِ اسلام پاکر جو جواب دیئے وہ اس وقت کے عربوں کی فطرت اور سرشت کا ایک روشن مظہر ہیں۔

آمیز ہیں۔ یمامہ کے بنی حنیفہ نے پیغمبر اسلامؐ کو بہت تلخ جواب دیئے۔ بنو ذہل بن شیبان کے شیوخ نے قرآن کی آیتیں سن کر کلام کی خوبیوں کی داد دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آبائی دین کو یک لخت چھوڑنا کچھ ٹھیک بات نہیں اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے یعنی شہنشاہِ ایران کے زیرِ اثر ہیں اس سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم کسی اور اثر کو قبول نہ کریں گے۔ رسول خدا نے ان شیوخ کی صاف گوئی پر تحسین کی اور فرمایا کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کریگا"۔

بنو عامر کے ایک رئیس فراس نامی نے پوچھا کہ "اگر ہم آپ کا ساتھ دیں اور آپ اپنے مخالفوں پر غالب آجائیں تو کیا آپ کے بعد ریاست ہم کو ملے گی؟" حضورؐ نے فرمایا کہ ریاست دینے کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس پر فراس نے جواب دیا کہ اگر آپ ہمیں کامیابی کے بعد حکومت و ریاست کا یقین نہیں دلا سکتے تو ہم کس بات کی خاطر سارے عرب کی مخالفت کا بیڑا اٹھائیں؟ باہر سے آنے والے لوگوں میں سے اسلام کی دعوت سے اگر کچھ لوگ متاثر ہوئے تو یثرب کے باشندے تھے جو مکّہ سے شمال کی جانب تین سو میل کے فاصلے پر عرب کا ایک مشہور شہر تھا۔ یثرب سے جو لوگ کعبہ کے حج کے لئے آتے تھے وہ دینِ اسلام کی نعمت سے مالا مال ہو کر جاتے تھے اور اپنے شہر میں جا کر اپنے دوسرے بھائیوں کو اسلام قبول کرنے کا شوق دلاتے تھے۔ غرض مکّہ کی سرزمین جس دولت کو اپنے ہاں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے پر تلی ہوئی تھی اسے یثرب کی سرزمین اپنی گود میں لینے کے لئے تیار ہوتی جارہی تھی۔

عرب کے قبائلی سرداروں کے بعض جوابوں سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شرک و اسلام کے درمیان مکہ میں کش مکش حیات کا جو معرکہ جاری تھا اسے باہر کے لوگ محض سیاسی اقتدار کے حصول کی ایک جد و جہد خیال کر رہے تھے وہ تو خیر دور کے رہنے والے تھے خود قریش مکہ کے رئیس بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر اسلام کی نعمت سے محروم رہ گئے کہ بنو ہاشم نے صرف دنیوی اقتدار حاصل کرنے کے لئے پیغمبری کا یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ قریش کے متعدد خاندان جن میں بنو امیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اپنے کو بنو ہاشم کا مساوی مراتب سمجھتے تھے اس لئے وہ ایک ہاشمی پیغمبر کے سامنے اطاعت و انقیاد کی گردنیں جھکانا اپنی قبیلوی شان کے منافی خیال کرتے تھے۔[1]

---

[1] ممکن ہے بعض لوگ مکہ اور عرب کے ایسے اشخاص کو معذور سمجھیں جنہوں نے پیغمبر اسلامؐ کی دعوت اسلام پر دنیوی اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی جد و جہد ہونے کا شک کیا کیونکہ تاریخ میں ظہور اسلام سے پہلے اور بعد نبوت و رسالت کے ایسے جھوٹے دعوے داروں کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جنہوں نے دنیوی یا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے خدا پر افترا باندھا۔ لیکن عہد رسالت کے منکروں کو اس غلط فہمی میں معذور نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت اور ان کی ساری زندگی ان کے سامنے تھی۔ جس کے علاوہ خدا کا جو کلام وہ پیش کر رہے تھے وہ ہر اعتبار سے اس قدر جامع مکمل اور موثر تھا کہ اس کی موجودگی میں حضور کے دعویٰ رسالت پر کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ (مولف)

مکّہ میں مسلمانوں کی حالتِ زار

اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں پر مکّہ کے مشرک لوگ جس قسم کے ظلم و ستم ڈھا رہے تھے اس کا مجمل سا حال ہم اوراقِ گذشتہ میں بیان کر آئے ہیں۔ اس جبر و تشدد۔ اس مقاطعہ اور اس تذلیل کے باوجود ان لوگوں کے عزم و استقلال میں کسی قسم کا فرق نہ آیا جو اپنی روحانی تشنگیوں کو فیضِ محمدی کے سرچشمۂ عرفان سے بجھا چکے تھے۔ اور ایمان و ایقان کی وہ دولت حاصل کر چکے تھے جس کے سامنے دنیا کی تمام راحتیں اور لذتیں ہیچ اور لاشئے محض بن کر رہ جاتی ہیں۔ ہادیٔ برحق کی تعلیم اور صحبت نے اپنے پیرووں کی اس مختصر سی جماعت کو پہاڑوں کا سا جگر عطا فرما دیا تھا۔ وہ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلتے اور ہر قسم کے دکھ کو جو دین اسلام قبول کرنے کی راہ میں انہیں دیا جاتا تھا صبر و ہمت کے ساتھ برداشت کر رہے تھے۔ کفّار کی چیرہ دستیاں اپنے نقطۂ معراج کو پہونچ چکی تھیں۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا اسے شہریت کے حقوق سے محروم سمجھا جاتا تھا۔ عام بت پرست اس کے ساتھ ہر نوع کا قطع تعلق کر لیتے تھے۔ اور اسے ہر طریق سے تنگ کرنے کے درپے رہتے تھے۔ تاآنکہ ان کی جانیں بھی محفوظ نہیں سمجھی جاتی تھیں حضرت عمرؓ ابن الخطاب جب اسلام لائے تو سارے مکّہ میں ایک ہنگامہ مچ گیا ہر شخص کی زبان پر یہ لفظ تھے کہ عمرؓ مرتد ہو گیا ہے ایک جگہ کچھ لوگ جمع ہو کر اسی بات کا چرچا کر رہے تھے کہ ان پر عاص ابن وائل کا گزر ہوا۔ پوچھا "کیا بات ہے؟" اسے بتایا گیا کہ عمرؓ بھی

محمدؐ کے ساتھ جا ملا ہے۔ عاص نے کہا "خیر اگر یہ بات ہے تو میں نے عمرؓ کو پناہ دی"
یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ جب تک مشرکوں میں سے کوئی شخص مسلمان کو پناہ دینے کا اعلان نہیں کرتا تھا۔ مشرک اس سے ہر طرح کی بدسلوکی کرنا اپنا حق خیال کرتے تھے۔ محض مسلمان ہو جانے سے وہ شہریت کے حقوق سے بے دخل کر دیا جاتا تھا۔ اور اس کی عزت اور جان کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا۔ اگر کافروں اور بت پرستوں کو اپنے درمیان شدید قسم کی خانہ جنگی پھوٹ پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ مسلمانوں کو قتل کرنے میں بھی دریغ سے کام نہ لیتے لیکن قدیم قبیلوی رواج کے باعث وہ ڈرتے تھے کہ مقتول کے قبیلہ والے اس کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے سے بے نیاز ہو کر قاتل کے اہلِ قبیلہ دشمن بن جائیں گے۔

حضرت عمرؓ کی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسے پختہ کردار اور نیک نفس شخص کو بھی کچھ مدت ایک مشرک کی امان میں زندگی بسر کرنی پڑی حضرت صدیقؓ نے مشرکوں کی بیہودہ حرکات سے تنگ آ کر حبش کی طرف ہجرت کر جانے کا ارادہ کیا اور مکہ سے چل پڑے۔ پانچ دن کے سفر کے بعد آپ برک الغماد کے مقام تک جو یمن کی طرف جانے والی شاہراہ پر واقع ہے پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی۔ ابن الدغنہ نے حال دریافت کیا تو صدیقؓ نے کہا۔ میں اپنی قوم کے ہاتھ سے تنگ آ کر نکلا ہوں تاکہ کسی امن کی جگہ پر پہونچ کر اطمینان کے ساتھ خدا کی عبادت کر سکوں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ میں آپ ایسے برگزیدہ انسان کو یوں جلا وطن ہوتے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو

واپس مکے آئے اور قریش کے رئیسوں سے مل کر کہنے لگے کہ آپ ایسے شخص کو نکال رہے ہیں جو غریبوں کا مددگار، اقربا کا مربی، مہمان نواز اور مصیبت کے وقت کام آنے والا ہے۔ رؤسائے قریش نے جواب دیا کہ صدیق اس شرط پر شہر میں رہ سکتا ہے کہ وہ کھلے مقامات پر بلند آواز سے قرآن نہ پڑھا کرے کیونکہ ان کے قرآن پڑھنے سے ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت صدیق رضؓ نے اپنے گھر کے پاس مسجد بنالی اس میں نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ رؤسائے مکہ نے ابن الدغنہ سے شکایت کی ابن الدغنہ حفاظت کی ذمہ داری سے دستکش ہو گیا حضرت صدیق رضؓ نے کہا کہ مجھے اپنے خدا کی حفاظت بس ہے میں تمہاری جوار (امان) سے خارج ہوتا ہوں۔ انہی واقعات سے جو عمر رضؓ اور صدیق رضؓ ایسی مقتدر ہستیوں کو ایسے شہر میں پیش آئے جہاں ان کے اپنے قبیلے ہوفی طاقتور تھے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ باقی مسلمانوں پر کیا کچھ نہ گزرتی ہوگی لیکن یہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت ونظر کا اثر تھا کہ ان سابقون الاولون میں سے ایک شخص بھی الٹے پاؤں پھر کر کفار کی جمعیت میں شامل نہ ہوا۔ اور سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر طرح کے ظلم وستم صبر جمیل کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

یثرب کی طرف ہجرت

۶۲۲ سنہ ع

یثرب میں اسلام کی مقبولیت

اسلام کی جو دعوت اہل مکہ کے کانوں پر اتنی گراں گزری کہ وہ حضرت محمدؐ اور اس کے متبعین پیروؤں کی جان کے دشمن بن گئے۔ جو طائف کے باشندوں کو اس قدر ناگوار لگی کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اور اپنی بستی سے باہر نکال کر دم لیا۔ جسے اطرافِ عرب کے بدوی قبائل نے اس حد تک بھی درخورِ اعتنا نہیاں نہ کیا کہ اس کی صداقت کے متعلق ذرا تحقیق و جستجو کی زحمت گوارا کر لیتے۔ ایسے یعنی اس دعوت کو مکہ سے تین سو میل دور شمال میں یثرب کی آبادیوں میں گوشِ شنوا اور سمع قبول کی ارزانیاں نصیب ہوئیں کہ گویا یہ دعوت شدائے بزرگ و برتر کی طرف سے مکہ کے لئے نہیں، طائف کے لئے نہیں، عرب کی کسی دوسری بستی کے لئے

نہیں، بلکہ یثرب کے باشندوں کے لئے نازل ہو کر آئی تھی۔ محمدؐ اس وقت تک زمینِ شور میں ہل چلا کر بیجِ اسلام کی تخم ریزی کرتے رہے تھے۔ دس بارہ سال کے بعد انہیں ایسی زمین ہاتھ آگئی جس میں نخلِ اسلام کی پرورش کرنے اور اسے نشو و نمو دے کر بار آور بنانے کی صلاحیت موجود تھی۔

یثرب کے لوگ بھی دوسرے عربوں کی طرح ہر سال خانہ کعبہ کے حج کے لئے مکہ جایا کرتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی طرح ان کے پاس بھی حق کا پیغام لے کر پہنچتے تھے۔ اور یثرب کے لوگ جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔ اس پیغامِ حق سے بہت بڑی حد تک اثر پذیر ہو کر اپنے شہر کو واپس جاتے تھے۔ اس طریق سے یثرب کے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوتے چلے گئے کہ مکہ میں خدا کا ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے جو لوگوں کو خدا کا بھیجا ہوا کلام پڑھ کر سناتا ہے۔

بعثت کے دسویں سال شعب ابی طالب کے محاصرے سے باہر نکلنے کے بعد حج کے موقع پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کے چند آدمی ایک جگہ بیٹھے دیکھے۔ پوچھا تم کون ہو جواب ملا کہ قبیلۂ خزرج کے افراد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ وہ بہت متاثر ہوئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ محمدؐ فی الواقعہ خدا کے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا "ایسا نہ ہو یثرب کے یہودی اس رسول کو ماننے میں ہم پر سبقت لے جائیں" یہ کہا اور وہیں

کلمۂ توحید پڑھکر مشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ یہ چھ یا آٹھ شخص تھے جن میں سے
چھ کے نام حسب ذیل ہیں:۔
ابو الہشیم بن تیہان۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف بن حارث۔ رافع بن مالک
بن عجلان۔ قطبہ بن عامر۔ جابر بن عبد اللہؓ۔

اگلے سال حج کے موقع پر یثرب کے مزید بارہ اشخاص نے آکر پیغمبر خداؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کا مطلب یہ تھا کہ حضرت رسول اکرمؐ ہر شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اس سے وعدہ لیتے تھے کہ وہ اب کے بعد شرک چوری زنا۔ قتل اولاد۔ اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو اچھی بات کہیں گے وہ انہیں دل وجان سے قبول ہو گی۔

ان لوگوں نے رسول خداؐ سے درخواست کی کہ اسلام کے احکام سکھانے کے لئے ایک معلّم بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ آپؐ نے معصبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا۔ مصعبؓ نے یثرب پہونچ کر اسعدؓ بن زرارہ کے گھر قیام کیا اور لوگوں میں پوری سرگرمی اور جانفشانی سے دین حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سال بھر میں یثرب سے قبا تک کی بستیوں کے اکثر لوگ مسلمان بن گئے قبیلۂ اوس کے رئیس سعد بن معاذؓ کا اسلام لانا تھا کہ سارے کا سارا قبیلہ دین اسلام کا دم بھرنے لگا۔ یثرب میں صرف خطمۃ۔ وائل اور واقف کے چند گھرانے ایسے باقی رہ گئے جنہوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

یثرب اور یثربی

یثرب کے لوگوں نے جس آمادگی اور رغبت کے ساتھ اسلام کے پیغام کو قبول کیا وہ مورخ اور غیر مورخ سب کے لئے کسی نہ کسی حد تک باعث استعجاب امر ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے یثرب کے پس منظر پر ایک نگاہ ڈال لینا ضروری ہے۔ جو اس سرزمین میں پیغام اسلام کی کامیابی کا ایک بہت بڑا سبب بنا۔ یثرب کا خطہ نخلستانوں کی سرزمین تھا جس میں اوس اور خزرج نامی دو بڑے قبیلے آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے بنو قحطان تھے جو سیلِ عرم[۱] کے وقت یمن سے نکل کر اس جگہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ان قحطانی عربوں کے علاوہ شہر یثرب اور اس کی نواحی بستیوں میں یہودی بھی آباد تھے۔ جو بنی اسرائیل کی تاریخ کے کسی نامعلوم دور میں اس جگہ آکر آباد ہو چکے تھے بعض مورخین کا خیال ہے کہ یثرب کے یہودی نسلاً عرب تھے جنہوں نے چند یہودی قبیلوں کے ورود کے بعد یہودیوں کا دین اختیار کر لیا تھا۔ لیکن یہ ایک دور از قیاس رائے ہے جو محض ان کے عربی ناموں کے باعث قائم

---

[۱] سیلِ عرم ۶۰۰ء کے قریب ان تالابوں کے بند ٹوٹ جانے کے باعث وقوع پذیر ہوا جو یمن کے بادشاہوں اور نقیبوں نے پہاڑ کو تراش کر آبپاشی کے لئے تیار کیے تھے۔ یہ سیل یمن کے قدیم تمدن کو تباہ کر دینے پر منتج ہوا۔ ان تالابوں کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں جن پر سے کے بعض کتبے پڑھے اور سمجھے جا چکے ہیں۔ (مولف)

کی جاری ہے یثرب کی تاریخی روایات ظاہر کرتی ہیں کہ عربوں اور یہودیوں نیز عربوں اور عربوں یعنی اوس اور خزرج کے درمیان بارہا جنگ و جدال کے معرکے گرم ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں اوس اور خزرج کے درمیان بڑی خونریز معرکہ آرائی ہوئی جسے حرب بعاث کا نام دیا گیا۔ یثرب کے عرب بھی دوسرے عربوں کی طرح بت پرست تھے لیکن صدیوں سے یہودیوں کے ساتھ رہنے سہنے اور ان سے میل جول رکھنے کے باعث خدا کے پیغمبروں، نبیوں اور رسولوں کی روایات سے پوری طرح آگاہ ہو چکے تھے یہودیوں سے انہوں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ خدا کی طرف سے ایک بہت بڑا جلیل القدر رسول مبعوث ہونے والا ہے جو دین حق کی طرف انسانوں کی رہنمائی کرے گا۔ یثربی عربوں کے ذہن و فکر کی تربیت یہودیوں کے قرب کے باعث ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو دین حق کو قبول کرنے کے لئے سازگار رہا تھا۔ اسکے علاوہ اہل یثرب کو وہ اندیشہ لاحق نہ تھا جس سے متاثر ہو کر قریش مکہ اپنے ہاں ایک نئے دین کے فروغ کی شدید مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے قریش خیال کرتے تھے کہ نیا دین قبائل عرب پر ان کی اس بزرگی و برتری کو نقصان پہونچائے گا جو بیت کعبہ کے متولی اور مجاور ہونے کے باعث انہیں حاصل ہے۔ اس قسم کا کوئی خطرہ اہل یثرب کو درپیش نہ تھا۔ اس لئے انہیں حق بات کو تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تامل وتذبذب نہیں ہوسکتا تھا۔

پہلے سال چھ یثربی مکہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ دوسرے سال

بارہ اشخاص کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تیسرے سال یثرب سے خانہ کعبہ کا حج اور طواف کرنے کے لئے جو لوگ آئے ان میں سے بہتر اشخاص نے منیٰ (عقبہ) کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی مصعبؓ بن عمیر یثرب کی عرب آبادی کی غالب اکثریت کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا چکے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہو چکا تھا کہ نخل اسلام کو بار آور بنانے کے لئے یثرب کی زمین تیار ہو چکی ہے اس لئے اسی حج کے موقع پر یثرب کی طرف ہجرت کر جانے کا فیصلہ کر لیا گیا اور یثرب کے مسلمانوں سے جو اس حج کے موقع پر جوق در جوق آئے ہوئے تھے اس بات پر بیعت لی گئی کہ وہ آخر دم تک رسول خدا کا ساتھ دیں گے اور ان کی جان کی حفاظت کریں گے۔ اس موقع پر منیٰ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ بھی موجود تھے۔ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے آپؐ نے اہل یثرب کے گروہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"قبیلۂ خزرج کے لوگو! محمدؐ اپنے خاندان میں بہت معزز و محترم ہیں ہم نے اس متاع گرامی کی حفاظت دشمنوں کے مقابلے میں ہمیشہ سینہ سپر ہو کر کی ہے۔ اب وہ تمہارے ہاں جانا چاہتے ہیں اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔"

خزرج کی طرف سے براءؓ نے جواب دیا "ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں......" وہ کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ ابو الہیثمؓ بول اٹھے "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ اس وقت ہمارے اور یہود کے درمیان

مصالحانہ تعلقات قائم ہیں بیعت کے بعد یہ تعلقات شاید ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپ طاقت و قوت پالیں تو ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن کی طرف لوٹ آئیں"۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "ایسا کبھی نہ ہوگا۔ میرا خون تمہارا خون ہے۔ آج سے تم میرے بن گئے ہو اور میں ہمیشہ کے لئے تمہارا بن چکا ہوں"۔

اس گفتگو کے بعد یثرب کے مسلمان بیعت کرنے لگے۔ اسعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا "بھائیو! اچھی طرح سوچ لو کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو یہ عرب و عجم اور جن و انس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے"۔

شمعِ رسالت کے پروانوں نے جواب دیا "ہم خوب سمجھتے ہیں اور ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں"۔

بیعت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یثرب ہی کے مشورہ سے انہیں کے بارہ اشخاص نقیب یعنی رئیس مقرر کر دیئے جن میں سے نو قبیلۂ خزرج کے اور تین قبیلۂ اوس کے تھے۔ یہ اوس و خزرج کے بڑے بڑے خاندانوں کے سرگروہ لوگ تھے۔ ان کی بیعت کے معنی یہ تھے کہ یثرب کے اوس اور خزرج سب کے سب اسلام لا چکے ہیں۔

قدرتِ خداوندی کی نیرنگیاں ہیں کہ جس وجودِ قدسی کو اپنے وطن میں پناہ لینے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملتی تھی وہ اپنے شہر میں بیٹھا تین سو میل دور کے ایک شہر کا مدنی نظام مرتب کرنے لگا اور اس شہر کے لوگ اس کے اشارۂ چشم وابرو پر جان دینے کے لئے حاضر و آمادہ ہو گئے۔

مکّہ سے مسلمانوں کی روانگی

یثرب کی حالت کے متعلق اطمینان حاصل کر لینے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو حکم دے دیا کہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائیں۔ مسلمان جو مکہ میں کفار کی چیرہ دستیوں سے بہت تنگ آ چکے تھے مکہ سے نکل نکل کر یثرب کو جانے لگے۔ کفار مکہ نے جب یہ حالت دیکھی تو بہت برہم ہوئے اور مسلمانوں کی نگرانی کرنے لگے تاکہ اہل یثرب میں اپنا مرکز بنانے سے روک دیں۔ اس سے قبل وہ حبشہ کو جانے والے مسلمان مہاجروں کے پیچھے بھی گئے تھے تاکہ مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ انہیں اپنے ہاں پناہ نہ دے۔ شاید قریش کو اس بات کا کھٹکا ہو کہ مسلمان حبشہ کے بادشاہ سے ساز باز کر کے اسے مکہ پر چڑھا لائیں گے۔ یورپ کے بعض مورخین کے فکر کی بلند پروازیاں یہ دور کی کوڑی بھی لائی ہیں لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ مسلمان حبش میں محض پناہ لینے کے لئے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ملک اور اپنے شہر کے خلاف اس قسم کی کسی سازش میں حصہ نہیں لیا۔ اب جو مسلمان یثرب کو جانے لگے۔ تو قریش مکہ کو پھر یہ فکر لاحق ہونے لگی کہ مسلمان یثرب میں جا کر اپنی طاقت کو مضبوط بنا لیں گے۔ اور نفیس عرب میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا کر ان کی حیثیت کو کمزور کر دیں گے ان کے لئے صرف ایک ہی بات تسلی کا موجب ہو سکتی تھی وہ یہ کہ مسلمان صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیئے جائیں اور مذہب توحید کا کوئی نام لیوا اسلح ارضی پر باقی نہ رہ جائے۔

بہرحال مسلمان چھپ چھپا کر مکہ سے نکلتے چلے گئے۔ چند ماہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر ساتھی یثرب پہنچ گئے۔ صرف رسول اکرم، حضرت علیؓ اور ایسے چند مسلمان جو مفلس ہونے کے باعث سفر کی استطاعت نہ رکھتے تھے مکہ میں باقی رہ گئے۔ ہجرت سے تین دن پہلے سرور دو عالمؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کے گھر جا کر اطلاع دی کہ خدا کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ اس لئے چلنے کی تیاری کر لیجئے۔ صدیقؓ چار ماہ سے اس سفر کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے دو اونٹنیوں کو اسی مقصد کے لئے ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر پال رکھا تھا جن میں سے ایک کی قیمت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کر دی۔ حضورؐ کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ اپنی ذات کا بوجھ اپنے ولی صدیقؓ پر بھی ڈالیں جس کا جان و مال حضورؐ کی ہر ادا پر قربان تھا۔

قتل کی سازش

ادھر چپکے چپکے یہ تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ادھر رؤسائے قریش نے دار الندوہ میں اکٹھے ہو کر اس اہم مسئلہ پر سوچ بچار کی کہ محمدؐ کو یثرب کی طرف جانے سے کس طرح روکا جائے۔ اس مشورے میں مشرکین قریش کے تمام بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ مختلف رائیں پیش کی گئیں۔ کسی نے کہا محمدؐ کو پابہ زنجیر کر کے کسی کے مکان میں بند کر دیا جائے۔ کسی نے رائے دی کہ جلا وطن ہوتا ہے تو ہونے دو۔ مکہ کی فضا اس جھگڑے سے پاک ہو جائیگی۔ ابوجہل نے جو پیغمبر دشمنی میں اپنی نظیر آپ تھا حاضرین جلسہ کے سامنے ان خطرات کا نقشہ کھینچ

جو محمدؐ کے نکل جانے سے انہیں لاحق ہو سکتے تھے اور یہ رائے دی کہ محمدؐ کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔ اس کی صورت یہ ہو کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی چن لیا جائے اور یہ منتخب ٹولی ایک ساتھ مل کر محمدؐ پر تلواروں کا وار کر دے۔ اس طریق سے محمدؐ کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور بنو ہاشم اکیلے محمدؐ کے خون کے لئے سب کے ساتھ لڑائی مول نہ لے سکیں گے۔ اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور قرار پایا کہ چنے ہوئے اشخاص رات کو رسول خداؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیں اور جب وہ صبح صادق کے وقت اپنی عادت کے مطابق نماز کے لئے باہر نکلیں تو قرار داد کو عمل کا جامہ پہنا دیا جائے۔

حضور سرور کائنات علیہ الافضل التحیات کو کفار کی اس سازش کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ آپ نے اس رات حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ مجھے ہجرت کا حکم مل چکا ہے میں اسی وقت یثرب کی طرف روانہ ہو رہا ہوں تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ اور صبح اٹھکر لوگوں کی یہ امانتیں جو میرے پاس جمع ہیں انہیں واپس کر دینا۔ یہ کہکر حضورؐ تو گھر سے نکل گئے۔ بدنیت کافروں کو خبر تک نہ ہو سکی کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ وہ مطمئن تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر ہی میں چین کی نیند سو رہے ہیں۔ دن چڑھا تو یہ راز کھلا کہ حضورؐ جا چکے ہیں۔ اب کف حسرت ملنے کے سوا اور چارہ کار ہی کیا تھا۔[1]

---

[1] اس مقام پر اہل ایمان کے لئے یہ نکتہ جاننے کے قابل ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (بابانا ھو وامہاتنا) نے اس وقت تک ہجرت کا (بقیہ صفحہ ۹۷

غار میں پناہ لینا

جنابِ رسالت مآبؐ نے گھر سے نکل کر حضرت صدیق اکبرؓ کو ساتھ لیا اور دونوں رات کی تاریکی میں شہرِ مکہ سے نکل کر تین میل کے فاصلے پر جبلِ ثور کے ایک غار میں جا چھپے آپ دو تین دن کا کھانا ساتھ لے آئے تھے۔ تاہم حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ جو ایک نوعمر جوان تھے رات کو چھپ چھپا کر ان کے پاس آجاتے تھے۔ اور عبداللہ کی بہن اسماء گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا دیتی تھیں۔ عبداللہ دن کے وقت شہر میں چلے جاتے تھے اور کفار کے مشوروں کی اطلاع حاصل کر کے رات کو یارانِ غار تک پہنچا دیتے تھے۔

حضورؐ اور ابوبکر صدیقؓ نے چند راتیں اسی طرح غار میں چھپ کر گزاریں۔ قریشِ مکہ پیغمبرِ خدا کے اس طرح نکل جانے پر بہت برافروختہ ہوئے۔ انہوں نے ان کا سراغ لگانے کے لئے ہر طرف دوڑیں بھیجیں۔ اور اعلان کر دیا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کرلائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام کے طور پر دئے جائیں گے۔ غار میں چھپنے کے تیسرے دن قریش کے کچھ آدمی جو

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۹۶) عزم نہ فرمایا جب تک کہ کفار نے ان کے قتل کی سازش مکمل نہ کر لی۔ اگر وہ اس سے پہلے محض کفار کے ظلم و ستم یا ان کی ہٹ دھرمی سے تنگ آکر نکل جاتے تو صاحب الحوت حضرت یونس علیہ السلام کی طرح خدائی عتاب کے مورد بن جاتے۔ حضرت یونس کا قصہ قرآن کریم میں کئی جگہ مذکور ہے۔

تلاش کے لئے نکلے تھے۔ غار کے بہت قریب پہنچ گئے حضرت صدیق رضؓ گھبرائے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (غم نہ کھا خدا ہمارے ساتھ ہے) روایت ہے کہ غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور ببول کے ایک درخت کی ٹہنیوں میں کبوتر نے گھونسلا بنا کر انڈے دے رکھے تھے اس سے کفار کو یہ شبہ تک نہ ہو سکا کہ اس غار کے اندر کوئی چھپا ہوا ہے ؎

یثرب کا سفر

چوتھے دن کی شام کو رسول اکرمؐ اور ابوبکر صدیق رضؓ غار سے نکل کر یثرب کی طرف روانہ ہوئے ایک معتمد شخص عبداللہ بن اریقط کو جو مسلمان نہ تھا اجرت پر رہنمائی کے لئے ساتھ لیا۔ رات کے سفر کے بعد اگلے دن دوپہر سے لے کر شام تک ایک چٹان کے سائے میں آرام کیا اور پھر چل کھڑے ہوئے۔ مکہ کا ایک مشرک سراقہ بن جعشم جو انعام کے لالچ سے گھوڑے پر سوار ہو کر تلاش کے لئے نکلا ہوا تھا۔ قریب آ گیا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ اس نے ترکش میں سے تیر لے کر فال نکالی۔ کہ آیا اسے تعاقب کرنا چاہئیے یا نہیں۔ فال میں "نہیں" نکلا۔ لیکن وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا۔ اب کے گھوڑے کی اگلی ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں گھوڑے سے اتر کر پھر فال نکالی۔ اور پھر وہی جواب پایا ان حادثات نے اس کا حوصلہ پست کر دیا۔ اب کے وہ نیک نیتی سے آگے بڑھا اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کے اعلان کی حقیقت بیان کر کے معافی مانگی ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے امن کی سند لکھ دیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے اسے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امن کی تحریر لکھ دی۔ یہ سراقہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

حضور سرور کائناتؐ نے یثرب تک سفر کرتے ہوئے راستے میں سولہ ۱۶ مقامات پر نزول اجلال فرمایا۔ یثرب میں یہ اطلاع کہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں کئی دن پہلے سے پہونچ چکی تھی لوگ ہر روز شہر سے باہر آ کر راہ دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن یثرب کے لوگ راہ تکنے کے بعد مایوس ہو کر واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے جو اپنے قلعہ پر سے دیکھ رہا تھا۔ آواز دی کہ "وہ آ گئے" یثرب کے مسلمان بیتابی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئے۔ اور قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ یثرب سے تین میل کے فاصلے پر قبا کی بستی آباد تھی۔ حضورؐ نے اس بستی میں کلثومؓ بن الہدم کے گھر قیام فرمایا۔ یثرب کے لوگ یہیں آ کر باریاب ہوئے۔ آپؐ چودہ روز یہاں ٹھہرے حضرت علیؓ بھی جو حضور کی روانگی کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے یہیں آ کر حاضر خدمت ہو گئے۔ قبا کے قیام کے دوران میں آپؐ نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس کے لئے حضور نے خود مزدوروں کی طرح کام کیا۔

قبا میں حضورؐ کے نزول اجلال کی تاریخ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء مطابق ۸ ربیع الاول ۱۳ بعثت نبوی تھی۔ اور دن پنجشنبہ یا دوشنبہ کا تھا۔

یثرب میں پُرتپاک خیر مقدم

قبا میں چودہ دن قیام فرمانے کے بعد رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم یثرب شہر کی طرف روانہ ہوئے جمعہ کا دن تھا۔ راستے میں بنی سالم کے محلّے میں نماز جمعہ ادا کی۔ اور خطبہ دیا۔ اس کے بعد شہر میں داخل ہوئے۔ یثرب کے لوگ جوشِ عقیدت سے لبریز، فرطِ مسرّت میں جھومتے ہوئے آتے تھے اور بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ نیاز پیش کر رہے تھے۔ چھتّوں پر عورتوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے جو یہ گیت گا رہی تھیں:۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا — من ثنیات الوداع
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا — مَا دَعیٰ اللہ دَاعٖ

(ہم پر بدرِ کامل طلوع ہوا۔ کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے (چاند نکلا) ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک کہ دُعا مانگنے والے دعا مانگتے رہیں)

چھوٹی چھوٹی معصوم بچّیاں دفین ہاتھ میں لے کر گا رہی تھیں:۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی نَجَّارِ — یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ

(ہم بنی نجّار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کیا ہی اچّھے پڑوسی ہیں)

حضورؐ نے ان معصوم بچّیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "کیا تم مجھ سے پیار کرتی ہو"۔ لڑکیوں نے اثبات میں جواب دیا آپؐ نے فرمایا "میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں"۔

۔بنو نجّار کا خاندان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیال تھا آپؐ کی والدہ اور دادی اسی خاندان سے تھیں اِس لئے بنو نجّار زرق برق لباس پہن کر اور ہتھیار سجا کر استقبال کے لئے نکلے تھے۔ یثرب کے ہر شخص کی خواہش تھی کہ حضور سرورِ کائنات میزبانی کا شرف اسے بخشیں۔ لیکن آپؐ نے حضرت ابو ایوبؓ کا مہمان بننا قبول فرمایا۔ اِس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ابو ایوبؓ بنو نجّار میں سے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے سب کا اشتیاقِ میزبانی دیکھ کر فرمایا کہ جس گھر کے سامنے میری اونٹنی ٹھہر جائے گی میں اسی میں قیام کروں گا۔ ناقۂ رسول حضرت ابو ایوبؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ وہیں آپؐ نے قیام فرما دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یثرب کا نام مدینۃ النبی (پیغمبر کا شہر) مشہور ہو گیا۔ جو بعد میں صرف "مدینہ" کہلانے لگا۔ جو لوگ مکّہ سے ہجرت کر کے آئے تھے "مہاجرین" کے نام سے یاد ہونے لگے اور یثرب یعنی مدینہ کے مسلمان "انصار" (نبی کے مددگار) کہلائے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں قیام فرمانے کے بعد سب سے پہلا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ بنو نجّار کے دو یتیم بچوں سے زمین کا ایک ٹکڑا خرید کر وہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضورؐ نے خود بھی مزدوروں کی طرح کام کیا۔ یہ مسجد نہایت سادہ سی عمارت تھی جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔

ستون کھجور کے تنوں سے بنائے گئے چھت پر کھجور کے پتے بچھا دیئے گئے۔ بارش کے موقع پر چھت کے ٹپکنے سے فرش پر کیچڑ ہو جاتی تھی اس لئے سنگریزے بچھا دیئے گئے۔ مسجد کے متصل ایک طرف ایک مسقف چبوترہ تعمیر کیا گیا جو ان مسلمانوں کے لئے تھا جو گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ اور حضورؐ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہنے کو زندگی کی سب سے بڑی سعادت خیال کرتے تھے۔ مسجد سے متصل دوسری اطراف میں امہات المومنین یعنی حضور اقدسؐ کی ازواج مطہرات کے لئے الگ الگ حجرے بنائے گئے۔ جو کچی اینٹوں کے تھے بعض کھجور کی ٹٹیوں سے بنائے گئے تھے۔ ان حجروں میں سے ہر ایک کی لمبائی دس ہاتھ اور چوڑائی چھ یا سات ہاتھ تھی۔

عقدِ مواخات

مسجد کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی سکونت و مصروفیت کا مستقل انتظام فرمانے کی طرف متوجہ ہوئے جو اس وقت تک انصارِ مدینہ کے مہمانوں کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ مہاجرین کی کل تعداد ۵۰ تھی۔ حضورؐ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اس لئے میں ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کے درمیان عقدِ مواخات کا رشتہ قائم کئے دیتا ہوں۔ آپ نے انصار اور مہاجرین کے نام لے کر بھائی چارے کے اس رشتے کا اعلان کر دیا۔ جو مہاجر کسی انصاری کے حصے میں آیا وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی املاک اور مال و اسباب میں

سے نصف حصّہ بانٹ کر اپنے مہاجر بھائی کے سامنے پیش کر دیا۔ ایک انصاری سعد بن الربیعؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے سامنے یہ پیش کش بھی کی کہ میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں اُسے آپ اپنے عقدِ نکاح میں لے آئیں۔ لیکن عبدالرحمٰنؓ نے یہ پیش کش منظور نہ کی۔ انصار کی املاک نخلستان تھے جس میں وہ غلّے اور سبزی کی کاشت بھی کرتے تھے۔ مہاجر تاجر پیشہ لوگ تھے نخل بندی اور کاشتکاری کا فن نہیں جانتے تھے اس لئے مہاجرین نے نخلستانوں میں سے حصّہ لینا بھی قبول نہ کیا۔ انصار نے کہا کہ نخلستانوں کی خبر گیری کا کام ہم خود کریں گے اور ان کے اثمار میں اپنے بھائیوں کو برابر کا شریک بنائیں گے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف مہاجر نے اپنے بھائی سے کوئی چیز لینا گوارا نہ کیا اور کہا کہ آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیں عبدالرحمٰن نے کچھ پنیر اور کچھ گھی خریدا اور بازار کی راہ لی۔ شام کو لوٹے تو اپنی ضرورت سے زیادہ کما لائے تھے۔ یہ صاحبؓ کچھ وقت گزرنے کے بعد مدینہ کے بہت بڑے تاجر بن گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مقامِ سنح میں کپڑے کا کارخانہ کھول لیا۔ حضرت عمرؓ بھی مدینہ میں تجارت کا کاروبار کرنے لگے تھوڑی مدت میں ان کی تجارت کا دامن شام اور ایران تک پھیل گیا حضرت عثمانؓ نے یہود بنی قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی دکان کھول لی۔ غرض مہاجر اپنے انصار بھائیوں کے لئے بارِ ثابت نہ ہوسکے۔ وہ مفت کی روٹیاں توڑنے کے لئے وہاں نہیں گئے تھے۔ انصار اور مہاجرین نے اس رشتۂ مواخات کو زندگی بھر اس خوش اسلوبی

اور ایثار بیشگی کے ساتھ قائم رکھا کہ اس کی مثال دو سگے بھائیوں کے درمیان بھی مُشکل سے ملے گی ۔

یہودِ مدینہ سے معاہدہ

سلہ ۱ھ ۶۲۳ء

شہرِ مدینہ کے اندر چند محلّے اور بازار ایسے تھے جن میں یہودی بستے تھے۔ مدینہ کے نواح میں بھی یہودیوں نے دُور دُور تک اپنی بستیاں آباد اور قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ یہودیوں کے تین بڑے خاندان بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ مدینہ کے عرب قبیلے اوس اور خزرج آپس کی خانہ جنگی کے باعث بہت کمزور ہو چکے تھے۔ ان کے مقابلے میں یہودی زیادہ طاقتور۔ زیادہ منظّم اور زیادہ مالدار تھے۔ اس لئے عربوں کو ان کے سامنے دَب کر رہنا پڑتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے چاہا کہ غیر مسلم یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلّقات واضح معیّن اور منضبط ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے رؤسائے یہود سے بات چیت کی اور فریقین کی رضا مندی سے ایک معاہدہ لکھا جس کی شرطیں حسب ذیل تھیں :۔

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو دستور پہلے سے چلا آرہا ہے وہ آئندہ بھی قائم رہے گا ۔

۲۔ فریقین کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ کوئی فریق دُوسرے کے مذہبی امور

سے تعرض نہیں کریگا ؎

۳۔ یہود اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف ہوں گے۔ باہم دوستانہ برتاؤ قائم رکھیں گے ؎

۴۔ اگر یہود یا مسلمانوں کو تیسرے فریق سے موقع جنگ پیش آجائیگا تو فریق اس کی مدد کریگا ؎

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا ؎

۶۔ مدینہ پر کوئی تیسری طاقت چڑھائی کرے گی تو دونوں قومیں ملکر اس کا مقابلہ کریں گی ؎

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کریگا تو دوسرا فریق بھی شریک صلح سمجھا جائے گا مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ سمجھی جائے گی ؎

اس معاہدہ کی شرطیں ظاہر کر رہی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ قریش مکہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے خود مدینے پر چڑھائی کریں گے یا عرب کے دوسرے قبیلوں کو ایسا کرنے کے لئے اکسائیں گے۔ اس خطرے کے پیش نظر آپ نے یہودیوں سے جو مدینہ اور اس کے نواح میں آباد تھے متذکرہ صدر معاہدہ کرنا ضروری سمجھا ؎

اذان

اسی سال یعنی سلسہ ہجری میں مسلمانوں کو نماز پر بلانے اور جمع کرنے کے لئے اذان دینے کا طریق اختیار کیا گیا۔ مجلس مشاورت میں بوق و ناقوس اور

جرس و علم وغیرہ کی تجویزیں بھی پیش ہوئیں لیکن اذان دینے کی تجویز جو حضرت عمر رضؓ نے پیش کی تھی رسول اکرمؐ اور جملہ صحابہ کرامؓ کو پسند آئی + اور یہی اختیار کر لی گئی۔

تحویل قبلہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جان نثار مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے لیکن عرب کے مشرکوں کا قبلہ خانۂ کعبہ تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کی طبیعت میں ہمیشہ خلجان رہا کرتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی مسجد اور عبادت گاہ یہی خانہ کعبہ ہے جس پر بت پرست مشرک قبضہ کئے بیٹھے ہیں اور اللہ کے اس گھر کو جو نماز پڑھنے والوں۔ رکوع و سجود کرنے والوں اور طواف کرنے والوں کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا جس کے بنانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہاں آ کر خدا کی ہستی کو ایک ماننے والے عبادت کیا کریں۔ لیکن خدا کے صاف و صریح حکم کی عدم موجودگی میں ہوں نے اہل کتاب یعنی خدا اور اس کے رسولوں کو ماننے والے لوگوں کی پیروی میں بیت المقدس ہی کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیئے رکھا کیونکہ تمام انبیائے سابق مسلمانوں کے نزدیک بھی ویسے ہی محترم تھے جیسے وہ یہود اور نصاریٰ کے نزدیک واجب التعظیم چلے آ رہے تھے۔ شعبان ۲ھ ہجری میں جبکہ حضور سرور کائنات نماز باجماعت پڑھا رہے تھے خدائے پاک کا حکم نازل ہوا۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

وَجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (بقرہ)

(پس (اے پیغمبر) تو اپنا منہ مسجدِ حرام کی جانب پھیر لے۔ اور (اے مسلمانو) تم جہاں بھی ہو اس کی طرف منہ پھیر لیا کرو)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی اطاعت کی ان کے ساتھ ہی مسلمانوں نے بھی اپنے رخ مسجدِ حرام یعنی خانۂ کعبہ کی طرف پھیر لئے۔ جو یہود محض منافقت سے مسلمانوں کی نماز میں شامل ہو رہے تھے وہ ایسا کرنے سے باز رہے اور الگ ہو گئے۔ اس کے بعد تحویلِ قبلہ کے سلسلے میں چند اور آیات نازل ہوئیں جن میں یہود کے اعتراضات کا جواب دیا گیا اور بتایا گیا کہ قبلہ عبادت کے لئے مقصود بالذات شے نہیں اصلی نیکی تو یہ ہے کہ انسان خدا پر، قیامت پر، فرشتوں پر، خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور غلاموں پر اپنا مال خرچ کرے + اسلام کی تاریخ میں یہ تحویلِ قبلہ کا واقعہ بھی بڑا اہم تھا جس نے مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں سے ایک الگ اور ممتاز قوم بنا دیا۔

کفر و اسلام کی معرکہ آرائیاں

غزوۂ بدر

۲ھ ۶۲۴ء

دفاعی پیش بندیاں

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مہاجر اور انصار متبعین کو یقین کامل تھا کہ قریش مکہ انہیں مدینے میں بھی چین کی نیند نہیں سونے دیں گے۔ اس لئے حضورؐ عام طور پر راتوں میں جاگتے رہتے اور جب استراحت فرمانا چاہتے تو کسی صحابی کو پہرے کی خدمت پر مامور فرما دیا کرتے تھے۔ اسی خطرے کے پیش نظر آپ نے مدینہ کے انصار سے اس بات پر بیعت لے رکھی تھی کہ اگر قریش نے مہاجرین سے لڑنے کی خاطر مدینے پر چڑھائی کی تو وہ لڑائی میں مہاجرین کا ساتھ دیں گے۔ اسی خطرے کے باعث آپؐ نے ہجرت کے سالِ اوّل میں مدینے کے

یہودیوں سے باقاعدہ معاہدہ طے کیا جس کا ذکر گزشتہ فصل میں کیا جا چکا ہے اُدھر مکہ کے قریش مسلمانوں کو ایک جائے امن مل جانے کے باعث ازگارپل پر لوٹ رہے تھے۔ اور یہ سوچتے رہتے تھے کہ مدینہ سے مسلمانوں کے استیصال کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ مدینہ میں حضورؐ کی تشریف آوری کے چند روز بعد رؤسائے مکہ نے مدینہ کے ایک رئیس قبیلہ عبداللہ بن ابی کو چٹھی لکھی کہ "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ اُسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالو۔ یا اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم مدینے پر حملہ کریں گے۔ اور اُن کے ساتھ تمہیں بھی فنا کر کے تمہاری عورتوں پر قبضہ کرلیں گے"۔

عبداللہ بن اُبی رسُول اکرمؐ کی ہجرت سے پہلے مدینے کے عربوں کا رئیس اعظم تھا اور لوگ تجویزیں کر رہے تھے کہ اس کے سر پر تاج پہنا کر اسے اپنا بادشاہ بنالیں۔ لیکن مدینہ کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت نے ہوا کا رخ پلٹ دیا۔ اس لئے عبداللہ بن ابی اپنے دل میں رسُول خدا اور دینِ اسلام سے سخت کدورت رکھتا تھا۔ اور اپنی قوم کی اکثریت کے میلان سے مرعوب ہو کر محض ظاہری طور پر مسلمان بنا ہوا تھا۔ اس چٹھی کی اطلاع پا کر رسُول اکرم عبداللہ بن ابی کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ کیا تم قریش مکہ سے ڈر کر اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟ انصارِ مدینہ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے اور حملہ کی صورت میں قریش کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے اس لئے عبداللہ بن ابی کچھ نہ کرسکا۔ البتہ مسلمانوں سے بغض رکھنے کا روگ اس کے دل ہی دل میں پرورش

پاتا رہا۔

انہی دنوں قبیلہ اوس کے رئیس اعظم سعد بن معاذ عمرہ (خانہ کعبہ کا طواف) کی نیت سے مکے گئے اور اپنے قریشی دوست اور میزبان امیہ بن خلف کے ہاں ٹھہرے۔ ایک دن ابوجہل نے انہیں امیہ کے ساتھ دیکھ پایا اور پوچھا یہ کون ہیں۔ امیہ نے بتایا کہ یہ مدینہ کے رئیس سعد بن معاذ ہیں۔ ابوجہل بولا کہ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ کیونکہ تم نے ہمارے مرتدوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ کی زیارت کے لئے آؤ۔ سعدؓ نے جواب دیا: "اگر قریش نے ہمیں مکے آنے سے روک دیا تو ہم ان کی تجارتی راہ کو جو شام کی طرف مدینے کے قریب سے جاتی ہے بند کر دیں گے"۔

عربوں کے جو قبیلے مکہ سے مدینہ کی طرف جانے والے راستے پر آباد تھے وہ بھی دوسرے عرب قبائل کی طرح قریش کے زیر اثر تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر وقت اندیشہ لگا رہتا تھا کہ یہ قبیلے قریش کی شہ پا کر کسی وقت مدینہ پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے داخلی انتظامات درست کرنے کے بعد ان قبائل کو اپنا حلیف بنانے یا ان کے ساتھ صلح کے معاہدے طے کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۲ سنہ ہجری کے آغاز ہی سے رسول خدا نے مہاجر مسلمانوں کی ٹولیاں مدینے سے باہر بھیجنے کی مہم شروع کر دی۔ سب سے پہلے قبیلہ جہینہ کے پاس مسلمانوں کی ایک جمعیت بھیجی گئی جس نے اس قبیلے کے ساتھ غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ طے کیا۔ رؤسائے قبیلہ نے تحریر لکھ دی کہ وہ قریشِ مکہ اور مسلمانانِ مدینہ دونوں کے ساتھ یکساں تعلقات

رکھیں گے اور جنگ کی حالت میں دونوں سے الگ رہیں گے۔ اسی طرح ایک دو اور مہمیں بھی نواحی قبائل میں بھیجی گئیں جنمیں رسول خدا بنفس نفیس شریک نہ تھے۔ اس قسم کی مہمیں چالیس چالیس اور پچاس پچاس کی ٹولیوں میں جایا کرتی تھیں۔ ان میں شامل ہونے والے مہاجر مسلح ہوا کرتے تھے لیکن جدال و قتال سے محترز رہتے تھے۔

صفر ۲ھ ہجری میں رسول خدا ساٹھ مہاجرین کی ایک مہم لے کر ابواء کے مقام تک گئے جو مدینہ سے مکہ جانے والے راستے پر آٹھ منزل کے فاصلے پر یعنی مدینہ سے کوئی اسّی میل دور واقع تھا۔ اس مقام پر حضورؐ نے چند روز قیام فرمایا اور قبیلۂ بنو ضمرہ سے جو اس علاقے میں آباد تھا حسب ذیل معاہدہ طے کیا:۔

> "یہ اللہ کے رسول محمدؐ کی تحریر ہے بنو ضمرہ کے لئے۔ ان لوگوں کا جان اور مال محفوظ رہے گا اور اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا تو اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی۔ اِلّا یہ کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے مقابلے میں لڑیں۔ پیغمبرؐ جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو انہیں مدد کو آنا ہوگا"۔

اُدھر کفارِ قریش بھی اسی قسم کی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ ربیع الاوّل ۲ھ ہجری میں مکّہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے کفّار کی ایک جمعیّت لے کر مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور رسول اکرمؐ کے مویشی لوٹ لئے۔ مسلمانوں نے اس جمعیت کا تعاقب کیا لیکن وہ بچ کر نکل گئے۔

اس واقعہ کے تین ماہ بعد جمادی الثانی میں رسول اکرمؐ دو سو مہاجرین کی

جمعیت لے کر مدینہ سے نو منزل کے فاصلے پر ذوالعشیرہ کے مقام تک گئے اور بنو مدلج سے جو بنو ضمرہ کے حلیف تھے۔ انہی شرطوں پر معاہدہ طے کیا۔ جو بنو ضمرہ کے ساتھ کی گئی تھیں ۔

جنگ چھڑ گئی

رجب ۲ھ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں بارہ آدمیوں کی ایک ٹولی بطن نخلہ کی طرف بھیجی۔ بطن نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان مکہ سے شبانہ روز کی مسافت پر واقع ہے۔ عبداللہ بن جحش کو اس مطلب کا تحریری حکم دیا گیا تھا کہ "بطن نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔" لیکن سکاؤٹس کی یہ ٹولی قریش کی ایک جماعت کے ساتھ جو شام سے تجارت کا مال لے کر مکے جا رہی تھی بھڑ گئی۔ عبداللہ بن جحش نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں کا ایک آدمی عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار کر لئے گئے اور عبداللہ اس جماعت کے سامان کو مالِ غنیمت سمجھ کر مدینے لے آیا۔ رسول اکرم نے مالِ غنیمت کو ہاتھ تک نہ لگایا اور عبداللہ سے کہا کہ میں نے تمہیں لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ صحابۂ کرام عبداللہ پر سخت برہم ہوگئے۔

کفر اور اسلام، ظلمت اور نور، باطل اور حق تو اسی دن سے آپس میں برسرِ پیکار تھے جس دن خدائے وحدہٗ لاشریک نے اپنی جانی بوجھی مصلحتوں کے پیشِ نظر انہیں پیدا کیا تھا۔ مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کی حالت اسی دن سے چلی آ رہی تھی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبری کا منصب پا کر

ان کی ہدایت کے لئے آواز بلند کی تھی۔ بُت پرستوں نے ایک دوسرے کے مذہبی عقاید سے تعرّض نہ کرنے کی وہ پیش کش بھی ٹھکرادی تھی جو رسول اللہؐ نے خدا کے حکم سے ان کے سامنے پیش کی۔ بُت پرست مسلمانوں کو اپنے طریق سے اللہ کی عبادت کرنے۔ قرآن پڑھنے اور اپنے دین کی تبلیغ کرنے کا حق نہیں دیتے تھے۔ مُشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان بنائے نزاع یہی تھی جو شروع ہی سے چلی آرہی تھی۔ مسلمانوں کو اس فطری حق سے محروم رکھنے کے لئے کفار مکّہ نے ان پر جیسے جیسے جبر کئے اور ستم ڈھائے ان کی داستان اوراقِ ماسبق میں بیان کی جاچکی ہے۔ کفّار کے اسی ظلم و تشدد کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں پر مکّہ میں رہنا سخت دوبھر ہوگیا اور وہ مدینے کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ کفّار نے وہاں بھی انہیں چین سے نہ رہنے دیا اور ان کو فنا کرنے کے لئے تدبیر کے گھوڑے دوڑانے لگے۔ اس حال میں مسلمانوں کو بھی خدا کی طرف سے قتال کی اجازت مل گئی اور ماہ صفر ۲ھ ہجری میں پیغمبر خداؐ پر خدا کا کلام نازل ہوا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ
عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ٥

(جن لوگوں سے جنگ کی جاتی ہے انہیں بھی لڑنے کی اجازت ہے
کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے)

نیز یہ :-

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ٥
(لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں)

منزلیں مارتی ہوئی اس مقام تک پہونچ چکی تھی بدر کی وادی مکّہ سے نو منزل اور مدینہ سے سات منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مسافت بتا رہی ہے کہ قریش کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے کئی دن پہلے میدان جنگ کی طرف کوچ کر چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس کوچ کی اطلاع پانے کے بعد مدینے سے مسلمانوں کی مختصر سی جمعیت لے کر روانہ ہوئے۔

ست: قریبتیں لمانوں کے لشکر کی تیاری کے حالات یہ ہیں کہ قریش کے لشکر کو قریش کی آتشِ علم ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کر عمرو ابن الحضرمی کے خلاف مشاورت طلب کی۔ اور انہیں قریش کی نقل و حرکت کر کے محمدؐ اور اس کے پیروؤں پر بالا دے ہیں؟ پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ تقریر واقعہ سے پہلے ہی مدینہ پر چڑھائی کرنے وجان آمادہ ہونے کا یقین دلایا ان کے واقعہ سے چند ماہ پہلے ان کا جو تجارتی قافلہ مکّہ کے ذکیر رجانیں قربان کرنے کے لئے میں شام گیا تھا۔ وہ اہل مکّہ کی ساری تجارتی ثروت کو بے فریب کرنا چاہتے تھے۔ سفر میں زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جائے اور اس نفع سے اِس مہم کے مصارف نکالے جائیں جس کی وہ اندر ہی اندر تیاریاں کر رہے تھے۔ ابن حضرمی کے قتل نے انہیں عامة القریش کو اشتعال دلانے کی ایک دوسری وجہ مہیا کر دی۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ قریش نے محض ابن حضرمی کے خون کا بدلا لینے کے لئے مسلمانوں پر چڑھائی کی لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ مکّہ اور مدینہ اِس واقعہ سے چند ماہ پیشتر ہی سے اپنی اپنی جنگی تدابیر کو معرضِ عمل میں لا رہے تھے۔

اور قریش کی ایک ایسی ہی ہراول پارٹی چار ماہ پہلے کرز بن جابر فہری کی

ان کی ہدایت کے لئے آواز بلند کی تھی۔ بُت پرستوں نے ایک دوسرے کے مذہبی
عقاید سے تعرّض نہ کرنے کی وہ پیش کش بھی ٹھکرا دی تھی جو رسول اللہؐ نے
خدا کے حکم سے ان کے سامنے پیش کی۔ بُت پرست مسلمانوں کو اپنے طریق سے
اللہ کی عبادت کرنے۔ قرآن پڑھنے اور اپنے دین کی تبلیغ کرنے کا حق نہیں دیتے
تھے۔ مُشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان بنائے نزاع یہی تھی جو شروع ہی سے
چلی آ رہی تھی۔ مسلمانوں کو اس فطری حق سے محروم رکھنے کے لئے کفّار نے کی حالت
نے ان پر جیسے جیسے جبر کئے اور ستم ڈھائے ان کی داستان اور اور غیر تجارتی قافلو
میں بیان کی جا چکی ہے۔ کفّار کے اسی ظلم و تشدد کا نتیجہ تھا کہ میں ہمیشہ سے عمل کرتے
رہنا سخت دوبھر ہو گیا اور وہ مدینے کی طرف ہجرت کر
نے وہاں بھی انہیں چین سے نہ رہنے دیا اور ان
گھوڑے دوڑانے لگے۔ ۳۱

تیاری اور کوچ

کی اجازت ما گر ۔۔۔ نے مل کی اطلاع پانے پر مکہ اور مدینہ دونوں جگہ جنگی معرکہ
تیاریاں شروع ہو گئیں۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رئیس ایک ہزار
نفوس کی جمعیت لے کر بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ مکے سے نکلے۔ ایک ہزار جنگی
مردوں کے اسی لشکر میں جو لڑائی کے ساز و سامان سے پوری طرح مسلح تھا
ایک سو سوار بھی تھے۔ سامانِ رسد میں اونٹوں کی کافی تعداد ان کے ساتھ
تھی جن میں سے دس اونٹ ہر روز ذبح کر کے لشکر کو کھلائے جاتے تھے۔
قریش کا یہ لشکر منزل بہ منزل پڑاؤ کرتا ہوا مدینے کی طرف چل پڑا۔ اور
بدر کے مقام پر مسلمانوں کی اس جمعیت کے بالمقابل ہو گیا جو مدینے سے نکل کر

منزلیں مارتی ہوئی اس مقام تک پہونچ چکی تھی بدر کی وادی مکہ سے نو منزل اور مدینہ سے سات منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مسافت بتا رہی ہے کہ قریش کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے کئی دن پہلے میدان جنگ کی طرف کوچ کر چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کوچ کی اطلاع پانے کے بعد مدینے سے مسلمانوں کی مختصر سی جمعیت لے کر روانہ ہوئے۔

مسلمانوں کے لشکر کی تیاری کے حالات یہ ہیں کہ قریش کے لشکر کی روانگی سے مطلع ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے ذی اثر اکابر کی مجلس مشاورت طلب کی۔ اور انہیں قریش کی نقل و حرکت کی اطلاع دے کر پوچھا کہ کیا ارادے ہیں؟ پہلے حضرت ابوبکر صدیق تقریر کے لئے اٹھے اور جہاد کے لئے بدل و جان آمادہ ہونے کا یقین دلایا ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم سب آپؐ کے حکم پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی رائے دریافت کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کے ساتھ وعدہ تھا کہ جب قریش مدینہ پر چڑھائی کریں گے تو وہ بھی ان کے مقابلے کے لئے نکلیں گے۔ اس وعدہ کے ایفا کا وقت آ گیا تھا آنحضرت کے تامل و انتظار کو بھانپ کر قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ "آیا حضور ہماری رائے معلوم کرنے کے خواہاں ہیں۔ خدا کی قسم آپؐ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں"۔ ایک اور انصاری مقداد نے اٹھتے کہا "یا رسول اللہ! ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑتے پھریں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم لوگ آپ کے دائیں۔ بائیں۔ سامنے اور پیچھے

لڑیں گے اور پروانہ وار اپنی جانیں راہِ حق میں قربان کر دیں گے"

انصار کا یہ عزم اور جوش دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ فرطِ مسرت سے تمتما اٹھا۔ مسلمانوں کو جہاد و قتال کے لئے کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ شمولیت جبری نہ تھی۔ صرف وہی مسلمان ساتھ لئے گئے جو اپنے شوق اور اپنی رغبت سے اس مہم پر جانے کے لئے آمادہ تھے۔ کوچ کے وقت شہر سے ایک میل کے فاصلے پر جا کر لشکر کا جائزہ لیا گیا۔ کمسن بچوں کو واپس کر دیا گیا۔ ایک بچہ اس چھانٹی پر رو پڑا۔ اسے لشکر کے ساتھ دینے کی اجازت مل گئی۔ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جن میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ اس لشکر کے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور باربرداری اور رسد کے لئے چند اونٹ مسلمانوں کے پاس شمشیریں۔ نیزے اور تیر تو بیشک تھے لیکن خود۔ زرہ بکتر اور چار آئینہ سے سجے ہوئے سورمے ان میں کہیں نظر نہ آتے تھے۔

بدر کا میدان

مسلمانوں کا یہ لشکر ۱۲ رمضان سنہ ۲ ہجری کو شہر مدینہ سے روانہ ہوا۔ اور ۱۷ رمضان کو بدر کی وادی میں پہنچا۔ روانگی سے پہلے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے انتظام کے لئے ابولبابہ بن عبدالمنذر نامی ایک شخص کو حاکم مقرر کر دیا کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ کہیں مدینے کے یہود اور منافق (ایسے لوگ جو ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن دلوں میں مسلمانوں کے ساتھ عناد رکھتے تھے)

قریش کی شہ پاکر فساد برپا کر دیں۔"

لشکر جب بدر کے مقام پر پہنچا تو دیکھ بھال کرنے والے مخبروں نے اطلاع دی کہ قریش کا لشکر وادی بدر کے دوسرے سرے تک پہنچ چکا ہے۔ لشکر اسلام نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے حباب بن منذر نے پیغمبر خدا ؐ سے پوچھا کہ آپؐ نے کیمپ لگانے کے لئے یہ جگہ وحی کے رُو سے اختیار کی ہے یا فوجی تدبیر سے۔ رسولِ خدا ؐ نے جواب دیا کہ وحی کے رُو سے نہیں بلکہ اپنی رائے سے ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ حباب نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیں اور آس پاس کے کنوئیں بیکار کر دیئے جائیں۔ آپ نے جو اس وقت سپہ سالار اور امیر افواج کی حیثیت سے کام کر رہے تھے حباب کی رائے پسند فرمائی، اور اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔

طرفین کے جنگی مقاصد

مسلمانوں کا لشکر دو جنگی مقصد لے کر نکلا تھا۔ ایک یہ تھا کہ قریش کے اس تجارتی قافلے کو مال و دولت سمیت گرفتار کر لیں جو ابوسفیان کی سرکردگی میں ملکِ شام سے واپس آ رہا تھا اور جس کی آمد آمد کی اطلاع مدینہ میں عام ہو چکی تھی۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر مکہ سے آنے والی فوج سے مڈبھیڑ ہو جائے تو اس سے لڑ کر دیوں کے حوصلے نکال لئے جائیں۔ بدر میں مسلمان لشکریوں نے قریش کے ایک ہراول دستے کا ایک شخص جو بنی حجاج کا حبشی غلام تھا گرفتار کیا۔ اسے اپنی فرودگاہ میں لا کر اس سے ابوسفیان کے قافلے کا حال پوچھنے

لگے۔ وہ کہتا تھا کہ ابوسفیان کی تو مجھے خبر نہیں البتہ ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔ امیہ اور قریش کے دوسرے سردار آرہے ہیں۔ مسلمان اسے مارتے تھے لیکن وہ یہی جواب دیتا تھا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے کہا کہ جب وہ سچ کہتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو جب جھوٹ بولنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اسے چھوڑ دیتے ہو[1]۔ مسلمانوں کے بعض لشکری دل سے چاہتے تھے کہ ابوسفیان کا قافلہ ان کے ہاتھ لگ جائے تاکہ کفار مکہ کی ساری دولت و ثروت انہیں مالِ غنیمت کے طور پر مل جائے۔ لیکن ابوسفیان راستہ کاٹ کر کسی اور راستے سے بچ کر نکل گیا اور مسلمانوں کو سب سے پہلی لڑائی ایسی لڑنی پڑی جس میں مالِ غنیمت کے لالچ کا شائبہ تک نہ تھا[2]۔ اس طرح

---

[1] یہ واقعہ صحیح مسلم کی حدیث میں جو حضرت انسؓ کی روایت سے ہے اخذ کیا گیا۔ مؤلف [2] سورۂ انفال میں جو غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی آیا ہے:۔

اِذْ یَعِدُ کُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ۔ اَنَّہَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

(جب خدا نے تم سے وعدہ کیا کہ قریش کے دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہو چکا اور تم دل سے چاہتے تھے کہ تمہارے لئے وہ گروہ ہو جو کانٹوں سے خالی

(بقیہ صفحہ ۱۲۱ پر)

بدر کی جنگ جس کا حال ہم بیان کر رہے ہیں محض کفر و اسلام کی آویزش بن کر رہ گئی۔ ایک فریق کا مقصد وحید دین اسلام کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینا تھا۔ دوسرا فریق اس دین کی حفاظت و بقا کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہو چکا تھا۔

۱۸۔ رمضان کو قریش کی فوج نے اسلامی لشکر کے سامنے آکر ڈیرے ڈال دیئے۔ قریش کے بعض سردار لڑائی سے جی چرا رہے تھے لیکن ابوجہل کے غیرت دلانے پر سب جوانمردی کے جوہر دکھانے پر آمادہ ہو گئے۔ قبیلہ زہرہ اور عدی کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان تجارتی قافلے کو بچا کر لے گیا ہے تو انہوں نے جنگ میں شامل ہونا مناسب نہ سمجھا اور واپس چلے گئے۔ یہ لوگ محض قافلے کی حفاظت کے خیال سے آئے تھے لیکن قریش کے بڑے بڑے رئیسوں کا خیال یکسر اور تھا۔

رؤسائے قریش نے عمرو ابن الحضرمی کے قتل کو بھی اشتعال کا بہانہ بنا یا تھا۔ لیکن جنگ سے ایک روز پہلے حکیم ابن حزام نے اپنے لشکر کے سردار عتبہ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو آج کے دن کو اپنی ابدی یادگار بنا سکتے ہیں؟ عتبہ نے اس کی ابدی صورت دریافت کی تو حکیم نے کہا کہ آپ ابن حضرمی کے

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۲۰) ہے۔ یعنی تجارتی قافلہ) لیکن خدا چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی بیخ کاٹ ڈالے۔ تاکہ حق حق ٹھہرے اور باطل مٹ کر رہ جائے خواہ یہ بات مجرموں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو)

حلیف ہیں اس کا خون بہا اپنی جیب سے ادا کر دیں۔ قریش مطمئن ہو جائیں گے۔ عتبہ نے اس تجویز کو پسند کیا لیکن جب ابوجہل سے مشورہ کیا گیا تو اس نے عتبہ کو طعن دیا کہ وہ نامردی کر رہا ہے اور لڑائی سے جی چراتا ہے عتبہ نے کہا کہ اچھا کل تم دیکھ لو گے کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے؟

صف بندی

رات کو بارش ہو گئی جس جانب اسلام کے لشکر کا کیمپ تھا وہاں زمین ریتلی تھی بارش ہونے سے اس کی تہ جم گئی۔ قریش کا کیمپ چکنی مٹی کے باعث کیچڑ سے بھر گیا۔ اور انہیں چلنے پھرنے میں دقت محسوس ہونے لگی مسلمان جو خدا کی راہ میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر آئے تھے۔ رات بھر چین کی نیند سوئے۔ قریش آنے والی صبح کے واقعات کے تصور میں جلتے رہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الصبح مسلمانوں کو نماز کے لئے جگایا۔ بارش ہو جانے کے باعث پانی فراواں تھا سب نے وضو کیا۔ نماز کے بعد آپؐ نے فوجی ترتیب کے مطابق صفیں درست کیں۔ افسروں کو علم عطا فرمائے۔ صبح ہوتے ہی مومنین قانتین کی صفیں قتال کے امتحان میں سے گزرنے کے لئے آمادہ کھڑی تھیں۔ اور خدا کا رسولؐ دونوں ہاتھ پھیلا کر ایک عجیب محویت اور بے خودی کے عالم میں کھڑا دعا مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "اے اللہ العالمین جس نصرت کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ مجھے عطا فرما۔ اگر یہ مٹھی بھر نفوس آج مٹ گئے تو قیامت تک تیری پرستش کرنے والا اور تیرا نام لینے

والا کوئی شخص پیدا نہ ہوگا۔"

زہرہ گداز منظر

فوجیں بالمقابل ہوئیں تو طرفین کے اکثر دھڑکتے ہوئے دلوں نے محسوس کیا کہ آج اپنے ہی بھائیوں، عزیزوں، قریبی رشتہ داروں اور بزرگوں سے نپٹنا ہے۔ کفار اور مہاجر مسلمان ایک ہی قوم کے افراد تھے اور کئی قسم کے خونی رشتوں سے آپس میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ یہ کیفیت بھی نظر آ رہی تھی کہ قریش کے میرِ لشکر عتبہ کا جگر بند مسلمانوں کی صف میں باپ کے بالمقابل کھڑا ہے۔ محمدؐ کا چہیتا چچا عباسؓ کفار کی فوج میں ہے۔ صدیق اکبرؓ اسلامی فوج میں ہیں تو ان کا بیٹا کفار کی فوج کا ایک چمکتا ہوا ستارہ نظر آ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کے ماموں بھتیجے اور بھانجے دشمن کی صفوں میں کھڑے ہیں۔ حضرت علیؓ ادھر ہیں تو ان کے بھائی عقیل دوسری جانب ہیں۔ غرض کہاں تک شمار کیا جائے طرفین کے اکثر افراد اسی کیفیت کو محسوس کر رہے تھے۔ لیکن ایک طرف خدائی دین کی حفاظت و مدافعت کا جذبۂ فراواں کار فرما تھا اور دوسری جانب قومی غیرت و حمیت ابھار رہی تھی۔ اس لئے طرفین میں سے کسی کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔"[1]

---

[1] بدر کے معرکہ میں مسلمانوں کو اپنے عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں سے لڑنے کی جو کیفیت پیش آئی بعینہٖ اسی قسم کی کیفیت جنگ مہابھارت میں کوروؤں کے (بقیہ صفحہ ۱۲۴ پر)

مبارزوں کی لڑائیاں

اِس دَور کے طریق جنگ کے مطابق پہلے دونوں طرف سے مبارز میدان میں نکلے۔ سب سے پہلے عمرو ابن الحضرمی کا بھائی عامر حضرمی سامنے آیا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت عمرؓ کے غلام مہجع نے مقابلہ کیا۔ مہجع مارا گیا ۔

ازاں بعد قریش کے لشکر کا سردار عتبہ اپنے بھائی اور بیٹے کو لے کر آگے نکلا۔ ان کے مقابلے کے لئے تین انصار عوفؓ۔ معاذؓ اور عبداللہؓ بن رواحہ آگے بڑھے۔ عتبہ نے نام و نسب پوچھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہ انصار مدینہ ہیں تو اس نے کہا کہ ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجو انصار پیچھے ہٹ آئے اور پیغمبر خداؐ کے حکم سے حمزہؓ۔ علیؓ اور عبیدہؓ آگے بڑھے۔ عتبہ نے کہا کہ اب ٹھیک ہے۔ جنگ ہونے لگی۔ حمزہؓ نے عتبہ کو اور علیؓ نے ولید کو مار گرایا۔ لیکن شیبہ نے جو عتبہ کا بھائی تھا عبیدہؓ کو زخمی کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر علیؓ لپکے انہوں نے شیبہ کو مار گرایا اور عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۲۳) کے مقابلے میں پانڈوؤں کو پیش آئی تھی۔ پانڈوؤں کا ہیرو ارجن یہ حال دیکھ کر بد دل ہوتا چلا جا رہا تھا کہ شری کرشن نے حق و باطل کی معرکہ آرائی پر نہایت ہی پُر مغز تقریر کر کے اس کی جواب دیتی ہوئی ہمت کو اُبھارا اور اسے مجرموں کے ساتھ لڑنے پر آمادہ کیا۔ شری کرشن کا یہی وعظ "گیتا" کہلاتا ہے جسے ہندو الہامی کتاب مانتے ہیں ۔ (مؤلف)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ عبیدہ رض کو حضور ص کی زبان سے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ انہیں شہادت کا درجہ مل گیا ہے۔ وہ اس خوشی میں ابوطالب کا ایک شعر گانے لگے جس کا مضمون یہ تھا کہ "ہم محمد ص کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب اُن کے گرد لڑتے ہوئے مر جائیں اور ہماری بیویاں اور ہمارے بیٹے ہمیں بھلا دیں"۔

اس کے بعد قریش کا ایک بہادر جو ابوکرش کہلاتا تھا "ہل من مبارز" کا نعرہ لگاتا ہوا نکلا۔ ادھر سے زبیر رض مقابلے کے لئے گئے۔ زبیر رض نے جلتے ہی اس زرہ پوش کی آنکھ میں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ تاک کر برچھی ماری۔ جو دماغ تک اندر دھنس گئی۔ ابوکرش گر پڑا۔ زبیر رض نے اپنی برچھی اس کی لاش سے پاؤں اڑا کر بڑے زور سے نکالی۔ اَنی کے دونوں سرے مڑ گئے تھے[1]

گھمسان کا معرکہ

اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی قریش کا جم غفیر عام حملے کے لئے آگے بڑھا۔ مسلمانوں نے اسے تیروں پر لیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں

---

[1] یہ برچھی حضرت زبیر رض سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی تھی اور ان کے بعد یادگار کے طور پر خلفائے اربعہ راشدین کے پاس رہی۔ پھر عبداللہ بن زبیر رض کو مل گئی۔ مؤلف

لشکر گتھم گتھا ہو گئے طرفین کے بہادر اور جری اشخاص دادِ شجاعت دینے لگے مسلمانوں کی تعداد ہر چند قلیل تھی لیکن وہ کمال دل جمعی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ خدا کے رسولؐ نے انہیں بتا رکھا تھا کہ اگر وہ حق و باطل کے اس معرکے میں مارے گئے تو اللہ کی راہ میں شہادت کا رتبہ پائیں گے۔ اور آخرت کی زندگی کی کامرانیاں اور سعادتیں ان کے قدم چومیں گی۔ قریش کی طرف صرف اسلام سے عناد اور قومی یا شخصی جمیت کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ قریش کے سرباز مسلمانوں کو حیرت انگیز شجاعت اور پامردی ان کے فوق العادہ جوشِ فدا کاری کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے۔ اُن کی ہمتیں جواب دینے لگیں۔ اُن کے قدم اکھڑنے لگے۔ انصار کے دو نوجوان ابوجہل کا پتہ پوچھ کر اُس پر ٹوٹ پڑے انہوں نے باہم تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ ابوجہل کو نہیں چھوڑیں گے خواہ اس کوشش میں ان کی جانیں قربان ہو جائیں چشم زدن میں وہ اس کے سر پر تھے اور ابوجہل خاک و خون میں لوٹ رہا تھا۔ اللہ کے رسول نے اپنے لشکریوں کو قریش کے بعض اشخاص کے متعلق ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ رؤسائے قریش کے جبر سے جنگ میں شامل ہوئے ہیں اس لئے انہیں بچانے کا خیال رکھا جائے۔ ان میں ایک ابوالبختری بھی تھا وہ مجذرؓ انصاری کی زد میں آ گیا۔ مجذرؓ نے کہا کہ اللہ کے رسولؐ کی ہدایت کے مطابق تجھے چھوڑ دیتا ہوں ابوالبختری نے پوچھا "اور میرے رفیق کو" مجذرؓ نے جواب دیا "اسے نہیں" ابوالبختری نے کہا کہ میں عرب خاتونوں کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ البختری نے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنی جان

بچالی ابوالبختری یہ شعر پڑھتا ہوا حملے کے لئے آگے بڑھا ؎

لَنْ یُسْلِمَ ابْنُ حُرَّۃٍ زَمِیْلَہٗ حَتّٰی یَمُوْتَ اَوْ یَرٰی سَبِیْلَہٗ

(شریف کا بیٹا اپنے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اسے موت نہ آجائے یا وہ اپنی راہ کو نہ پالے)

مسلمان مجاہدوں نے قریش کے سرداروں کو ڈھونڈ ڈھونڈھ کر ان سے جنگ کی اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر قریش کے لشکری ہتھیار ڈالنے لگے اور مسلمان انہیں گرفتار کرنے لگے۔

نوع انسانی کے جنگ وجدال کی تاریخ میں یہ واقعہ بڑا ہی حیرت انگیز تھا کہ تین سو کی قلیل جمعیت ایک ہزار فوج پر غلبہ حاصل کرلے۔ جنگ کے خاتمے پر جائزہ لیا گیا تو قریش کے ستّر آدمی قتل اور قریباً اسی قدر گرفتار ہو چکے تھے۔ باقی بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے صرف چودہ آدمی کام آئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ کفّار کی لاشیں ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ اللہ کے رسولؐ نے حکم دے دیا کہ جنگی اسیروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل کی قیدیوں کو نان و پنیر کھلایا اور خود کھجوروں پر گزارا کیا۔ مسلمانوں کا لشکر مظفّر و منصور ہو کر مدینے کی طرف لوٹ آیا۔

مدینہ پہنچکر مسلمانوں کے اہل الرائے اشخاص نے مجلسِ مشاورت منعقد کی کہ اسیرانِ جنگ کو کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ سب کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اور قتل کی یہ صورت ہو کہ ہر قیدی کو اس کا

نزدیکی رشتہ دار قتل کرے۔ حضرت صدیق ؓ نے صلاح دی کہ ان سب کو زرِ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اکثریت فدیہ کے حق میں تھی۔ اس لئے اسی رائے پر عمل کیا گیا۔ قریش کے صرف دو رئیس عقبہ اور نضر بن حارث، قتل کر دیئے گئے اور باقی زرِ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے۔ [۱]

---

[۱] ان واقعات کے بعد اللہ کے رسول ؐ پر قرآن کی جو آیات نازل ہوئیں ان میں خدا نے مسلمانوں کے اس فعل پر ناپسندگی کا اظہار کیا۔ آیات یہ ہیں:۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔ (انفال)

(نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ زمین میں اچھی طرح لڑنے سے پہلے قیدی پکڑتا۔ تم دنیا کی دولت چاہتے ہو لیکن اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اللہ توانا اور دانا ہے۔ اگر پہلے سے خدا کا نوشتہ موجود نہ ہوتا۔ جو جو کچھ تم نے قیدیوں سے لیا ہے اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ اب تم جو کچھ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹)

غزوۂ بدر کے بعد اللہ کے رسول پر قرآن کی سورۂ انفال نازل ہوئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸) کہ تمہیں غنیمت میں ملا ہے کھاؤ وہ حلال و طیب ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اے نبی! تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے کہدو اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھے گا تو وہ تم کو اس کے بدلے میں جو تم سے لے لیا گیا ہے بھلائی عطا کرے گا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا چاہیں گے تو اس سے پہلے بھی وہ اللہ سے خیانت کر چکے ہیں اسی لئے خدا نے انہیں تمہارے بس میں دے دیا اللہ باخبر اور دانا ہے)

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کو مسلمانوں کی یہ حرکت پسند نہیں آئی کہ وہ حق و باطل کی لڑائی کو دنیوی لالچ سے آلودہ کرتے۔ لہٰذا انہیں زر فدیہ کے لالچ سے قیدی پکڑنے پر تنبیہ کی گئی اور فدیہ لے کر قیدی چھوڑ دینے پر بھی خدا نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اگر مسلمان اس لالچ سے بالا رہ کر قیدی پکڑتے اور انہیں فدیہ کے بغیر رہا کر دیتے یا انہیں اپنے پاس رکھ کر حسن سلوک سے کام لیتے تو ان میں سے اکثر برضا و رغبت مسلمان ہو جاتے۔ تبلیغ حق کی خاطر مسلمانوں کی یہ فراخ دلی خدا کو بہت بھاتی۔ مسلمان اس سے قاصر رہ گئے اس لئے خدا نے قیدیوں سے وعدہ کر لیا کہ اگر وہ بھلائی کی راہ اختیار کریں گے تو اللہ انہیں اس سے زیادہ اجر دے گا جو ان سے لیا جا چکا ہے۔ اگر وہ خیانت کریں گے تو جس طرح پہلے وہ مسلمانوں کے قابو میں آ چکے ہیں پھر بھی آ پھنسیں گے۔ مولف

جیسے اس لڑائی کے حالات وکوائف پر خدائے علیم وخبیر کا تبصرہ کہنا چاہیئے اس سورت میں مسلمانوں کو جنگ کا قانون دیا گیا۔ جس پر وہ آیندہ جنگوں میں کاربند ہونے لگے ۔

اس لڑائی نے قریش کی طاقت بہت کمزور کردی۔ مکہ کے گھر گھر میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔ با اثر لوگوں نے عوام کو بین و بکا کرنے سے منع کر دیا۔ اعراب بادیہ پر مسلمانوں کی طاقت کی دھاک بندھ گئی۔ مدینہ کے یہودی اس کے بعد اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لئے خطرہ کا موجب سمجھنے لگے ۔

کفر واسلام کے درمیان گھمسان کی یہ پہلی لڑائی ۱۹ رمضان ۲ھ ہجری کو لڑی گئی۔ مسلمانوں کے نزدیک اس پہلی جنگ میں حصّہ لینے والے لوگ دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ فضیلت والے محسوب ہوتے ہیں کیونکہ خدائے پاک نے اپنے کلام میں ان کے اس جہاد فی سبیل اللہ پر خوشنودی کا اظہار کیا اور جو لوگ اس مہم پر نہیں گئے تھے ان کے متعلق کہدیا کہ کسی معذوری کے سوا یونہی بیٹھ رہنے والے لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں خدا کے نزدیک مجاہدین کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے ۔

غزوۂ بنی قینقاع

مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے معاہد تھے۔ لیکن دل ہی دل میں اسلام

کی ترقی سے بہت حسد رکھتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہونچنے کے باعث ان کا وہ اثر و اقتدار زائل ہو رہا تھا جو انہیں مدینہ کے عربوں میں اپنے علمی اور مالی تفوق کے باعث حاصل تھا۔ یہ لوگ مدینہ کے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ عبداللہ بن ابی جو بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن دل میں رسول اکرم اور دین اسلام کے ساتھ بغض رکھتا تھا۔ ان کی سازشوں میں در پردہ شریک رہتا تھا اس کے علاوہ جنگ بعاث کے واقعات کی یاد تازہ کرا کے اوس اور خزرج کو دوبارہ لڑانے کے درپے رہتے تھے۔ جو آغوش اسلام میں آنے کی بدولت متحد ہو چکے تھے۔

غزوۂ بدر کے بعد یہود بنی قینقاع کی شرارتیں تیز تر ہو گئیں۔ ایک دن چند یہودیوں نے ایک مسلمان عورت سے جو بنو قینقاع کے بازار میں سے گزر رہی تھی چھیڑ چھاڑ کی۔ ایک مسلمان کو جو ادھر سے گزر رہا تھا طیش آ گیا اور اس نے انہیں اس نازیبا حرکت سے روکا۔ یہودی اس سے الجھ پڑے۔ مسلمان نے تلوار نکال لی اور ایک یہودی کو خاک و خون میں غلطاں کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اس بلوے کی اطلاع پا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے پاس گئے اور انہیں شرارتوں سے باز رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "خدا سے ڈرو ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی قریش بدر کی طرح اس کا عذاب نازل ہو"۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ "وہ قریش تھے جو مسلمانوں سے شکست کھا گئے۔ ہم سے پالا پڑا

تو ہم دکھا دیں گے لڑائی کسے کہتے ہیں" بنو قینقاع کے یہودیوں کو معاہدہ یاد دلایا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم اس معاہدے کے پابند نہیں جو جی میں آئے کرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم واپس آگئے اور مسلمانوں کو بنو قینقاع سے لڑنے کا حکم دے دیا۔ بنو قینقاع اپنے قلعوں اور محلوں میں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر انہوں نے پیغام بھیجا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق جو فیصلہ بھی کریں ہمیں منظور ہوگا۔ آپ نے انہیں شہر چھوڑ کر جلا وطن ہونے کی سزا دی۔ بنو قینقاع کے سات سو یہودی جن میں تین سو زرہ پوش تھے مدینہ سے نکل کر شام کے علاقہ اذرعات میں آباد ہو گئے۔

یہ مہم جنگ بدر سے ایک ماہ بعد شوال سنہ ۲ ہجری میں پیش آئی۔

غزوۂ سویق

بدر کی لڑائی میں قریش کے بڑے بڑے رئیس عتبہ۔ ابو جہل۔ شیبہ۔ ابو البختری۔ زمعہ بن الاسود۔ عاص ابن ہشام۔ امیہ بن خلف۔ عقبہ۔ بن الحجاج۔ نبیہ مارے جا چکے تھے۔ اہل مکہ نے ابو سفیان کو جو بنو امیہ کے رئیس تھے مکہ کا رئیس اعظم بنا لیا۔ ابو سفیان نے معرکہ بدر میں قریش کی شکست کی خبر سن کر قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ مقتولین بدر کا انتقام نہ لے گا اس وقت تک نہ وہ اپنی بیوی کے پاس جائے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ رئیس اعظم

بننے کے بعد وہ دو سو شتر سوار لے کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ سواروں کو پیچھے چھوڑ کر وہ پہلے مدینہ کے یہودی سرداروں کے پاس گیا تاکہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف ساز باز کرے۔ حیّ ابن اخطب یہودی نے اسے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی لیکن بنو نضیر کے رئیس سلام بن مشکم نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور مدینہ کے متعلق بہت سی مخفی باتیں بتائیں۔ ابو سفیان نے دیکھا کہ یہودی عملی مدد کرنے پر آمادہ نہیں اس لئے اس نے اپنے سواروں کی طرف لوٹ کر مدینہ سے ۳ میل کے فاصلے پر عریض پر حملہ کیا۔ سعد بن عمرو انصاری کو قتل کر دیا۔ چند مکان اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ مسلمانوں کو اطلاع ملی تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جمعیت کے ساتھ تعاقب کے لئے نکلے۔ ابو سفیان سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور اپنے سامان رسد کو جو سویق یعنی ستوؤں پر مشتمل تھا راستے میں پھینکتا گیا۔ یہ ستو مسلمانوں کے ہاتھ آئے اس لئے مسلمانوں کے تاریخی ریکارڈ میں اس مہم کے لئے غزوہ سویق کا نام مشہور ہو گیا۔

یہ چپقلش معرکہ بدر سے تین ماہ بعد ماہ ذوالحجہ ۲ھ میں واقع ہوئی۔

غزوۂ اُحد

(سنہ ۳ھ ۔ ۶۲۵ء)

مکّہ کی انتقامی تیّاریاں

بدر کی شکستِ فاش کے بعد قریش چین سے نہیں بیٹھ سکتے تھے انہوں نے مقتولینِ بدر کے چند روزہ ماتم سے فارغ ہونے کے بعد نئی مہم کی تیاریاں شروع کر دیں ۔

گرے ہوئے حوصلوں کو اُبھارنے کے لئے شاعروں سے کام لیا گیا۔ عربوں کا یہ پُرانا دستور تھا۔ اُس زمانہ کے عربوں کی سوسائٹی میں جوش پھیلانے کا بہترین ذریعہ شاعر اور خطیب ہوا کرتے تھے۔ عمرو جمحی اور مسافع نامی دو شاعروں نے بہت کام کیا۔ مدینے کا ایک عرب شاعر کعب بن اشرف بھی جو یہود بنی نضیر کا بھانجا ہونے کے باعث یہودیوں کا رئیس اعظم بن گیا تھا قریش کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے کے لئے مکّہ گیا اور قریش کو مقتولین بدر کے بڑے ہی پُر درد مرثیے سُنائے۔ کعب نے ابوسفیان اور قریش کے دُوسرے لوگوں سے خانۂ کعبہ کے سامنے جا کر حلف لئے کہ وہ مقتولین بدر کا انتقام لے کر رہیں گے [۱]

[۱] کعب بن اشرف کو مکہ سے واپس آنے پر ۳ سنہ ہجری کے (حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۳۵)

نئی مہم کے مصارف کے لئے قریش نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ اس تجارتی قافلے کا سارا نفع جو جنگِ بدر میں بچ کر نکل آیا تھا اس کام کے لئے الگ رکھ لیا گیا۔ حصہ داروں کو صرف ان کا راس المال واپس کیا گیا۔

قریش نے جو بدر کے میدان میں مسلمانوں کی شجاعت کا حال دیکھ چکے تھے اس دفعہ بڑے زور کی تیاریاں کیں قریش کے معزز گھرانوں کی بعض خواتین بھی جوشِ انتقام سے لبریز ہو کر فوج میں بھرتی ہو گئیں ان میں سے بعض نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ اپنے ان اعزا کے قاتلوں کا جو جنگِ بدر میں مارے گئے تھے خون پی کر اپنے انتقام کی پیاس بجھائیں گی۔

قریش کی تیاری کا جوش و خروش دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ آنحضرتؐ کو چٹھی بھیجی جس میں نئی مہم کی تیاریوں کی اطلاع درج تھی حضرت عباسؓ جنگ بدر میں قریش کے ساتھ تھے اور جنگ کے بعد اسیر بنا لئے گئے تھے۔ دوسرے اسیرانِ جنگ کی طرح انہوں نے بھی زرِ فدیہ دے کر رہائی پائی تھی اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے لیکن مکہ ہی میں قیام فرما رہے۔

مدینہ کی دفاعی سرگرمیاں

اطلاع ملنے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی نقل

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۳۴) ماہ ربیع الاول میں ایک مسلمان محمد بن مسلمہ نے گھر سے باہر بلا کر دھوکے سے قتل کر دیا تھا۔ مولف

وحرکت سے باخبر رہنے کے لئے جاسوس مقرر کر دیئے۔ ان میں سے انس اور مونس نے آکر اطلاع دی کہ کفار کا لشکر مدینے کے قریب آپہنچا ہے اور ان کے گھوڑے عریض کی چراگاہ کو صاف کر رہے ہیں۔ رسول خدا نے حباب بن منذر کو دشمن کی تعداد کا سراغ لگانے کے لئے بھیجا انہوں نے دیکھ بھال کے بعد واپس آکر رپورٹ دی کہ قریش کا لشکر تین ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان اطلاعات کے پہونچنے کی تاریخ ۵ شوال سنہ ۳ ہجری ہے ؛

اس اندیشے کے پیش نظر کہ قریش رات کو مدینے پر حملہ نہ کر دیں۔ پیغمبر خدا نے شہر کے اندر اور باہر کڑے پہرے لگا دیئے ؛

اگلے دن صبح کے وقت مجلس مشاورت بیٹھی۔ زیر غور مسئلہ یہ تھا کہ آیا قریش کا مقابلہ شہر کے اندر پناہ گزین ہو کر کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر ان سے لڑائی لڑی جائے ؛

پختہ کار اصحاب کی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر بیٹھ کر مقابلہ کیا جائے لیکن جوشیلے نوجوان زور دے رہے تھے کہ شہر سے باہر نکل کر لڑنا چاہیئے۔ عبداللہ بن ابی نے جو دل سے مسلمان نہ ہوا تھا یہی رائے دی کہ باہر نہ جانا چاہیئے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کے معاملے میں متامل نظر آتے تھے لیکن نوجوانوں کا جوش دیکھ کر آپ ہتھیار پہننے کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ بزرگوں نے رسول اللہ کے تیور دیکھے کر نوجوانوں کو ڈانٹا کہ تم نے حضور کے منشائے مبارک کے خلاف باہر نکل کر لڑنے پر کیوں

اصرار کیا۔ رسول خدا ہتھیار باندھ کر گھر سے باہر نکلے تو نوجوانوں نے معافی مانگی لیکن آپؐ نے فرمایا

"اللہ کا رسول جب ہتھیار باندھ لیتا ہے تو اس کے لئے زیبا نہیں کہ مہم کو سر کئے بغیر انہیں اتارے۔[1]"

مسلمانوں کا لشکر تیار ہوا لوگ بڑے جوش و خروش سے آئے کمسن بچوں نے بھی جہاد میں حصہ لینے کے لئے شوق ظاہر کیا لیکن انکی درخواستیں مسترد کر دی گئیں ایک ننھا مجاہد رافع بن خدیج ایڑیاں اٹھا کر انگلیوں کے بل کھڑا ہو کر بولا "میں قد و قامت میں کس سے ہیٹا ہوں" اسے اجازت مل گئی۔ یہ حال دیکھکر اس کے ہمجولی سمرۃ سے نہ رہا گیا سمرۃ نے کہا کہ میں کشتی میں رافع کو پچھاڑ لیتا ہوں جب رافع لیا جا رہا ہے تو میں کیوں پیچھے رہ جاؤں حضورؐ نے فرمایا اچھا کشتی لڑ کر دکھاؤ کشتی میں سمرۃ نے رافع کو پچھاڑ لیا اسے بھی فوج میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی۔

پھر فوج کی گنتی کی گئی تو اسلامی فوج کی تعداد ایک ہزار سے کچھ اوپر تھی۔ لشکر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا ابھی شہر سے باہر ایک میل کے

---

[1] سبب ارشاد ربانی

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط

(کام کے سلسلے میں ان سے مشورہ کرو اور جب تو نے ارادہ کر لیا تو اللہ پر بھروسہ کر کے اسے عمل کا جامہ پہنا دے)۔

فاصلے پر پہنچا تھا کہ عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہتا ہُوا لوٹ آیا کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری رائے پر کہ شہر کے اندر بیٹھ کر مقابلہ کرنا چاہیئے عمل نہیں کیا۔ اس لئے میں ساتھ نہیں دے سکتا۔ حقیقت حال یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی در پردہ قریش سے ساز باز رکھتا تھا + اور اس حرکت سے اس کا مقصد مسلمانوں کو بزدل کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

فوجوں کی صف آرائی

قریش کی فوجیں کوہ اُحد کے دامن میں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں۔ میمنہ کی کمان خالد بن ولید کر رہے تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ میسرہ کا نشان عکرمہ بن ابوجہل کے ہاتھ میں تھا۔ سوار دستوں کا افسر اعلیٰ صفوان بن امیہ تھا جس کے پاس دو سو کوتل گھوڑے بھی موجود تھے تاکہ حسب ضرورت کام آسکیں۔ تیر اندازوں کے دستوں کی کمان عبداللہ بن ابی ربیعہ کے ہاتھ میں تھی۔ قریش کا رئیس اعظم ابوسفیان قلب لشکر کی کمان خود کر رہا تھا۔ اس دفعہ قریش کی فوجوں کی ترتیب بدر کے میدان کی بہ نسبت بہت بہتر نظر آرہی تھی۔ اسلامی لشکر نے بھی قریش کے لشکر کے سامنے کوہ احد ہی کے دامن میں پڑاؤ جمایا۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو علم دیا۔ زبیرؓ ابن العوام کو رسالے کا افسر مقرر فرمایا۔ حمزہؓ کو ان دستوں کی کمان سونپی گئی جو زرہ پوش نہ تھے۔ اور

عبداللہ بن جبیرؓ کو تیر اندازوں کے دستوں کا افسر بنا کر فوج کے عقب میں کوہ احد کی ایک گھاٹی پر بٹھا دیا ان کے لئے حکم یہ تھا کہ بلا اجازت اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہونے پائیں۔

جنگ کا آغاز

قریش کے کیمپ میں طبل جنگ پر چوٹ پڑی اور خواتین قریش دف بجاتی ہوئی اور گیت گاتی ہوئی صفوں سے آگے بڑھیں وہ بوڑھوں کو جوان اور نامردوں کو جوانمرد بنانے والا گیت گا رہی تھیں جو یہ تھا۔

نَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِقِ　　نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقِ
اَنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقِ　　اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقِ

(ہم طارق ستارے کی بیٹیاں ہیں جو قالینوں پر چلتی ہیں
اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں چھاتی سے لگا لیں گی اور
اگر تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی)

اس کے بعد مدینہ کا ایک شخص ابو عامر جو مکہ میں رہتا تھا ڈیڑھ سو آدمیوں کی جمعیت لے کر میدان میں نکلا جب وہ مدینہ میں تھا تو لوگ اسے بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسے خیال تھا کہ مجھے دیکھ کر مدینہ کے اکثر باشندے پیغمبر خداؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ "مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں" انصار نے جواب دیا "ہم خوب جانتے ہیں خدا تیرے برے ارادوں کو رسوا کرے۔" ابو عامر پیچھے

ہٹ گیا۔ اور قریش کی صفوں سے طلحہ نامی ایک شخص آگے بڑھ کر پکارا "مسلمانو! تم میں کوئی ہے جو مجھ کو جلد دوزخ میں پہونچا دے یا خود میرے ہاتھ سے بہشت میں چلا جائے" ادھر سے حضرت علیؓ میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں کہتے ہوئے آگے بڑھے اور تلوار کے ایک ہی وار میں طلحہ کو مٹی کا ڈھیر بنا کر زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد طلحہ کے بھائی عثمان اور حضرت حمزہؓ کے درمیان جنگ مبارزت ہوئی اور عثمان مارا گیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی طرفین کے بہادر دادِ شجاعت دینے لگے۔ حمزہؓ، علیؓ اور ابودجانہؓ اس معرکے کے ہیرو ثابت ہوئے۔ ابودجانہؓ رسول خداؐ کی تلوار لے کر لڑ رہے تھے۔ اور اس اعزاز کے نشے میں بےخود ہو کر کفار کی صفیں الٹتے چلے جا رہے تھے۔ حمزہؓ بھی دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ وحشی نام ایک حبشی غلام نے برابر سے تاک کر حربہ (چھوٹا سا نیزہ) مارا جو حضرت حمزہؓ کی ناف میں لگا اور انتڑیوں کو چیرتا ہوا پار نکل گیا۔ حمزہؓ لڑکھڑا کر گر پڑے اور راہِ حق میں شہید ہو گئے ۔

دوسرا فریق بھی شجاعت کے کارناموں سے خالی نہ تھا۔ قریش کے ایک علم بردار صواب نامی کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو وہ علم کے ساتھ خود بھی زمین پر گر پڑا اور اسی حال میں مارا گیا۔ قریش کی ایک خاتون نے آگے بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور قریش کے حوصلے جو علم کے گرنے سے پست ہو رہے تھے از سر نو تازہ کر دیئے ۔

مسلمانوں پر عقب سے حملہ

گھمسان کی لڑائی تھوڑی دیر تک جاری رہی اور قریش کے لشکر میں ابتری کے آثار نمودار ہونے لگے۔ مسلمان سمجھے کہ قریش شکست کھا گئے ہیں۔ اس لئے وہ لڑائی کا خیال چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ تیراندازوں کی ٹولی نے جو گھاٹی پر متعین تھی جب یہ حال دیکھا تو اپنے افسر کے حکم کو پس پشت ڈال کر وہ بھی غنیمت کا مال لوٹنے کے لئے نیچے اتر آئے۔ مورچہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے اپنے دستوں کو لے کر اس گھاٹی کی راہ سے مسلمانوں کے عقب پر حملہ بول دیا۔ عبداللہؓ ابن جبیر نے چند آدمیوں کے ساتھ جو باقی رہ گئے تھے مقابلہ کیا اور سب کے سب کھیت رہے۔ مسلمان اس اچانک حملہ کی تاب نہ لاسکے ان کے لشکر میں بے طرح ابتری پھیل گئی۔ فریقین کے آدمی اس طرح آپس میں گھل مل گئے کہ اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی۔

رسولِ خداؐ کی شہادت کی افواہ

اتنے میں قریش کے ایک بہادر ابن قمیہ نے اسلامی لشکر کے علم بردار مصعبؓ بن عمیر کو شہید کر دیا۔ اسلام کا پرچم گر پڑا اسے سنبھالنے والے مسلمان کوئی بھی نزدیک نہ تھا۔ ایک تو مصعبؓ کا ڈیل ڈول رسول خدا سے ملتا جلتا تھا، دوسرے علم گر پڑا اس لئے میدانِ جنگ میں غل مچ گیا کہ محمدؐ مارے

گئے۔ کفار کے حوصلے بڑھ گئے۔ مسلمان بہت پریشان ہوئے۔ بعض نے ہمت ہار دی۔ بعض جان سے ہاتھ دھو کر لڑتے رہے۔ اس افراتفری کے عالم میں صرف گیارہ جاں نثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب میں رہ گئے جن میں سے حضرت علیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت سعدؓ بن وقاص، حضرت زبیرؓ ابن العوام، حضرت ابو دجانہؓ اور حضرت طلحہؓ کے نام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت یہ ہے کہ صرف طلحہؓ اور سعدؓ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت پا جانے کی افواہ سن کر مسلمانوں کے طبائع نے جو مختلف اثر قبول کئے وہ اس ایک واقعہ سے آشکار ہیں۔ ابن نضرؓ لڑتے ہوئے بہت آگے نکل گئے انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہتھیار پھینک کر حیران و ششدر بیٹھے ہیں۔ پوچھا "یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟" عمرؓ نے جواب دیا کہ "جب رسول اللہؐ ہی شہید ہو گئے تو لڑ کر کیا کریں گے" انس بن نضرؓ نے کہا "ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے" یہ کہا اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ بڑے تہوّر کے ساتھ لڑے اور شہید ہو گئے لڑائی کے بعد ان کی میّت مشکل سے پہچانی گئی کیونکہ اس پر تیر، تلوار اور نیزے کے اسّی سے زیادہ زخم تھے۔

رسولِ خداؐ کا زخمی ہونا

عین اس حال میں کعب بن مالکؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کو دیکھا کہ مغفر (خود) پہنے زندہ وسلامت موجود ہیں۔ کعب فرطِ مسرت سے چلّائے "مسلمانو! رسُول اللہؐ یہ ہیں" اس آواز کا گونجنا تھا کہ جاں نثار دوڑتے ہوئے اس طرف آئے۔ کفار بھی یہ آواز سن کر حملے کے لئے پل پڑے۔ شدید ہنگامہ برپا ہوا۔ کفار رسولِ خداؐ کی ذاتِ اقدس تک پہونچنا چاہتے تھے مسلمان مدافعت کرتے ہوئے جانیں قربان کر رہے تھے۔

قریش کا ایک بہادر عبداللہ ابن قمیہ لڑتا بھڑتا رسُول خداؐ تک پہونچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے چہرہ مبارک پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ مغفر کی دو کڑیاں ٹوٹ کر چہرے میں گھس گئیں۔ اور حضورؐ کے دو اگلے دانت شہید ہوگئے۔ چشم زدن میں ابن قمیہ کی لاش کسی جاں نثار کی تلوار کا وار کھا کر خاک و خون میں تڑپ رہی تھی۔ کفار کے حملے کا زور اسی نقطے پر تھا۔ چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ آرہی تھی اور ہر طرف تلواریں چمک رہی تھیں۔ شمع رسالت کے پروانوں نے حضورؐ کے گرد دائرہ بنالیا۔ ابودجانہ حضورؐ پر جھک کر سپر بن گئے۔ کافروں کے کئی تیر ان کی پیٹھ میں لگے۔ طلحہؓ نے تلواروں کے وار کو ہاتھ پر روکا ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا ابو طلحہؓ نے اپنی سپر سے رسُول خداؐ کے چہرۂ مبارک پر اوٹ کر دی۔ ابو طلحہؓ اور سعد وقاصؓ دشمنوں پر بے تحاشا تیر برساتے رہے۔ غرض نبیؐ کے بہادر جاں نثاروں نے دشمنوں کی تمام کوششوں پر جو وہ نبیؐ کی جان لینے کے لئے کر رہے تھے پانی پھیر دیا۔ اور حملہ آوروں کے

بادل چھٹ گئے

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کیفیت میں بھی بار بار یہ دُعا پڑھ رہے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

(میرے پروردگار میری قوم کو معاف فرما کیونکہ وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں)

احادیث میں یہ روایت بھی مذکور ہے کہ ایک موقع پر آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ بھی نکلے کہ "وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبرؐ کو اس طرح زخمی کرتی ہے" اس پر بارگاہِ خداوندی سے یہ آیت نازل ہوئی :-

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ

(تجھے اس معاملہ میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں)

کفار کے بادل اس نقطہ پر سے چھٹ گئے تو رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ کفار کی ٹولیاں ابھی آپ کی تلاش میں تھیں۔ ابوسفیان یہ بھانپ کر کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو لوگ ہیں انہی میں محمدؐ بھی ہوں گے ایک جمعیت کو لے کر اس پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اُدھر سے حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہ کرامؓ نے پتھر برسائے۔ اس لئے وہ اس پہاڑی پر نہ چڑھ سکا۔ اس پہاڑی پر مدینے سے رسول اللہؐ کی دختر حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور بعض دوسرے لوگ بھی پہونچ گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے زخموں کو دھویا اور چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر زخموں پر رکھ دیا تاکہ خون تھم جائے۔

ابوسفیان کا تفاخر

جنگ کا میدان قریش کے ہاتھ رہا۔ ابوسفیان نہیں چاہتا تھا کہ رسول اللہؐ پر اظہار تفاخر کئے بغیر واپس جائے۔ اس لئے وہ برابر کی پہاڑی پر چڑھا اور رسول خداؐ کو پکارنے لگا۔ حضورؐ نے رفقا کو جواب دینے سے منع فرمایا۔ کوئی جواب نہ آیا تو ابوسفیان نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو آواز دی۔

اُدھر پھر بھی خاموشی تھی۔ اب ابوسفیان پکارا "کوئی بولتا کیوں نہیں، کیا سب کے سب مارے گئے؟" حضرت عمرؓ یہ سُن کر ضبط نہ کر سکے اور پکار اٹھے "او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں"۔

یہ جاننے کے بعد کہ رسول اللہؐ اسی جگہ ہیں ابوسفیان نے "اعل ہبل" (ہبل تو سربلند رہ) کا نعرہ لگایا۔ اُدھر سے صحابہؓ کرام نے رسولِ خداؐ کی ہدایت کے مطابق اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ (اللہ سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے) کا نعرہ مارا۔ ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (ہمارے پاس عزّیٰ ہے اور تمہارے پاس عزّیٰ نہیں) صحابہ نے جواب دیا اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ (اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں)

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا "آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ فوج کے لوگوں نے تمہارے کشتوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھے اس کا کوئی رنج بھی نہیں"۔

لاشوں سے انتقام

ابوسفیان نے ٹھیک بات کہی تھی۔ قریش کے مردوں اور عورتوں نے جوشِ انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے مسلمانوں کی لاشوں تک کے اعضا کاٹ ڈالے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کا سینہ چیر کر کلیجہ نکالا اور اسے چبا کر کھانے لگی۔ لیکن نگل نہ سکی۔ ہندہ کو حضرت حمزہؓ پر یہ غصہ تھا کہ ہندہ کا باپ عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ ہندہ نے وحشی غلام کو آزادی کا وعدہ دے کر حضرت حمزہؓ کے قتل کے لئے خاص طور پر تاکید کر رکھی تھی۔ ہندہ نے لاشوں کے کٹے ہوئے ناک اور کان پرو کر اپنے گلے کا ہار بنایا۔ ابن نضر کی لاش کا حلیہ اس حد بگاڑ دیا گیا تھا کہ ان کی حقیقی بہن محض انگلی دیکھ کر انہیں شناخت کر سکی۔ جنگ کے دوران میں قریشی خاتونیں رجز کے گیت گا گا کر مردوں کا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔

زخمیوں کی دیکھ بھال

قریش کا لشکر اپنے مردوں اور زخمیوں کو اٹھا کر اپنی فرودگاہ کی طرف لوٹا تو مدینہ کی عورتیں بھی اپنے زخمیوں اور شہیدوں کو سنبھالنے کے لئے میدان جنگ میں پہونچ گئیں۔ بعض خواتین رسول خداؐ کی شہادت کی افواہ اور زخمی ہو جانے کی خبر سن کر پہلے ہی بیتابانہ نکل آئی تھیں

ان میں ام عمارہ نے رسول اللہؐ کی جان بچانے کے معرکے میں جنگی مردوں کی طرح حصہ لیا اور کندھے پر زخم کھایا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کرنیوالی خواتین میں ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت انسؓ کی ماں ام سلیم اور حضرت ابوسعید کی ماں ام سلیط بھی تھیں۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیم کو دیکھا کہ پائینچے چڑھا کر پانی کی مشکیں لا رہی ہیں اور زخمیوں کو پانی پلا رہی ہیں۔ مدینہ کی ایک خاتون کا باپ۔ بھائی اور شوہر تینوں اسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ لیکن وہ ہتیابی سے یہ پوچھ رہی تھی کہ حضرت رسول خداؐ کیسے ہیں۔ جب اس نے رسول خداؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اٹھی :-

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ

(تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں)

مسلمانوں نے شہدا کی لاشیں دفن کیں۔ کہیں ایک ایک قبر میں دو دو میتیں بھی رکھی گئیں۔ چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ ابوسفیان تازہ دم ہو کر دوبارہ حملہ نہ کر دے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس کے تعاقب میں بھیج دی۔ تاکہ مسلمان اپنے شہیدوں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کا انتظام دلجمی کے ساتھ کر سکیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے۔ قریش کے نقصانات کا اندازہ کہیں مذکور نہیں ہے۔

حمراء الاسد کی مہم

ابوسفیان اُحد سے نکل کر رُوحا کے مقام پر پہونچا۔ اپنی فوجوں کو ازسرنو مرتب کرنے لگا۔ وہ مکّہ کی طرف لوٹنے سے پہلے مسلمانوں پر ایک اور ضرب لگانے کی فکر میں تھا۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا اس لیے انہوں نے جنگ سے اگلے دن اعلان کر دیا کہ کوئی مسلمان اپنے گھر واپس نہ جائے۔ چنانچہ آپ فوج کو آراستہ کر کے حمراء الاسد تک تشریف لے گئے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ قبیلہ خزاعہ کا رئیس معبد جو مسلمانوں کا معاہد تھا پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور پھر وہ ابوسفیان کے پاس روحا کے مقام پر گیا۔ معبد نے ابوسفیان سے کہا کہ محمدؐ تازہ تیاری کے ساتھ نکلے ہیں جس کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ ابوسفیان نے یہ سُن کر اپنا ارادہ بدل دیا اور مکّہ کی طرف کوچ جاری رکھا۔

تبصرہ

جنگ اُحد میں مکّے نے مدینے سے غزوۂ بدر کا انتقام لے لیا۔ حالانکہ اس دفعہ جنگ میں شامل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد معرکۂ بدر کے مقابلے میں دُگنی سے کہیں زیادہ تھی۔ اس شکست کے اسباب علل تلاش کئے جائیں تو سب سے پہلے یہ بات سامنے آئے گی کہ قریش کی انتقامی تیاریوں

کی مفصّل اطلاع پانے کے بعد مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ جو محض نوجوانوں کے جوش کی بنا پر کیا گیا۔ درست نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ عبداللہ بن ابیّ کے تین سو آدمیوں سمیت لوٹ آنے کے باعث انصار کے بعض قبیلوں میں بددلی سی پیدا ہو گئی۔ اور وہ اس فداکاری کے ساتھ جنگ نہ کر سکے جس سے مسلمانوں نے بدر کے میدان میں کام لیا تھا۔ تیسرے مسلمان تیراندازوں کی جمعیت نے سپہ سالار اور اپنے موقع کے سالار دونوں کے صریح احکام کی خلاف ورزی کر کے اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ یہی بات اسلامی لشکر کے لئے تباہی کا موجب ثابت ہوئی۔ چوتھے یہ کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگ جنگ کا فیصلہ کئے بغیر مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے اور خالد بن ولید کی اس جنگی چال کو بھانپ نہ سکے جو اس نے عقب پر حملہ کرنے کے لئے قریش کے عام لشکر کو پسپا ہوتے دکھا کر چلی۔ پانچویں یہ کہ مسلمان رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت پا جانے کی افواہ سُن کر بدحواس ہو گئے۔ اس بدحواسی کے عالم میں کچھ تو ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔ کچھ اس صدمے کو برداشت کرنے کی تاب نہ پا کر تہوّر کے ساتھ لڑے اور شہید ہو گئے۔ ان اسباب کے باعث مسلمانوں کا فوجی نظم برقرار نہ رہ سکا۔ لہٰذا انہیں شکست کا سامنا ہوا ۔

قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں رکوع ۱۳ سے لے کر رکوع ۱۸ تک (بشمولیت ہر دو) خدائے عزّوجل نے جنگِ اُحد کے کوائف پر تبصرہ کیا ہے جس میں شکست کے اسباب و علل کی طرف بلیغ اشارات کرنے کے ساتھ مسلمانوں

کے زخمی دلوں پر اس وعدے کی مرہم رکھی ہے۔

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ہ (آل عمران)

(اے مسلمانو! اس شکست پر) پژمردہ اور مغموم نہ ہونا۔ البتہ تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان کی دولت سے مالا مال ہو۔

نقشہ ملک عرب
(عہد رسالت کے اضلاع و اقطاع
پیمانہ ۲/۴ انچ ۲۸۰ میل
ملک شام
دومۃ الجندل
عراق
بکر
موتہ
وادی سرحان
تیما
خیبر
مدینہ
نفود
بدر
مکہ
یمامہ
حنین
طائف
ربع الخالی
یمن
حضرموت
عمان
مہرہ

چند قبائلی مہمیں اور معرکے

سنہ ۳-۴-۵ ھ

۶۲۵ء سے ۶۲۷ء

اُحد کی شکست کے نتائج

جبلِ اُحد کی جنگ میں قریش کے ہاتھوں شکست کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اعراب بادیہ کے قبیلے جو قریش کے بُت پرستوں اور مسلمانوں کی کشمکش کو قریش کے گھر کا جھگڑا سمجھ کر بے تعلق سے رہتے تھے مسلمانوں کے بارے میں شوریدہ ہونے لگے۔ یہ قبیلے قریش کی طرح بُت پرست اور مشرک تھے۔ اور خانۂ کعبہ کے متولّیوں اور پُجاریوں یعنی قریش کو اپنا مذہبی پیشوا اور امام سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان کے زیرِ اثر تھے۔ مکّہ اور مدینہ ایک دوسرے کے خلاف اس طرح برسرِ جنگ ہو چکے تھے کہ ان کے درمیان صُلح و صفائی کا کوئی امکان باقی نہ رہ گیا تھا۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے باعث قبائلی عرب مسلمانوں کی طاقت سے کسی قدر مرعوب ہو گئے

تھے لیکن اُحد کی شکست نے اُن کے خیالات میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی۔ قریش کے پروپیگنڈا نے قبائلی عربوں کو مسلمانوں کے خلاف اور بھی شہ دی۔ اس لئے بعض قبیلے سوچنے لگے کہ جب قریش مکہ سے تین سو میل کے فاصلے پر جا کر مسلمانوں کو ان کے گھر میں شکست فاش دے سکتے ہیں تو ان کے لئے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کے زر و مال کو لوٹ لینا کونسی مشکل بات ہے۔ مسلمان قبائلِ عرب کے اس ذہنی انقلاب کو خوب سمجھتے تھے اس لئے خدا پرستوں کی یہ جماعت ہر وقت چوکنی رہتی تھی۔ اس سلسلے میں غور و فکر کے قابل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت جو خدائے واحد کی عبادت کرنے کے لئے معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اُسے واقعات کی رفتار نے ایک مستقل فوجی کیمپ کی صورت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ لوگ مذہبی آزادی اور تبلیغ کی آزادی کا فطری حق حاصل کرنے کی کوشش میں ایسی مصیبتِ عظمیٰ میں مبتلا ہوئے کہ ان کے جان و مال کا ہر وقت خطرہ لاحق رہنے لگا۔ اگر انہوں نے اپنی حفاظت و مدافعت کے لئے کچھ جماعتی طاقت اور مدنی قوت حاصل کی تو انہیں اپنے مقابلے میں مخالف اور معاند طاقتیں بھی چند در چند ہوتی نظر آنے لگیں۔ مکہ میں صرف قریش کا مقابلہ درپیش تھا مدینہ آ کر انہوں نے دیکھا کہ عرب کے سارے بت پرست انہیں للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں اور مدینہ کے یہودی اور منافق بھی دل ہی دل میں چاہ رہے ہیں کہ مسلمان صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں۔ حق کے پیغام کا ابھرنا، بڑھنا اور پھلنا پھولنا کس قدر مشکل امر

ہے باطل کی ساری قوتیں اسے مٹانے کے لئے خواہی نخواہی تل جاتی ہیں جنگ اُحد کے بعد مسلمانوں کو ایسے واقعات کی ایک زنجیر سے سابقہ پڑنے لگا۔ جس نے انہیں دم بھر کے لئے بھی سستانے یا سوچنے کی مہلت نہ دی۔

سریۂ ابوسلمہ

اُحد کی جنگ شوال ۳ سنہ ہجری میں واقع ہوئی اس سے تین ماہ بعد محرم ۴ سنہ ہجری میں اطلاع ملی کہ مدینہ سے کوئی نو منزل کے فاصلے پر نجد کے کوہستانی علاقہ قطن میں طلحہ اور خویلد نامی دو شیخ اپنے قبیلے کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے اُبھار رہے ہیں۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرِ چشمہ شاید گرفتن بمیل، کے مصداق عمل کرتے ہوئے ابوسلمہ رضہ کی سرکردگی میں ایک سو پچاس انصار و مہاجرین کی مہم بھیجی مسلمانوں کی آمد اطلاع پاکر اس قبیلہ کے لوگ منتشر ہو گئے۔

سریۂ ابن انیس

اس مہم کے ساتھ ہی عبداللہ ابن انیس کی سرکردگی میں کوہستان عرنہ کے قبیلہ لحیان کے خلاف ایک اور مہم بھیجی گئی کیونکہ وہ بھی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ابن انیس نے رئیس قبیلہ سفیان بن خالد کو قتل کر دیا۔ کیونکہ وہی اس شرارت کا بانی اور محرک تھا۔

المیہ بئرِ معونہ

صفر ۴ سنہ ہجری میں قبیلۂ کلاب کے رئیس ابو براء نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپؐ اسلام کے مبلغوں کی ایک جماعت میرے ساتھ کر دیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دے۔ آپؐ نے انصار کے ستر آدمی جو درویشانہ صفات کے حامل تھے ابو براء کے ساتھ بھیج دیئے۔ یہ لوگ بئر معونہ تک پہونچے تھے کہ عامر بن طفیل گرد و نواح کے قبائل کا ایک لشکر لے کر ٹوٹ پڑا اور ان سب کو بے دردی کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ عامر نے صرف ایک شخص عمرو امیّہ نامی کو یہ کہکر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منّت مانی تھی۔ رسول خدا کو بہت رنج ہوا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اس قبیلہ کو دو آدمیوں کا خوں بہا بھیج دیا جو چپقلش کے دوران میں عمرو امیّہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

المیہ رجیع

متذکرہ صدر واقعہ کے کچھ دن بعد عضل اور قارۃ قبائل کے چند آدمی مدینے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہنے لگے کہ ہمارے قبیلے مسلمان ہو چکے ہیں لہذا آپ چند آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ ہمیں دین کے طریقوں کی تعلیم دیں۔ حضورؐ نے دس مبلّغ ان کے ساتھ کر دیئے۔

یہ لوگ ابھی رجیع کے مقام تک پہونچے تھے کہ قبیلہ بنو لحیان کے دو سو آدمی انہیں گرفتار کرنے کے لئے آ گئے۔ لانے والے تو کہیں غائب ہو گئے اور معلّم ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ قبائلی تیر اندازوں نے کہا کہ ہم تمہیں امان دیتے ہیں لیکن جماعت کے امیر عاصم بن ثابت نے ان پر اعتماد نہ کیا۔ ان میں سے دو مسلمان خبیبؓ اور زیدؓ نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ عاصم اپنے سات رفقا سمیت لڑ کر شہید ہو گئے۔ بنو لحیان نے خبیبؓ اور زیدؓ کو مکہ لے جا کر قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قریش نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ خبیبؓ نے شہید ہونے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے شہادت کے لئے حاضر ہو گئے ؎

وما ان ابالی حین اقتل مسلما
علی ای شق کان مصرعی
وذالك فی ذات الاله وان یشاء
یبارك علی اوصال شلو ممزع

(جب کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔ یہ جو کچھ ہے سب خدا کے لئے ہے وہ چاہے گا تو میرے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا)

زید کو قتل کیا گیا تو قریش کے رئیس تماشا دیکھنے کے لئے آئے۔ ابو سفیان نے کہا کہ " اگر تمہاری جگہ آج محمدؐ کو قتل کیا جاتا تو تم کیا اپنے

آپ کو خوش قسمت نہ سمجھتے" ۔ زید رضؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم! میری جان تو اس بات پر بھی قربان ہے کہ حضورؐ کے پاؤں میں کانٹا چبھے" ۔

بئر معونہ اور رجیع کے دردناک واقعات ظاہر کر رہے ہیں کہ عرب کے بدوی قبیلے مسلمانوں کو اتنا کمزور اور حقیر سمجھنے لگے تھے کہ ان کے ساتھ عہد کر کے توڑ ڈالنا ایک معمولی بات خیال کرتے تھے ۔

غزوۂ بنو نضیر

مدینے میں بنو نضیر یہودیوں کی شرارتیں ترقی کر رہی تھیں۔ وہ ایک طرف قریش سے اور دوسری جانب مدینہ کے منافقوں سے جن کا سرگردہ عبداللہ بن ابی تھا خفیہ ساز باز رکھتے تھے اور رسول خداؐ کا خاتمہ کر دینے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اکرمؐ ایک خونبہا کے سلسلے میں بات چیت کرنے کے لئے بنو نضیر کے محلے میں گئے۔ یہود نے آپؐ کو باتوں میں لگا کر ایک شخص عمرو بن حجاش کو چھت پر چڑھایا کہ وہ چھت پر سے رسول اکرمؐ پر پتھر پھینک دے۔ پیغمبر خداؐ بھانپ گئے۔ اور مدینہ کو لوٹ آئے۔ بنو نضیر نے رسول اکرمؐ سے کہا کہ آپ تیس آدمی لے کر ہمارے ہاں آ جائیں ہم بھی اپنے احبار (مذہبی عالم) لے کر آ جاتے ہیں۔ اگر ہمارے احبار نے آپ کا کلام سن کر آپ کے پیغمبر ہونے کی تصدیق کر دی تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ رسول اکرمؐ نے کہلا بھیجا کہ پہلے تم بھی اپنے بھائیوں بنو قریظہ کی طرح ہمارے ساتھ نیا معاہدہ کر لو۔ پھر تمہاری اس تجویز پر عمل کریں

گے۔ لیکن بنونضیر معاہدے پر رضامند نہ ہوئے۔ ایک دفعہ پھر انہوں نے دھوکے سے بلاکر رسول خدا کو قتل کرنے کی ٹھانی لیکن اس بار بھی حضورؐ کی فراست نے ان کے برے ارادوں کو زک دی۔ اس کے بعد بنونضیر کھلم کھلا سرکش ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی اندر ہی اندر شہ دے رہا تھا کہ تم مسلمانوں سے لڑو گے تو بنو قریظہ کے یہود بھی تمہاری مدد کریں گے اور میں بھی دو ہزار آدمی لے کر تمہاری کمک کے لئے آؤں گا۔ بنونضیر بڑے مستحکم قلعوں کے مالک تھے اس لئے وہ قلعہ بند ہوکر مسلمانوں سے لڑنے لگے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور ان کے نخلستانوں سے کھجوروں کے کچھ تنے کٹوا دیئے۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنونضیر اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ وہ مدینہ سے باہر نکل جائیں گے انہیں اپنا مال و سامان اونٹوں پر لاد کر لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ بنونضیر اس شان و شوکت سے مدینے سے نکلے کہ اہل مدینہ ان کی دولت و حشمت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہودی ہی تو تھے اس لئے پچاس زرہیں، پچاس خودیں۔ اور تین سو چالیس تلواریں پیچھے چھوڑ گئے۔ کیونکہ اگر وہ لوہے کو لاد کر لے جاتے تو اتنا ہی قیمتی سامان انہیں پیچھے چھوڑنا پڑتا تھا بنونضیر کا اخراج ربیع الاول سنہ ۴ ہجری میں واقع ہوا۔

غزوۂ ذات الرقاع

محرم سنہ ۵ ہجری میں اطلاع ملی کہ انمار اور ثعلبہ کے قبیلے مدینہ

پر چڑھائی کرنے کا قصد کر رہے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار سو صحابہؓ کی جمعیت لے کر ذات الرقاع تک گئے۔ حضورؐ کی آمد کی خبر سن کر قبائل کے افراد منتشر ہو گئے۔

غزوۂ دومۃ الجندل

ربیع الاول ۵ھ ہجری میں اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل میں کفار کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو رہا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے یہ خبر سن کر کفار کا اجتماع تتر بتر ہو گیا۔

غزوۂ بنی مصطلق

شعبان ۵ھ ہجری میں اطلاع ملی کہ قبیلۂ خزاعہ کے خاندان بنو مصطلق کا رئیس حارث ابن ابی ضرار مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہا ہے۔ رسول خداؐ نے مسلمانوں کا لشکر لے کر ان کے صدر مقام مریسیع پر چڑھائی کی حارث کی جمعیت بھاگ گئی لیکن مریسیع کے لوگوں نے مقابلہ کیا۔ مسلمان جلدی غالب آ گئے۔ بنو مصطلق کے دس آدمی ہلاک ہو گئے اور چھ سو گرفتار کر لئے گئے۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں غنیمت کے طور پر ہاتھ آئیں۔ جنگی اسیروں میں حارث بن ضرار رئیس قبیلہ کی دختر حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ جنہیں ان کے باپ نے

زرِ فدیہ دے کر رہا کرا لیا۔ لیکن وہ مسلمان ہو گئیں اور رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں عقدِ زوجیت میں لے لیا۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدی چھوڑ دیئے۔

غزوۂ احزاب

سنہ ۵ھ سنہ ۶۲۷ء

اعدائے اسلام کا اتحاد

سنہ ۴ ہجری میں اور سنہ ۵ ہجری کے آغاز میں مسلمانوں کو جن مہموں اور معرکوں سے دوچار ہونا پڑا ان کی یکسانی، یک رنگی اور کثرت کسی پڑھنے والے کے دل میں یہ شبہ پیدا کر سکتی ہے کہ مسلمانوں نے یہ مہمیں شاید قبائل عرب کو مرعوب کر کے اپنا مطیع بنانے کے لئے از خود اختیار کی ہوں۔ اور قبائل کی طرف سے مدینہ پر حملہ کرنے کا خطرہ محض ایک وہم ہو جس سے بلاوجہ متاثر ہو کر مسلمان چڑھ دوڑتے ہوں۔ لیکن ماہ ذیقعد سنہ ۵ ہجری میں جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے اس بات پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ جنگِ اُحد کے بعد قبائل کی طرف سے مدینے پر حملہ کرنے کی جو اطلاعیں وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو ملتی رہیں وہ سولہ[۱۶] آنے درست اور بجا تھیں۔

ذی قعد ۵ ہجری میں عرب کے اکثر و بیشتر قبائل نے جن کے ساتھ مکہ کے قریش اور خیبر و مدینہ کے یہودی بھی شامل تھے چوبیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینے پر اس عزم کے ساتھ یلغار کی کہ اس دفعہ اسلام کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر کے ہی دم لیں گے۔

احزاب عرب کے اس متحدہ حملہ کی تیاریوں کی داستان یہ ہے کہ یہود بنی نضیر مدینے سے نکل کر خیبر میں آباد ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کو تباہ کر دینے کے ارادے سے قریش اور عرب کے دوسرے قبیلوں سے اتحاد قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کو یہ وعدہ دے کر آئے تھے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کا کبھی ساتھ نہ دیں گے۔

یہود کے بڑے بڑے رئیس سلام بن ابی الحقیق، حی ابن اخطب، کنانہ بن الربیع اور دوسرے یہود مکہ گئے اور قریش کو اس متحدہ مہم کے لئے آمادہ کر آئے۔ قریش تو پہلے ہی اسلام کے استیصال کے لئے ہمہ تن تیار بیٹھے تھے۔ اس سکیم کو عمل کا جامہ پہنانے کے لئے تدبیر کے گھوڑے دوڑانے لگے جن جن قبیلوں میں قریش کو اثر و رسوخ حاصل تھا۔ انہیں پیغام بھیجکر اس عام یلغار میں شامل ہونے کے لئے تیار رہنے کی تاکید کر دی۔ یہودی رئیس مکہ سے نکل کر قبیلۂ غطفان کے پاس گئے اور ان سے یہ معاہدہ طے کیا کہ اگر وہ اس مہم میں اپنا لشکر لے کر شامل ہوں گے تو خیبر کے نخلستانوں کی نصف پیداوار ان کی نذر کر دیا کریں گے۔ غطفان کا حلیف قبیلۂ بنو اسد۔ قریش کا حلیف قبیلۂ بنو سلیم اور یہود کا حلیف قبیلۂ بنو سعد بھی اس اتحاد میں شامل

ہو گئے۔ان تمام قبائل نے چوبیس ہزار کا لشکر جرار تیار کر کے مدینے پر چڑھائی کر دی قریش کا رئیس اعظم ابو سفیان سپہ سالار مقرر ہوا اور دوسرے لشکر عرب کے دوسرے نامور رئیسوں کی کمان میں دے دیئے گئے۔

دفاع کے لئے خندق بنانا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبائل کی اس لشکر کشی کی اطلاعات ملیں تو آپ نے حسب معمول مجلس مشاورت بلائی تاکہ مدافعت کی تدبیریں سوچی جائیں۔ جنگ احد کی شکست کے پیش نظر عام رائے یہی تھی کہ اس لشکر جرار کا مقابلہ باہر نکل کر نہ کیا جائے۔ بلکہ مدینہ کو ایک حصار بنا کر اس کی مدافعت کی جائے۔ صحابہ کرام میں ایک شخص سلمان فارسی تھے جو ایرانیوں کے جنگی طریقوں سے آگاہ تھے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی جائے تاکہ حملہ آور شہر کے اندر داخل نہ ہو سکیں۔ یہ تجویز سب کو پسند آئی مدینہ کی تین اطراف باغوں نخلستانوں اور مکانوں سے گھری ہوئی تھیں صرف شامی یعنی شمالی طرف کھلی تھی۔ قرار پایا کہ خندق اسی طرف کھودی جائے۔ تین ہزار مسلمانوں کی مدد اس کام پر لگ گئی جن میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔ بیس دن میں یہ خندق کھد کر تیار ہو گئی جس کی گہرائی پانچ گز تھی۔ رسول خدا اور صحابہ پھاوڑے کدال اور ٹوکریاں لے کر کام کرتے تھے اور ساتھ رجز یہ اشعار گنگناتے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی حضور کی زبان مبارک پر یہ دعا بھی جاری رہتی تھی۔

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

(اے خدا آخرت کی بھلائی ہی حقیقی بھلائی ہے اس کے سوا اور کوئی بھلائی نہیں تو انصار اور مہاجرین کی محنتوں میں برکت ڈال)

احزاب کا اجتماع

خندق تیار ہو گئی تو کفار کا لشکر بھی آن پہنچا جس نے آتے ہی صورت حال کا جائزہ لے کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے خندق کے پیچھے سلع کی پہاڑی کو اپنے عقب میں رکھکر صفیں آراستہ کیں۔ عورتیں شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں۔ چونکہ مسلمانوں کو یہود بنی قریظہ کی طرف سے غداری کا اندیشہ تھا اس لئے سلمۃ بن اسلم دو سو آدمیوں کے ساتھ یہودیوں کے محلّے کی طرف صف آرا ہو گئے تاکہ یہود کی غداری کی صورت میں انہیں مسلمانوں کے عقب پر حملہ کرنے سے روک سکیں۔

بنی قریظہ کچھ دن تو خاموش رہے لیکن بنو نضیر کے رئیس حیّ ابن اخطب نے بنو قریظہ کے رئیس کعب بن اسد کے پاس جا کر انہیں بھی مسلمانوں کا مخالف بنا لیا۔ بنو قریظہ اس معاہدہ سے منحرف ہو گئے جو رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے ساتھ کر رکھا تھا۔ چونکہ شہر کے اندر تھے اس لئے کھلّم کھلّا مسلمانوں سے لڑنے کی جرأت نہ کی۔ لیکن وہ اس انتظار میں تھے کہ باہر کی فوجیں اُدھر سے شہر میں داخل ہوں اِدھر سے یہ مسلمانوں پر

ٹوٹ پڑیں۔ انہوں نے ایک یہودی کو اندرون شہر کے قلعوں کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجا جن میں مسلمانوں کی عورتیں محصور تھیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسے دیکھ لیا اور خیمہ کی چوب نکال کر اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ یہودی کا سر پھٹ گیا جاسوس واپس نہ آیا تو یہودیوں نے سمجھ لیا کہ ان قلعوں میں بھی مسلمانوں کے پہرہ دار موجود ہیں۔ اس لیے انہوں نے قلعوں پر حملہ نہ کیا۔

عبداللہ بن ابی کی امت کے کچھ منافق لوگ یہ بہانہ بنا کر میدان جنگ سے شہر کی طرف لوٹ آئے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔

قبائل عرب کی متحدہ فوجیں خندق کے پار ڈیرے ڈالے پڑی تھیں انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کس طرح کیے جائیں۔ وہ خندق کے قریب آکر مسلمانوں پر پتھر پھینکتے تھے اور تیر برساتے تھے مسلمان بھی پتھر کا جواب پتھر سے اور تیر کا جواب تیر سے دیتے تھے۔

محاصرہ طول کھینچتا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال کر کے کہ شاید انصار محاصرہ کی سختیوں سے تنگ آ گئے ہوں۔ ان کے رؤسا سے مشورہ کیا کہ اگر ہم بنی غطفان سے یہ کہہ دیں کہ مدینہ کے نخلستانوں کی نصف پیداوار انہیں دے دیا کریں گے تو احزاب میں پھوٹ پڑ سکتی ہے۔ انصار نے جواب دیا کہ ہم نے کفر کی حالت میں کسی کو خراج نہیں دیا تھا اب کس طرح اس ذلت کو قبول کر سکتے ہیں۔

احزاب نے تنگ آ کر ایک دن عام حملہ بول دیا۔ عرب کے مشہور بہادر ضرار، جبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر خندق پھاند

آ گئے۔ اور مبارزت کے خواہاں ہوئے۔ عمرو بن عبدِ ود عرب کا مشہور پہلوان تھا جو لڑائی میں کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ سب سے پہلے مبارزت کے لئے وہی للکارا۔ ادھر سے علیؓ مقابلے کے لئے نکلے۔ عمرو کا اعلان تھا کہ اگر یہ شخص مجھ سے تین چیزوں کی درخواست کرے تو ان میں سے ایک میں ضرور قبول کر لوں گا۔ علیؓ نے کہا۔ میری پہلی درخواست یہ ہے کہ تُو اسلام لا۔ عمرو بولا "یہ نہیں ہو سکتا"۔ علیؓ نے کہ "دوسری درخواست یہ ہے کہ لڑائی سے واپس چلا جا" عمرو نے کہا کہ "میں قریشی خواتین کے طعن نہیں سُن سکتا" علیؓ بولے "تو میری درخواست یہ ہے کہ مجھ سے لڑ" عمرو ہنسا کہ عرب میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو مجھ سے لڑنے کے لئے کہہ رہا ہے۔ علیؓ پیادہ تھے۔ اس لئے عمرو کی غیرت نے سوار رہ کر لڑنا گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اُترا اور اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ علیؓ نے کہا کہ پہلا وار تمہارا۔ عمرو نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا جو علیؓ نے سپر پر لیا۔ لیکن تلوار سپر کو توڑ کر پیشانی پر جا لگی۔ پھر علیؓ نے وار کیا۔ علیؓ کی تلوار عمرو کا شانہ کاٹتی ہوئی دل تک اُتر گئی۔ دوسرے مبارز بھی یکے بعد دیگرے ختم کر دیئے گئے۔ اب کفار کے چوبیس ہزار لشکر یں نے خندق کے پار کھڑے ہو کر مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھار شروع کر دی۔ دن بھر وہ اسی کام میں لگے رہے۔ مسلمان اپنی جگہوں پر جمے رہے کیونکہ تیروں اور پتھروں کی اس بارش میں اِدھر اُدھر سرکنا ناممکن تھا۔ اس روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہو گئیں یعنی وہ اپنے وقت پر پڑھی نہ جا سکیں۔ اس کے بعد ایسے حالات میں صلوٰۃ

الخوف ادا کرنے کا حکم نازل ہوا۔

احزاب کو مدینہ کا محاصرہ کئے قریباً تین ہفتے گزر گئے۔ انہیں اپنے لشکر جرار کو رسد دینے میں دقتوں کا سامنا ہونے لگا۔ یہودیوں اور عربوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں رونما ہو گئیں۔ روایت ہے کہ ایک غطفانی رئیس نعیم بن مسعود اشجعی نے جو دل سے مسلمان ہو چکے تھے ایک طرف عربوں کو سمجھایا کہ یہود کا آزکار بنے رہنے سے انہیں کچھ حاصل نہ ہوگا دوسری جانب یہودیوں سے کہا کہ قریش اور دوسرے عرب قبائل تو چلے جائیں گے اور تمہیں پھر تنہا مسلمانوں سے نبٹنا پڑے گا۔ ان وجوہ کے باعث احزاب کی جمعیت میں بے دلی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ ایسے حال میں قدرت کے عناصر مسلمانوں کی مدد کے لئے آ گئے۔ ایک روز اس شدت کا طوفان آیا اور اس زور کی آندھی چلی کہ احزاب کے خیموں کی طنابیں اکھڑنے لگیں۔ ان حالات میں احزاب کی ٹولیاں اپنے اپنے گھروں کی طرف واپس جانے لگیں۔ دوسرے روز میں میدان صاف تھا۔

اس جنگ میں قبیلۂ اوس کے سردار سعد بن معاذؓ تیر کھا کر زخمی ہوئے اور چند دن بعد راہئ ملک بقا ہو گئے۔

بنو قریظہ کو غداری کی سزا

مسلمان لشکری خندق کے مورچوں سے واپس لوٹے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولیں کیونکہ بنو قریظہ

کو ان کی غداری کی سزا دینا ابھی باقی ہے۔ مسلمان ان کے قلعوں کے قریب پہونچے تو وہ بھی لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بنو نضیر کا رئیس حیّ بن اخطب بھی جس نے انہیں غداری اور عہد شکنی پر آمادہ کیا تھا۔ ان کے پاس تھا۔ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ قبیلۂ اوس بنو قریظہ کا حلیف تھا اس لئے بنو قریظہ نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ سعد بن معاذ رض ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ سعد رض نے تورات کے حکم کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے لڑائی کے قابل مرد سب قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں اور بنو قریظہ کا مال اور سامان غنیمت سمجھا جائے۔ مقتولین کی تعداد چار سو سے لے کر چھ سو تک بیان کی جاتی ہے۔ یہ فیصلہ اگرچہ بظاہر بہت سخت نظر آ رہا ہے لیکن یہودیوں کی شرارتوں۔ عہد شکنیوں اور ایذا رسانیوں کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کے درست ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کا نتیجہ اس شکل میں برآمد ہو چکا تھا کہ وہ لوگ عہد شکنی کر کے احزاب عرب کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ بنو قریظہ اگر محاصرہ کے نازک اور پُرخطر ایام میں معاہدے کے پابند رہتے تو ان کے حلیف قبیلۂ اوس کے افراد ان کے ساتھ

حُسن سلوک سے پیش آتے۔ بنو قریظہ کے حلیفوں ہی کا فیصلہ یہ تھا کہ ان یہودیوں کو انہی کی شریعت کے مطابق سزا دی جائے۔

غزوۂ احزاب پر خدائے ذوالجلال والاکرام کا تبصرہ قرآنِ پاک کی سورۂ احزاب میں آیا ہے۔

صلحِ حدیبیہ یا فتحِ مبین

۶ھ مطابق ۶۲۸ء

عمرہ کے لئے روانگی

غزوۂ احزاب ۵ سنہ ہجری میں واقع ہوا تھا۔ ۶ سنہ ہجری میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں سمجھے کہ خدائے عزّوجلّ مسلمانوں کو خانۂ کعبہ کے طواف کی سعادت سے بہرور کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اُسی وقت عمرہ (چھوٹا حج) کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔

عرب اگرچہ بُت پرست ہو گئے تھے لیکن خانۂ کعبہ یعنی عبادت گاہ ابراہیمی کے طواف کی ابراہیمی سُنّت کو نہیں بھولے تھے۔ کعبہ کے حج کے لئے انہوں نے چار مہینے عزت و احترام والے مقرر کر رکھے تھے جن میں آپس کی لڑائیاں موقوف ہو جاتی تھیں اور اطراف و اکناف کے عرب حج

کی سعادتیں حاصل کرنے کے لئے مکّہ میں۔ جمع ہو جاتے تھے۔ ان خاص دنوں کے علاوہ باقی ایام میں بھی لوگ خانۂ کعبہ کے طواف کے لئے آتے تھے اس زیارت کو حج کے بجائے عمرہ کا نام دیا جاتا تھا۔

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب عمرہ کی نیت سے احرام باندھا تو مہاجرین اور انصار میں سے ایک ہزار چار سو اشخاص اس سعادت کے حصول کی خاطر ہم رکاب ہو گئے۔ رسول خدا نے حکم دیا کہ تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لیا جائے اور چونکہ ہم عبادت کے لئے جا رہے ہیں اس لئے تلوار بھی نیام سے باہر نہ نکالی جائے تاکہ قریش کو یہ شبہ نہ ہو کہ مسلمان حملہ کے لئے آرہے ہیں۔ مسلمانوں نے قربانی کے اونٹ بھی ساتھ لے لئے۔

رسولِ خداؐ نے قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص کو مکّہ بھیجا تاکہ وہ قریش کو مسلمانوں کے اس ارادے کی اطّلاع دے کر ان کا عندیہ معلوم کر لائے۔ قریش نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اپنے تمام خاندانوں کی ایک کانفرنس بلائی۔ اور معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ محمدؐ مکّے نہیں آسکتے۔ قریش کو اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کی جمعیت عمرہ کے بہانے مکّے میں داخل ہو کر کہیں مکہ پر قبضہ نہ جما لے اس لئے انہوں نے قبیلۂ خزاعہ کے ایلچی کو یہ جواب دینے کے ساتھ ہی اپنے اتحادی قبائل کی طرف قاصد دوڑا دیئے اور خود مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے لشکر جمع کرنے لگے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ

بن ابوجہل کی سرگردگی میں دو سو سوار دیکھ بھال کے لئے مدینے کے راستے پر دوڑا دیئے۔ خالد کو جحفہ اور رابغ کے درمیان غمیم کے مقام پر پتہ چلا کہ مسلمانوں کا قافلہ دوسرے راستے سے مکہ کی طرف نکل گیا ہے۔ وہ بھاگم بھاگ مکے آئے اور قریش کو اس امر کی اطلاع کر دی۔ جن کا لشکر مکہ کے قریب بلدح کے مقام پر ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ اور باہر کے قبیلے جوق در جوق آ کر اس میں شامل ہو رہے تھے ۔

مسلمانوں نے ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر قربانی کے اونٹوں کے گلوں میں نعل لگا دیئے جو اس امر کی علامت تھی کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ اور یہ قافلہ کوچ کرتا ہوا حدیبیہ کے مقام تک پہنچ گیا جو مکہ سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے ۔

قریش اور مسلمانوں کا نامہ و پیام

قبیلۂ خزاعہ کے رئیس بدیل بن ورقاء نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ قریش آپ کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے وہ آپ کی راہ روکنے کے لئے لشکر لا رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں جا کر کہہ دو کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ قریش کو چاہیئے کہ میرے ساتھ صلح کر لیں۔ اور مجھے عرب پر چھوڑ دیں یعنی عرب میرے ساتھ جو سلوک چاہے کرے۔ اگر وہ اس بات پر راضی نہیں تو ان سے کہہ دو کہ اس خدائے واحد کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان کے

ساتھ اتنا لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ منظور ہو کر دے" بدیل نے مکے جا کر قریش کو یہ پیغام دے دیا۔ مکے کے ایک معمر شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش کو سمجھایا کہ محمدؐ معقول شرطیں پیش کر رہے ہیں اس لیے ان کے ساتھ صلح کی بات چیت سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ عروہ ثقفی قریش کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس کا انداز گفتگو مسلمانوں کو پسند نہ آیا کیونکہ وہ رسول خداؐ سے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتا تھا۔ اور بار بار داڑھی کو ہاتھ لگاتا تھا۔ اس لئے وہ واپس چلا گیا۔ اس نے جا کر قریش سے کہا کہ محمدؐ کے پیرو محمدؐ کے ساتھ جس طرح کی عقیدت کا جذبہ رکھتے ہیں وہ بات میں نے قیصر و کسریٰ کے درباروں میں نہیں دیکھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امیہ کو قریش کے پاس بات چیت کرنے کے لئے بھیجا لیکن قریش نے ان کی سواری کا اونٹ مار ڈالا وہ کسی نہ کسی طرح جان بچا کر لوٹ آئے۔ قریش نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک دستہ بھیجا جسے مسلمانوں نے گرفتار کر لیا لیکن رسول خداؐ کے حکم سے سب رہا کر دیئے گئے اس کے بعد آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو صلح کی گفتگو کے لئے قریش کے پاس بھیجا وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی امان میں مکے گئے قریش نے انہیں نظر بند کر لیا لیکن مسلمانوں کے قافلے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار نے انہیں شہید کر دیا ہے۔

بیعتِ رضوان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ افواہ سنی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم پر عثمانؓ کا قصاص لینا واجب ہوگیا ہے۔ آپؐ ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے اور مسلمانوں سے جانیں لڑا دینے پر بیعت لینے لگے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں نے جوشِ فداکاری کے ساتھ بیعت کی۔ یہ بیعت بیعتِ رضوان کہلاتی ہے کیونکہ اس کے سبب سے خدائے عزّوجل نے قرآن پاک میں مسلمانوں پر اظہارِ خوشنودی فرمایا۔

صُلح نامہ

قریش نے اپنی طرف سے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا جس نے کہا کہ صلح اسی شرط پر ہو سکتی ہے کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال آئیں تو ہتھیار باندھ کر نہ آئیں۔ گفت و شنید کے بعد رسول خداؐ نے سہیل سے شرطیں طے کیں۔ حضرت علیؓ معاہدہ لکھنے کے لئے بیٹھے انہوں نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا سہیل نے اعتراض کیا کہ یہ طریق مسلمانوں سے مخصوص ہے اس لئے پرانے طریق کے مطابق صرف "باسمک اللّٰھم" لکھا جائے۔

حضرت علیؓ اس کے بعد لکھا "ھٰذا ما قاضیٰ علیہ محمدؐ رسول اللہ" (یہ وہ معاہدہ ہے جو اللہ کے رسول محمدؐ نے تسلیم کیا)

سہیل نے کہا کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو جھگڑا کس بات کا باقی رہ جاتا ہے اِس لئے "محمّد رسول اللہ" کے بجائے "محمّد بن عبداللہ" لکھا جائے۔

آپ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ لفظ رسول اللہؐ کو مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دیا جائے اس کے ساتھ ہی آپ نے سہیل سے کہا کہ "تم نہیں مانتے لیکن خداؑ کی قسم میں خدا کا رسول ہوں"۔

حضرت علیؓ اس ارشاد کی تعمیل کی جسارت نہ کر سکے۔ اور کہا میں آپؐ کے اسم مبارک کو مٹانے کی گستاخی نہیں کر سکتا۔ رسولِ خداؐ نے پوچھا کہ میرا نام کہاں ہے۔ بتایا گیا تو آپؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور اس کی جگہ "محمّد بن عبداللہ" لکھ دیا[۱]۔

اس کے بعد صلح کی شرطیں لکھی گئیں جو یہ تھیں:۔

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں۔

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں جو نیام میں ہو اور نیام کے اُوپر جلبان یعنی غلاف چڑھا ہو۔

---

[۱] حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نبی اُمّی ہونے کا شرف حاصل تھا یعنی آپ ایسے نبی تھے جنہوں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا۔ روایت میں "لکھ دیا" کے لفظ ہیں۔ ممکن ہے کہ آپؐ اپنا نام لکھ لیتے ہوں۔ (مؤلف)

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکہ رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔

(۵) مکہ کا کوئی آدمی مسلمان یا بت پرست مدینے چلا جائے تو اُسے واپس کر دیں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینے سے مکے میں آئیگا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلف (دوستی) کا معاہدہ استوار کرلیں۔

مسلمانوں کی مایوسی

صلح کی یہ شرطیں سرسری نگاہ میں ایسی نظر آتی ہیں جن سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ساتھ دب کر صلح کر لی۔ لیکن انہی شرطوں کو تدبر کی عینک لگا کر ذرا دقت نظر کے ساتھ دیکھا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ کفار سے ان شرطوں کا حاصل کر لینا مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس معاہدہ کی رُو سے قریش نے انیس سال کی کشمکش کے بعد پہلی دفعہ عرب کی مدنی اور سیاسی زندگی میں مسلمانوں کی حیثیت تسلیم کر لی۔ اور ان کا ایک الگ مستقل اور قابلِ التفات طاقت ہونا مان لیا۔ یہی ایک نقطہ مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی کا حامل تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے کفار قریش سے جو خانہ کعبہ پر قابض

سے خانہ کعبہ کا حج اور زیارت کرنے کا مذہبی حق حاصل کر لیا۔ یہ کامیابی کا دوسرا بڑا نکتہ تھا۔ غرض یہ کہ مسلمانوں نے قریش سے قبائل عرب میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور ان کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا حق منوا لیا۔

صرف شرط نمبر ۴ وہ ایسی تھی جو بادی النظر میں مسلمانوں پر قریش کے تفوق کو ظاہر کر رہی تھیں اور جن کے ذلت آمیز ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بعد میں پیش آنے والے واقعات نے ان شرطوں کو بھی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت کر دیا۔ مسلمان اگر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو انہیں ان شرطوں کی معقولیت میں کسی قسم کا کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ شرطیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حالات میں طے کیں جب ان کے متبعین کی نفسیاتی کیفیت کچھ اور تھی۔ وہ یہ تمنائیں لے کر آئے تھے کہ سالوں کے بعد اپنے مادر وطن کو دیکھ سکیں گے۔ خانہ کعبہ کا طواف کریں گے۔ اور ان گلی کوچوں میں چلیں پھریں گے جن میں کھیل کود کر وہ جوان ہوئے۔ جب انہیں یہ پتہ چلا کہ ان کی یہ تمنا بر نہیں آئے گی تو ان پر مایوسی اور پژمردگی کی حالت کا طاری ہونا ایک لازمی امر تھا۔ ایک اور بات جس نے مسلمانوں کے طبائع پر بیحد اثر کیا یہ تھی کہ وہ معاہدہ سے ہونے سے چند گھنٹے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کر چکے تھے اور ان کی نفسیاتی کیفیت جنگ و جدال کے لئے آمادہ ہو چکی تھی۔ جب انہیں بلا شمشیر جہاد کا حکم دیا گیا تو ردعمل نے ان کی طبیعتوں کو بیحد افسردہ کر دیا۔ تیسری بات یہ تھی کہ معاہدہ کی

چوتھی اور پانچویں شرط بہت ذلت آمیز تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک اتفاقی واقعہ ایسا رونما ہوا جس نے مسلمانوں کو بہت اشتعال دلایا۔ واقعہ یہ تھا کہ قریش کے سفیر سہیل کا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور جسے قریش نے اس جرم کی پاداش میں قید کر رکھا تھا کسی طرح بھاگ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ معاہدہ ابھی لکھا جا رہا تھا کہ سہیل نے کہا کہ معاہدہ کی شرط کے مطابق آپ ابو جندل کو میرے حوالے کر دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ معاہدہ ابھی لکھا نہیں گیا۔ سہیل نے کہا اگر آپ ابو جندل کو میرے حوالے نہیں کرتے تو مجھے معاہدہ منظور نہیں۔ رسول خداؐ وعدہ کر چکے تھے۔ اس لئے مان گئے۔ ابو جندل نے دہائی دی اور اپنے جسم پر کفار کی زدوکوب کے نشان دکھا کر کہا کہ "مسلمانو مجھے پھر کافروں کے حوالے نہ کرو۔" مسلمانوں کے لئے اس کیفیت کا برداشت کرنا بہت مشکل امر تھا لیکن سب کے سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ادب سے دم بخود تھے۔ حضرت عمرؓ کو ضبط کی تاب نہ رہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "کیا آپؐ خدا کے پیغمبر نہیں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میں رسول خدا ہوں۔" عمرؓ نے کہا "کیا ہم حق پر نہیں" حضورؐ نے فرمایا کہ "ہم حق پر ہیں۔" عمرؓ بولے "جب یہ دونوں باتیں صحیح ہیں تو ہم دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں برداشت کریں۔" حضورؐ نے جواب دیا۔ "میں خدا کا رسول ہوں۔ نقض عہد کر کے اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کریگا۔"

عمرؓ حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان کا دماغ چکرا رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا

"کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبے کا طواف کریں گے" حضورؐ نے جواب دیا" لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے"۔

عمرؓ جن کی عقل و فکر میں کوئی بات نہیں آتی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی سوال کئے۔ صدیق اکبرؓ نے انہیں سمجھایا کہ "خدا کا رسولؐ جو کچھ کرتا ہے۔ اس کے حکم سے کرتا ہے لہٰذا کسی کو ان کے کئے پر دم نہیں مارنا چاہیئے"۔

ابوجندل کو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ کہکر تسکین دی کہ "معاہدہ ہوچکا ہے اس لئے قریش کے ساتھ ہم بدعہدی نہیں کرسکتے۔ صبر و تحمّل سے کام لو اللہ تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے خود کوئی سبیل پیدا کر دے گا"۔

صحابۂ کرامؓ حیرت کے پیکر بنے ہوئے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ ان کی تلواریں نیاموں کے اندر تڑپ رہی تھیں دل سینوں کے اندر جہاد کے ولولے سے اچھل رہے تھے لیکن نبی کے فیصلے کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

قریش کے سفیر ابوجندل کو کشاں کشاں لے کر چلے گئے تو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور یہیں ذبح کر دیں صحابۂ کرام بہت شکستہ خاطر ہو رہے تھے اس لئے سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ رسولِ خداؐ نے تین بار یہ حکم دیا لیکن صحابہ آئینۂ حیرت بنے رہے۔ یہ حال دیکھ کر آپ حرم میں چلے گئے اور امّ المومنین حضرت امّ سلمہؓ سے صورت

حال بیان کی حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ آپ کسی سے کچھ نہ کہیں خود قربانی کریں اور احرام کھولنے کے لئے سر کے بال منڈوا دیں۔ آپ کے جاں نثار آپؐ کو دیکھ کر آپ سے آپ تقلید کریں گے۔ رسول خداؐ نے یہی کیا۔ انہیں جس کو مناسک ادا کرتے دیکھ کر مسلمان بھی اٹھے اور قربانیاں گزارنے لگے۔

رسول خداؐ اور صحابہ کرام نے صلح طے ہو جانے کے بعد تین دن حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں قرآن پاک کی سورۃ "الفتح" نازل ہوئی جس میں عمرہ کے بعد بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ پر خدائے عز وجل نے تبصرہ کرتے ہوئے اسے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (ہم نے تجھے کھلی اور واضح فتح عطا کی) قرار دیا۔ حضرت عمرؓ نے جن کا دماغ ابھی تک صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا رسول اکرمؐ سے پھر پوچھا کہ "کیا یہ فتح مبین ہے؟" حضورؐ نے جواب دیا کہ ہاں یہ فتح مبین ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ کو تسکین ہوئی۔ حضرت عمرؓ اپنی جلد بازی پر جو ان سے صلح حدیبیہ کے موقع پر سرزد ہوئی عمر بھر نادم رہتے ہوئے بارگاہِ الٰہی سے مغفرت مانگتے رہتے۔ انہوں نے اس خطا کے کفارہ کے طور پر نفل پڑھے، روزے رکھے، خیرات کی اور غلام خرید خرید کر آزاد کئے۔

معاہدۂ صلح کے نتائج

مسلمانوں کی طرف سے معاہدہ کی شرائط پر عمل تو اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا جب کہ ابھی اس نوشتے کی سیاہی بھی سوکھنے نہ پائی تھی۔ اس کے بعد بھی مسلمان معاہدے کے مطابق ہر اس شخص کو خواہ وہ مسلمان تھا یا کافر جو مکہ سے مدینے آیا تھا واپس بھیج دیتے تھے۔ عورتوں کے متعلق چونکہ اس معاہدہ میں کوئی شرط طے نہیں ہوئی تھی اس لیے جو مسلمان عورتیں مکے سے نکل کر مدینے آتی تھیں۔ انہیں صحابہ کرامؓ واپس نہیں کرتے تھے کیونکہ اس بارہ میں قرآن پاک میں صریح حکم نازل ہو چکا تھا کہ مسلمان عورتوں کو مشرکوں کے پاس واپس نہ بھیجو کیونکہ وہ ان کے لیے حلال نہیں ہیں۔

صلح ہو جانے کے باعث مشرکوں اور مسلمانوں میں اختلاط ترقی کرنے لگا اور تبادلۂ خیالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرک دینِ اسلام کی خوبیوں سے آگاہ ہو کر مسلمان ہونے لگے۔ چونکہ مکے کے مسلمان مدینے نہیں جا سکتے تھے اور معاہدے کے رو سے شرک کا مرکز میں رہنے پر مجبور تھے اس لیے وہی اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنتے چلے گئے۔ خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص نے اسی صلح کے دوران میں دینِ اسلام قبول کیا۔ عتبہؓ بن اسید نامی ایک مسلمان قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مکے سے مدینے چلے گئے۔ قریش نے انہیں واپس لانے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ رسولِ خدا صلعم

نے عتبہ کو جن کی کنیت ابوبصیر تھی ان کے حوالے کر دیا جو انہیں سے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں عتبہ نے ان میں سے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ دوسرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرنے کے لئے لوٹا۔ اس کے پیچھے پیچھے عتبہ بھی آن پہنچے۔ اور کہنے لگے کہ آپ نے معاہدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا تھا اس لئے آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ میں مدینے میں نہیں رہوں گا۔ یہ کہکر وہ عیص کو چلے گئے جو مکہ سے شام کو جانے والی تجارتی شاہراہ پر ذومرہ کے قریب ساحل بحر پر واقع ہے جب مکہ کے دبے ہوئے مسلمانوں کو ابوبصیر عتبہ بن اسید کے اس کارنامے کی اطلاع ملی تو وہ بھی مکہ سے نکل نکل کر عیص میں آباد ہونے لگے۔ اور چند ہی روز میں مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت وہاں اکٹھی ہو گئی۔ انہوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کو روک کر محصول یا مال غنیمت لینا شروع کر دیا قریش مکہ ان کی سرگرمیوں سے اتنا تنگ آئے کہ انہوں نے خود ہی معاہدے کی ان دو شرطوں (نمبر ۳ و ۴) کو منسوخ کرنے کی التجا کی جو تسلیم کرتے وقت مسلمانوں کے لئے ذلت آمیز نظر آرہی تھیں۔

عتبہ بن اسید - بدیل - عروہ ثقفی - سہیل بن عمرو
بعد خدیل - مکرز (بعض) قریش میں لگ گئے

شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام

سلاطین کے نام خطوط

رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو صُلح حدیبیہ کے باعث عرب کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا۔ تو آپ نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت کو اطراف و اکنافِ عالم تک پہنچانے کے لئے ایک اہم کام کیا۔ وہ کام یہ تھا کہ آپؐ نے وقت کے بادشاہوں کے نام خطوط بھجوائے جن میں انہیں دینِ اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ حدیبیہ کا صُلحنامہ ذو قعدہ ۶ھ ہجری میں طے ہوا تھا۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سفیر یہ چٹھیاں لے کر اسی سال ذوالحجہ کے مہینے میں اپنی اپنی منازلِ مقصود کو روانہ ہو گئے عیسوی سال ۶۲۸ء تھا۔

دربارِ رسالت سے جن جن بادشاہوں اور شہنشاہوں کو چٹھیاں بھیجی گئیں وہ حسبِ ذیل تھے۔

(۱) ہرقل قیصرِ رُوم جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ میں تھا۔

(۲) خسرو پرویز کجکلاہ ایران جس کا پایۂ تخت مدائن میں تھا ۔

(۳) مقوقس عزیز مصر (قیصر روم کے زیر حمایت تھا)

(۴) نجاشی حبش (آزاد و خود مختار تھا) ۔

(۵) ہوذہ بن علی شاہ یمامہ (عرب) ۔

(۶) حارث غسانی بادشاہ حد و دشام جس کا پایۂ تخت بصریٰ میں تھا ۔ یہ بادشاہ قیصر روم کے زیر اثر تھا ۔

مسلمانوں کی روایات اور تواریخ میں صرف متذکرہ صدر تاجداروں کا ذکر آیا ہے کہ ان کو دربار رسالت سے چٹھیاں بھیجی گئی تھیں ۔ لیکن چین کے تاریخی ریکارڈ کی چھان بین سے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ کا سفیر عرب تاجروں کی معیت میں چین وماچین (تاتار) کے خاقان اعظم تائی تسونگ کے دربار میں بھی دعوتِ اسلام کا پیغام لے کر پہنچا تھا ۔ یہ سفیر اسلام کی دعوت لے کر ۶۳۰ء میں ان چٹھیوں کے اجرا سے دو سال بعد کینٹن پہنچا ۔ یہ بات محقق نہیں کہ آیا دربارِ رسالت کے ایلچی ہندوستان کے بادشاہوں کے پاس بھی اسلام کی دعوت کا پیغام لے کر پہنچے تھے یا نہیں ۔ اس کا ذکر نہ مسلمانوں کے ریکارڈ میں پایا جاتا ہے نہ ہندوستان کی روایت سے اس کا ثبوت مل سکا ہے ۔ ہندوستان میں چٹھیوں کے اجرا کے وقت ایک مہاراجہ ہرش چندر نامی حکمران تھا جس کی سلطنت سارے شمالی ہند میں پھیلی ہوئی تھی ۔ دکن میں چالوکیہ خاندان کے راجگان کی سلطنت قائم تھی اور جنوبی ہند میں پانڈیا کے راجے حکومت کر رہے تھے ۔ ہرش چندر

کی موت کے بعد جو سنہ ۶۳۲ء میں واقع ہوئی ہندوستان جلد ہی بدامنی اور طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا۔

دُنیا کی حالت

جس وقت دربار رسالت کے ایلچی مختلف ملکوں کے تاجداروں کے نام اسلام کی دعوت کا پیغام لے کر روانہ ہوئے اقوام عالم کے مذہبی معتقدات کی کیفیت یہ تھی۔ بحیرہ روم کے ساحلی ملک فلسطین۔ شام۔ ایشیائے کوچک۔ تھریس۔ یونان۔ بلقان۔ جنوبی روس کے اقطاع۔ مصر۔ طرابلس اور الجزائر روم کے بازنطینی خاندان کے قیصر کے زیرنگیں تھے یہ خاندان قسطنطین اعظم کے وقت سے مسیحی دین قبول کر چکا تھا اس لئے ان ملکوں کی آبادیاں عام طور پر عیسائی مذہب قبول کر چکی تھیں حبش کے حکمران بھی عیسائی تھے اس لئے وہاں بھی عیسائیت کو فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ اٹلی۔ فرانس۔ ہسپانیہ اور مراقش کے ملک پاپائے روما کے زیر اثر تھے اس لئے ان ملکوں میں بھی عیسائیت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ عیسائی مبلغوں کی سرگرمیوں نے ایران۔ ترکستان اور تاتار میں بھی اس مذہب کے پیروؤں کی اچھی خاصی جمعیتیں پیدا کر لی تھیں۔ ایران کے حکمران زرتشتی دین کے پیرو تھے۔ اور آتش پرست کہلاتے تھے۔ عیسائیت کے عقائد تثلیث پر مبنی تھے یعنی وہ خدا کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اسے خدا کی قدرت وجلال کا شریک گردانتی تھی اور روح القدس کو بھی خدا کی

قدرتوں میں برابر کا شریک ٹھہراتی تھی۔ عیسائیت کے بعض فرقے حضرت مسیحؑ کو خدا کا اوتار بھی سمجھتے تھے۔ اور عقیدہ رکھتے تھے کہ مسیحؑ کی رُوح خاص خاص مواقع پر پاپائے اعظم کے جسم میں حلول کر آتی ہے۔ عیسائیوں کے گرجاؤں میں مسیحؑ۔ مریمؑ۔ فرشتوں۔ اور مذہبی بزرگوں کے مجسمے اور تصویریں بھی رکھی جاتی تھیں۔ زرتشتی دین کے پیرو جو ایران کی سرزمین میں کثرت سے آباد تھے یزدان کو نیکی کا خدا اور اہرمن کو بدی کا خدا تسلیم کرتے تھے اور آگ کو یزدان کا مظہر سمجھ کر اس کی پرستش کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے علاوہ ایران میں کچھ نسطوری فرقہ کے عیسائی بھی آباد تھے جو خدا کی وحدانیت کے قائل تھے۔ اور کچھ مانی کے پیرو بھی تھے جو خدا کے ایک ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ مانی کے پیرو ایران کی حکومت کے معتوب تھے اس لئے کھلم کھلا اپنے دین کی تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔

ہندوستان میں بدھ مت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور عام آبادیاں بُت پرست۔ مظاہر پرست اور دیوتاؤں کو ماننے والی تھیں۔ برہمنی مت کو بہت فروغ حاصل تھا۔ چین میں بدھ اور کنفیوشس کے پیرو آباد تھے۔ دنیا کے دوسرے اقطاع میں رُوحوں۔ دیوتاؤں۔ نیچر کی مخفی طاقتوں۔ جانوروں۔ پتھروں اور درختوں وغیرہ کو پوجنے والی قومیں بستی تھیں۔ ان کے علاوہ یہودی۔ ستارہ پرست اور آفتاب پرست لوگ بھی مختلف جگہوں میں آباد تھے۔

اس وقت دنیا کے سیاسی کوائف یہ تھے کہ مغربی یورپ کے مُلک اٹلی۔ جرمنی۔ فرانس اور ہسپانیہ میں روما کا پاپائے اعظم مطلقانہ رُوحانی اقتدار

کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ ان ملکوں میں جاگیرداریاں قائم تھیں اور سب جاگیردار دینی اور دنیوی حیثیت سے پاپائے اعظم کے تابع فرمان تھے۔ بحیرہ روم کے دوسرے ساحلی ملک قسطنطنیہ کے بازنطینی خاندان کے زیر نگیں تھے۔ جو رومی سلطنت کہلاتی تھی۔ اس سلطنت میں بھی خراج دینے والی بادشاہیاں اور جاگیرداریاں قائم تھیں۔ یہی حال تیسری بڑی سلطنت یعنی ایران کا تھا جس کا مطلق العنان فرمانروا کسریٰ کہلاتا تھا۔ چین اور تاتار میں چین کے خاقان اعظم کا سکہ چل رہا تھا۔ ہندوستان طوائف الملوکی کا شکار تھا۔ ہر جگہ جاگیرداری کا انتظام ترقی پذیر تھا۔ عام لوگ اس شاہنشاہی اور جاگیرداری نظام کے جوتے تلے دبے ہوئے تھے اور حکمرانوں کے ظلم و ستم کی مصیبتیں جھیل رہے تھے۔

کچھ اس قسم کے حالات میں دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہوں، تاجداروں اور بادشاہوں کو دین اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے پہنچے جو خدا کے پیغمبر حضرت محمدؐ نے مدینہ سے بھجوائے تھے۔

سلاطین پر دعوتِ اسلام کا ردِ عمل

دربار رسالت کے ایلچی قیصر روم ہرقل کے نام کا خط لے کر شام کے عربی النسل عیسائی بادشاہ حارث غسانی کے پاس لائے جو قیصر کا باجگزار اور حلیف تھا۔ ایک خط خود حارث کے نام کا بھی تھا۔ حارث نے اپنا خط تو رکھ لیا اور قیصر ہرقل کے نام کا خط اپنے ہرکارے کے ہاتھ قسطنطنیہ بھجوا دیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ ورسولہٖ الی ھرقل عظیم الروم۔ سلامٌ علی من اتبع الھدیٰ۔ امّا بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام۔ اسلم تسلم۔ یوتک اللہ اجرک مرتین۔ فان تولیت فعلیک اثم الاریسین۔

یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

بنام خدائے رحمان ورحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے روم کے ہرقلِ عظیم کی طرف۔ اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اس کے بعد میں تجھے اسلام کی پکار کی طرف بلاتا ہوں۔ مان لے۔ سلامتی پائے گا۔ خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے منہ پھیر لیا تو تیری رعایا کے گمراہ رہنے کا گناہ بھی تیری گردن پر رہیگا۔

اے اہلِ کتاب! ایک کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ اس کے ساتھ کسی شئے کو شریک بنائیں گے اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا معبود بنائے گا۔ اگر تم نہیں مانتے تو اس بات کے گواہ رہنا کہ ہم مان چکے ہیں۔

نوٹ ۔ عربی میں اعراب والی اور اردو ترجمہ میں خط کشیدہ عبارت قرآنِ مجید

کی ہے جو قیصر کے نامے بعینہٖ درج کر دی گئی۔

قیصر ہرقل کو دربارِ رسالت کا خط پہنچا تو اس نے پہلے مکہ کے قریش تاجروں کو جو اس کی سلطنت کے شہروں میں تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے بلوا منگوایا۔ ان تاجروں میں اسلام اور رسول خدا کا بدترین دشمن ابوسفیان بھی تھا۔ ہرقل نے ان لوگوں سے پیغمبر اسلامؐ کے خاندانی اور ذاتی حالات دریافت کئے اور بعد ازاں حکم دیا کہ نامۂ رسالتؐ دربار میں پڑھا جائے۔ خط کا مضمون سن کر ہرقل نے صرف اتنا کہا کہ مجھے یہ خیال ضرور تھا کہ ایک جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ سرزمین عرب میں ظاہر ہوگا۔ اگر خدا کا سچا رسول ہے تو میرے پایۂ تخت پر اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ یہ کہا اور اس نے عرب تاجروں کو دربار سے رخصت کر دیا۔ اس کے بعد قیصر ہرقل نے خط کا جواب دینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ اس موقع پر یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ پیغمبر اسلامؐ مجوسیوں، آتش پرستوں اور مشرکوں کے مقابلے میں عیسائیوں کو اچھا سمجھتے تھے۔ اور انہیں خدا پرستی کے لحاظ سے دوسروں سے ممتاز اور مسلمانوں سے نزدیک خیال کرتے تھے۔ رسول خداؐ کی زندگی میں قیصر ہرقل اور کسرائے ایران کے درمیان متعدد جنگیں ہوئیں پہلی جنگ میں ہرقل نے شکست کھائی۔ مسلمان ان دنوں مکہ میں تھے۔ یہ خبر سن کر بہت مغموم اور دلگیر ہوئے۔ مشرکین مکہ نے کسریٰ کی فتح پر خوشی کے شادیانے بجائے اس موقع پر خدا کی طرف سے سورۂ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی گئی تھی کہ رومی چند سال

کے بعد ایرانیوں پر غالب آئیں گے چنانچہ آٹھ نو سال کے بعد ہرقل نے ایران کے شہنشاہ پر جنگ میں فتح حاصل کی اور وہ علاقے واپس لے لئے جو پہلی لڑائی میں اس کے ہاتھ سے چھن گئے تھے۔

ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے نام جو مکتوب بھیجا گیا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدی و امن باللہ و رسولہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ و انی رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا واسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس۔

(بنام خدائے رحمن و رحیم۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے فارس کے کسرائے عظیم کی طرف۔ اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں تمام لوگوں کی طرف اس کا رسول ہوں تاکہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلاؤں۔ مان لے نجات پائے گا اگر تو نے انکار کیا تو مجوسیوں کے گناہ کا بار تیری گردن پر ہوگا)

پیغمبر اسلام کا ایلچی یہ خط لے کر خسرو پرویز کے دربار میں پہنچا۔ خسرو نے اسے پڑھا تو سخت برہم ہوا جوشِ غضب میں آکر اس نے پیغمبر اسلامؐ کا خط چاک چاک کر دیا۔ اور بولا کہ میرے غلام کو یہ جرأت کہ مجھے اس مضمون کا خط لکھے اور اپنا نام میرے نام کے اوپر لکھوائے اور خسرو پرویز

کے یوں غضب ناک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کی بین الاقوامی سیاست کے رو سے عرب کی سرزمین شہنشاہ ایران کے حلقۂ اقتدار میں شمار ہوتی تھی اور دربار ایران کا ایک گورنر یمن میں رہا کرتا تھا خسرو پرویز نے اسی غضبناکی کے عالم میں یمن و عرب کے ایرانی گورنر کے نام حکمنامہ جاری کیا کہ اس گستاخ شخص کو پکڑ کر دربار میں بھیجو۔ حاکم یمن باذان نے دو شخص اس مقصد کے لئے مدینہ بھیجے جن میں سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خرخسرو تھا یہ دونوں شخص پیغمبر اسلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ عرب و عجم کے شہنشاہ خسرو پرویز نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے دربار میں حاضر کیا جائے اگر اس حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو وہ تمہیں اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔ پیغمبر اسلام نے جواب دیا کہ واپس جا کر اپنے حاکم سے کہہ دو کہ وہ وقت دور نہیں جب اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہونچ جائے گی۔ حاکم یمن کے ایلچی یہ جواب لے کر واپس چلے گئے اور وہاں پہنچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ اور تخت ایران حاصل کرنے کے لئے اس کے وارثوں کے درمیان سخت جھگڑے رونما ہو گئے ہیں۔

اس سے قبل دربار رسالت کے ایلچی نے جب واپس آ کر یہ رپورٹ دی تھی کہ خسرو نے برہمی مزاج کے عالم میں رسول خدا کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا تو آپ نے یہ کہا تھا کہ خسرو کی سلطنت بھی اسی طرح پارہ پارہ ہو کر رہے گی جس طرح اس نے خدا کے رسول کے خط کو پارہ پارہ کیا ہے۔

حبش کے بادشاہ نجاشی کو دین اسلام قبول کرنے کا دعوت نامہ

پہنچا تو اس نے جواب میں لکھ بھیجا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے بھیجے پیغمبر ہیں۔ نجاشی پہلے سے پیغمبر اسلامؐ کے حالات سے واقف تھا کیونکہ کچھ مسلمان بعثت نبوی کے چوتھے سال میں مکے سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ نجاشی نے دعوت نامہ وصول کرنے کے بعد حضرت جعفر طیارؓ کو جو ابھی تک وہیں مقیم تھے بلایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

مصر کے بادشاہ مقوقس نے خط پڑھنے کے بعد جواب میں لکھا کہ "میں ایک پیغمبر کے ظاہر ہونے کا منتظر تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں ظاہر ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی" اس جواب کے ہمراہ مقوقس نے پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں کچھ تحایف بھی بھیجے جن میں دو نوجوان لڑکیاں ایک خچر اور کچھ قیمتی کپڑے بھی تھے۔ عزیز مصر نے اس کے باوجود اسلام قبول نہیں کیا۔ تحایف جو عزیز مصر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے تھے وہ آپؐ نے قبول کر لیے دو لڑکیوں میں سے ایک ماریہ قبطیہ نامی کو پیغمبر اسلامؐ نے اپنے عقد زوجیت میں لے لیا اور دوسری حضرت حسان بن ثابتؓ کو دے دی گئی جو دربار رسالت کے خاص شاعر تھے۔

ملوک عرب میں سے جن جن بادشاہوں کے نام دعوت نامے بھیجے گئے انہوں نے مختلف جواب دیئے۔ یمامہ کے رئیس نے لکھا کہ اگر حکومت میں میرا بھی کچھ حصہ ہو تو میں آپ کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ شام کا بادشاہ حارث غسانی قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ اس نے خط موصول کے بعد از خود دربار قسطنطنیہ سے ہدایت پا کر اسلام کی روز افزوں ترقی کا سدباب،

کرنے کے لئے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔

چین وتاتار کا خاقانِ اعظم تائی تسونگ دربارِ رسالت کے ایلچی اور عرب تاجروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا۔ اس نے مسلمانوں کو کینٹن میں مسجد بنانے اور اپنے دین کی اشاعت کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ مسجد آج تک کینٹن میں موجود ہے۔

اس طرح سنہ ۶ ہجری مطابق ۶۲۸ء میں پیغمبرِ اسلام کے بادشاہوں اور تاجداروں کو خدا کے رسول کی طرف سے "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" (اسلام لاؤ اور سلامتی پاؤ) کا پیغام پہنچا دیا گیا۔ اسلام لانے کے معنی فقط یہ تھے کہ تمام انسان صرف خدائے واحد کی ہستی کو عبادت کا مستحق جان لیں اور یہ بات مان لیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس خدائے واحد کے جس کا کوئی شریک نہیں ایلچی ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوں میں جو سلاطینِ زماں کو بھیجے گئے، نہ خراج مانگا۔ نہ دنیوی اور سیاسی اعتبار سے مطیع ہونے کا مطالبہ کیا۔ نہ انہیں جنگ کی دھمکی دی۔ نہ اُن سے کسی قسم کی رعایت یا نعمت مانگی۔ صرف یہ بتایا کہ مجھے خدا کا پیغمبر برحق تسلیم کرتے ہوئے اُس کی وحدانیت کا اقرار کرلو گے تو تمہاری سلطنتیں، تمہاری بادشاہیاں، اور تمہاری جائز حیثیتیں قائم و برقرار رہیں گی اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو تمہاری رعایا کے دینی حیثیت سے گمراہ رہنے کا وبال تمہاری گردنوں پر ہوگا جس کے لئے تمہیں قیامت کے دن خدا کے ہاں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اگر سلاطین زماں خدا کے پیغمبر کی یہ بات مان لیتے تو نوعِ انسانی کی تاریخ اس سے بہت مختلف نظر آتی جو ان بادشاہوں کی طرف سے

اِس دعوت کو رد کرنے یا اس سے بے تعلق رہنے کے باعث اُسی دن سے جو تباہی شروع ہو گئی۔ اور اب تک جاری ہے ■

فتح خیبر اور غزوۂ موتہ

سنہ ۷ھ و سنہ ۸ھ
مطابق
سنہ ۶۲۹ء و سنہ ۶۳۰ء

خیبر کے یہودی

بنو نضیر کے یہودی سنہ ۴ ہجری میں کفار قریش کے ساتھ ساز باز رکھنے کی پاداش میں جب مدینے سے نکالے گئے تھے تو وہ مدینے سے شمال کی جانب کوئی دو سو میل کے فاصلے پر وادیٔ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے جو ان کے ہم قوم یہودیوں کا ایک بڑا مرکز تھا۔ خیبر کے یہودیوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے ارادے سے قریش مکہ اور قبائل عرب سے ساز باز کی جس کا نتیجہ سنہ ۵ ہجری میں جنگ احزاب یا غزوہ خندق کی شکل میں رونما ہوا۔ خیبر کے یہودی اتحادیوں کے اس لشکر میں جو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے

بنے ارادے سے جمع ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا اپنی پوری طاقت سے شریک ہوئے تھے۔ بلکہ اس مہم کے سب سے بڑے محرک وہی تھے۔

خیبر کی وادی بھی مدینہ کی طرح نخلستانوں کی سرزمین تھی جہاں یہودیوں نے متعدد سنگین حصار تعمیر کر رکھے تھے۔ یہ لوگ ہر وقت اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ اپنے حلیف قبیلوں کا بھڑکا کر ایک دفعہ پھر مدینہ پر حملہ کریں۔ اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال کر مدینہ پر قابض ہو جائیں۔ اس مقصد میں ان کے پرانے حلیف یعنی قبیلۂ غطفان کے عرب ان کے شامل حال رہتے تھے مسلمانوں کو ان کی طرف سے ہر لحظہ حملے کا خطرہ درپیش رہتا تھا۔ یہود خیبر اور بنو غطفان کی جنگی تیاریوں کی اطلاع پا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غطفان کے ایک قبیلہ بنو فزارہ کے پاس اپنے ایلچی بھیجے اور ان کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ اگر خیبر کو فتح کرنے میں بنو فزارہ مسلمانوں کا ساتھ دیں تو مسلمان انہیں بھی خیبر کے محاصل میں شریک بنالیں گے۔ بنو فزارہ نے یہ پیش کش مسترد کر دی کیونکہ یہودی بنو غطفان کو خیبر کی نصف پیداوار دینے کا لالچ دے چکے تھے۔

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو تیس[۲۰] آدمیوں کے ہمراہ دریافت احوال کے لئے خیبر بھیجا۔ عبداللہ بن رواحہ نے یہودیوں کے سردار اسیر بن زرام سے کہا کہ اگر تم اطاعت قبول کر لو تو رسول اکرم تمہیں یہودیوں کا رئیس تسلیم کر لیں گے۔ اسیر نے تیس[۳۰] یہودی لے کر عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ ہو لیا۔ لیکن بدگمانی کا یہ عالم تھا کہ یہ جماعت

دو دو ہو کر چلی ہر دو میں ایک یہودی اور ایک مسلمان تھا۔ اور راستے میں مسلمان اور یہودی لڑ گئے اور مسلمانوں نے یہودیوں کو تہ تیغ کر دیا صرف ایک یہودی بچ سکا۔

حادثہ ذی قرد

اس کے بعد ماہ محرم سنہ ہجری میں بنو غطفان کی ایک ٹولی نے مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر جو وادی ذی قرد میں واقع تھی چھاپا مارا اور ایک سو بیس اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ نیز ایک مسلمان کو شہید بھی کرتے گئے۔ ایک اور مسلمان سلمہ بن اکواع کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور ان پر اتنے تیر برسائے کہ ڈاکو دو نمشیتوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سلمہ بن اکواع نے مدینہ آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی اور ساتھ ہی عرض کی کہ اگر آپ ایک سو آدمیوں کی جمعیت میرے ہمراہ کر دیں۔ تو میں بنو غطفان کے ڈاکوؤں کو ان کی جسارت کا مزا چکھا آؤں۔ رسول خدا نے فرمایا کہ جب دشمن پر قابو پاؤ تو عفو سے کام لو۔

خیبر پر لشکر کشی

سنہ ہجری ۶۲۹ء

متذکرہ بالا حالات کے باعث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر

کشتی کی تیاریاں شروع کر دیں اور حکم دیا کہ اس مہم میں صرف وہی لوگ شامل ہوں جو جہاد کے لئے رغبت رکھتے ہیں۔ رسول خداؐ محرم ۷ھ ہجری میں سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا حاکم بنا کر خیبر کی مہم پر دو سو سوار اور چودہ سو پیدل سپاہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ پہلی مہم تھی جس میں اسلامی لشکر کو تین علم دیئے گئے۔ علم نبویؐ کے حامل حضرت علیؓ تھے عامر بن الاکواع شاعر لشکر کے آگے آگے حسب ذیل رجز پڑھتے ہوئے مارچ کر رہا تھا۔

"اے خدا۔ اگر تو ہدایت نہ دیتا تو ہم گمراہ رہتے۔ نہ خیرات کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہماری جانیں تجھ پر قربان۔ ہماری کوتاہیاں معاف کر دے اور ہم پر تسلی نازل کر۔ جب فریاد ہمیں پکارتی ہے تو ہم پہونچ جاتے ہیں۔ جب مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔ لوگوں نے ہمیں جہاد کے لئے پکارا ہے۔ جن لوگوں نے ہم پر ظلم و تعدی کی ہے جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان سے دبتے نہیں۔ اے خدا ہم تیرے فضل سے بے نیاز نہیں"۔

اس لشکر نے رجیع کے مقام پر جو خیبر اور غطفان کے درمیان واقع ہے پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے خیبر پر چڑھائی کی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال تھا کہ یہودی مقابلہ کئے بغیر صلح کی شرائط طے کر لیں گے لیکن انہوں نے اپنی مستحکم قلعہ بندیوں میں بیٹھ کر مقابلے کی ٹھان لی۔ رسول خداؐ نے لشکر اسلام کے سامنے وعظ فرمایا اور انہیں قتال پر آمادہ کیا۔ مسلمانوں نے قلعوں پر دھاوا بول دیا۔ یہ قلعے یکے بعد دیگرے سر ہوتے گئے۔ قلعہ قموص کا

سردار مرحب نامی ایک مشہور پہلوان تھا۔ اس قلعہ پر کئی دن تک متواتر مہمیں بھیجی گئیں جو ناکام رہیں۔ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح مقدر ہو چکی ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ رات بھر اس تمنا سے بے چین رہے کہ صبح ان کو یہ اعزاز حاصل ہو۔ اگلے دن حضورؐ نے پکار کر کہا "علیؓ کہاں ہیں" حضرت علیؓ حاضر ہوئے ان کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں۔ اُن پر حضورؐ نے اپنے دہن مبارک کا لُعاب لگایا اور علم حضرت علیؓ کو عطا کر دیا۔ حضرت علیؓ قلعہ قموص کی طرف بڑھے۔ اُدھر سے مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا ؎

قد علمت خیبر انی مرحب　　　شاکی السلاح بطل مجرب

(خیبر اچھی طرح جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے کھیلنے والا۔ تجربہ کار، دلاور) اِدھر سے حضرت علیؓ نے اپنا تعارف یوں کرایا ؎

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　　کلیث غابات کریہہ المنظرہ

(میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے شیر رکھا۔ میں جنگل کے شیر کی طرح ڈراؤنی صورت رکھتا ہوں)

مرحب اور علیؓ کے درمیان جنگ ہوئی۔ حضرت علیؓ نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ بائیں سر کو چیرتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ مرحب گر پڑا۔ مسلمانوں نے عام ہلّہ بول کر سَر کر لیا۔ اس قلعہ کو سر کرتے بیس دن لگ گئے۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہودی ہلاک اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے یہودیوں نے ہار مان لی۔ اور خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو بطور خراج دینا

منظور کر لیا۔ قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیّ ابن اخطب کی بیٹی صفیہؓ کو اس کی عالی نسبی کے پیش نظر آزاد کر کے حضورؐ نے اپنے عقد زوجیت میں لے لیا۔ یہودیوں کے ہتھیار ڈالنے کے بعد صرف ایک یہودی رئیس کو قتل کی سزا دی گئی جس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک مسلمان کو فصیل پر سے پتھر کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا تھا۔

خیبر کی مہم سر کرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیٔ قریٰ پر چڑھائی کی جو یہودیوں کی ایک دوسری بڑی آبادی تھی۔ یہ وادی خیبر اور تیما کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کے یہودیوں نے معمولی مزاحمت کے بعد اطاعت قبول کر لی۔ ان سے بھی خیبر کی سی شرطوں کے مطابق صلح طے ہو گئی۔

عمرہ

صلح حدیبیہ کی شرطوں میں قرار پایا تھا کہ مسلمان اگلے سال حج یا عمرہ کے لئے آسکیں چنانچہ سنہ ہجری میں وہ تمام مسلمان جو پچھلے سال طواف کعبہ سے محروم رہ گئے تھے ارشاد نبوی کے مطابق عمرہ ادا کرنے کے لئے مکے آئے۔ صلح کی شرطوں کے مطابق مسلمانوں نے تمام اسلحہ مکہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر چھوڑ دیئے جن کی حفاظت کے لئے دو سو آدمیوں کی جمعیت مقرر کر دی گئی۔ قریش شہر چھوڑ کر باہر نکل گئے تاکہ مسلمانوں کے ورود کا نظارہ نہ دیکھ پائیں۔ شرائط صلح کے مطابق مسلمان

رسول خداؐ کی معیت میں تین دن مکہ میں رہے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ قربانیاں دیں اور دوسرے مناسک ادا کئے۔ تین دن کے اختتام پر مسلمان مکہ سے نکل گئے اور مدینے کی طرف لوٹ آئے ۔

غزوۂ موتہ

۸ ہجری

۸ ہجری کے آغاز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر کو شام کے عیسائی بادشاہ حارث غسانی کے پاس قیصر روم کے نام ایک اور خط دے کر روانہ کیا۔ قیصری دربار کی پالیسی مسلمانوں کے معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے نامۂ مبارک کے بعد ہی سے جس میں قیصر اور حارث غسانی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی بدل چکی تھی۔ شام کے عیسائی سلاطین قیصر کے زیرِ ہدایت مسلمانوں کی طاقت کو جو عرب میں ترقی کر رہی تھی اپنے لئے خطرہ سمجھ رہے تھے۔ اس لئے سلطنت قیصریہ کے ایک شامی سردار شرجیل بن عمرو نے جو عیسائی مذہب رکھنے والا ایک عرب رئیس تھا رسول خداؐ کے قاصد کو قتل کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان قاصد کا قصاص لینے کے لئے تین ہزار نفوس کا ایک لشکر اپنے غلام زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں شام کی طرف بھیجا اور ہدایت کر دی کہ زیدؓ کے شہید ہو جانے کے بعد جعفر طیارؓ اور ان کے شہادت پا جانے کی صورت

میں عبداللہ بن رواحہ فوج کی کمان کریں۔ اس فوج کے لئے دوسری ہدایت یہ تھی کہ وہ اس مقام تک جائے جہاں حارث بن عمیرؓ کا خون گرایا گیا۔ اور اگر شرجبیل کے قبیلہ کے لوگ اسلام قبول کر لیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے احتراز کیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر کو روانہ کرنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک خود تشریف لے گئے۔

شرجبیل نے اسلامی لشکر کی روانگی کی اطلاع پا کر ایک لاکھ کی جمعیت مقابلے کے لئے جمع کی۔ خود قیصر روم ہرقل شام کے شہر موآب میں لشکر جرار کے ساتھ ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ شام کی سرحد پر پہنچنے کے بعد جب زیدؓ نے دشمن کی طاقت و جمعیت کا اندازہ لیا تو وہ آگے بڑھنے سے متامل ہو گئے اور چاہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات کی اطلاع دے کر ان کے احکام کا انتظار کریں لیکن عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ ہم شہید ہونے اور دین اسلام پر جانیں قربان کرنے کے لئے آئے ہیں اس لئے ہمیں تامل سے کام نہ لینا چاہیئے۔ تین ہزار مسلمان آگے بڑھے اور ایک لاکھ کے لشکر سے ٹکرا گئے۔ پہلے زیدؓ شہید ہوئے۔ پھر ان کے جانشین سپہ سالار جعفر طیارؓ نے بے جگری کے ساتھ لڑ کر شہادت کا جام نوش کیا۔ جعفرؓ نے نوے زخم کھائے جو سب کے سب جسم کے اگلی طرف تھے۔ جعفرؓ کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے علم اسلامی اپنے ہاتھ میں لیا اور لڑتے لڑتے دین اسلام پر اپنی جان قربان کر دی۔ ان کے بعد خالد بن ولیدؓ نے علم سنبھالا اور اتنا لڑے کہ یکے بعد دیگرے آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر

سکو پڑیں۔ آخر خالدؓ نے جب دیکھا کہ اتنی مختصر سی جمعیت ایک لاکھ کے لشکر جرار سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی تو وہ اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لائے۔ اور مدینے کی طرف پسپا ہو گئے۔

موتہ کی اس جنگ سے پہلے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کوئی تصادم نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک انہیں عرب کے مشرکوں اور یہودیوں ہی سے مقابلے پیش آئے تھے۔ اس کے بعد عیسائیت کی عظیم طاقت بھی اسلام سے نبرد آزما ہو گئی۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی اس پہلی جنگ میں عیسائیوں نے فتح پائی اور مسلمانوں کا لشکر اپنے ایک آدمی کے خون کا قصاص لینے اور اس کے مشہد تک پہونچنے کے مقاصد حاصل کئے بغیر پسپا ہو گیا۔

فتح مکّہ

سنہ ۸ھ مطابق سنہ ۶۳۰ء

قریش کی عہد شکنی

سنہ ۸ ہجری میں بنو بکر قبیلے نے جو قریش کا حلیف تھا اپنی دیرینہ مخاصمت کی بناء پر بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بنو خزاعہ صُلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کے حلیف بن گئے تھے۔ قریش کے رؤسا نے کھُلم کھُلا بنو بکر کی حمایت کی۔ بنو خزاعہ حرم میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن وہاں بھی انہیں پناہ نہ ملی۔ بنو بکر اور قریش نے بنو خزاعہ کے لوگوں کو عین حرم کی حدود میں قتل کر دیا۔ بنو خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار فریادی ہو کر مدینے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ بنو خزاعہ فریاد کی یہ صدا بلند کرتے ہوئے وہاں پہنچے ؎

لاھُمّ انی ناشدٌ محمداً　　حلف ابینا وابیہ الاتلدا

فانصر رسول اللہ نصراعتدا   وادع عباداللہ یاتوامددا

(اے خدا میں محمدؐ کو وہ معاہدہ سناتا ہوں جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہو چکا ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ ہماری مدد کر اور خدا کے بندوں کو بلاؤ سب مدد کے لئے دوڑتے آئیں گے)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو خزاعہ کی یہ فریاد سن کر ایک قاصد قریش مکہ کے پاس بھیجا جس نے اس عہد شکنی پر ان کے سامنے حسب ذیل تین شرطیں پیش کیں:۔

(۱) مقتولوں کا خوں بہا دیا جائے۔

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

(۳) صلح حدیبیہ کو منسوخ قرار دیا جائے۔

قرطہ بن عمر نے قریش کی طرف سے کہا کہ ہمیں صرف تیسری شرط منظور ہے۔ یہ کھلم کھلا اعلان جنگ تھا مسلمانوں کا قاصد واپس چلا گیا تو دوسرے قریش کو ندامت ہوئی انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر مدینے بھیجا تاکہ معاہدۂ صلح کی تجدید کرا لائے۔ ابوسفیان نے بارگاہِ نبوت میں تجدیدِ صلح کی درخواست پیش کی۔ حضورؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ ابوسفیان نے حضرت صدیقؓ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام سے کہا کہ وہ بارگاہِ نبوی میں سفارش کریں۔ لیکن کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ ابوسفیان نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ میں قریش کی طرف سے معاہدۂ صلح کی تجدید کرتا ہوں لیکن مسلمانوں کی طرف سے کسی نے اس کی تصدیق نہ کی۔ ابوسفیان نے واپس

آکر قریشِ مکّہ کو اپنی کارگزاری کی اطلاع دی تو وہ کہنے لگے کہ اس سے تو ہمیں کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ہم اطمینان سے بیٹھے رہیں یا جنگ کی تیاری کریں۔ اُدھر مدینے میں رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مکّہ کی طرف کوچ کرنے کے لئے تیاری کا حکم دے دیا۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکّہ کو چھٹی بیج دی کہ رسُول خداؐ مکّہ پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ بات رسُولِ خدا اور دُوسرے مسلمانوں کو بھی معلوم ہو گئی حاطب سے باز پُرس کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میرے اعزہ و اقربا مکّہ میں تھے اس لئے میں نے قریش پر احسان دھرنے کے لئے اطلاع بھیج دی تاکہ وہ میرے عزیزوں کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچائیں۔ حضرت عمرؓ نے رسُول اکرمؐ سے حاطب کی گردن اڑا دینے کی اجازت چاہی لیکن حضورؐ نے یہ کہکر حاطب کا قصور بخش دیا کہ وہ اصحابِ بدر میں سے ہیں ؎

مکّہ کی طرف کوچ

رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا لشکر جرّار لے کر مکّہ کی طرف بڑھے اور دس رمضان سنہ ہجری کو مکّہ کے قریب کوئی ایک منزل کے فاصلے پر مرّالظہران کے مقام پر پہنچے۔ راستے میں قبائل کے دستے بھی اسلام کی فوج کے ساتھ آملے تھے۔ مرّالظہران میں اسلامی لشکر کی گنتی دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ رسُولِ خدا نے حکم دیا کہ رات کو سب ڈیروں میں خوب روشنی کی جائے تاکہ کفّارِ مکّہ لشکر کی بھاری تعداد کا اندازہ کر لیں۔ قریش

کی طرف سے تین اشخاص جن میں ابوسفیان بھی تھا اسلامی لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس مقام تک آکر ادھر ادھر منڈلا رہے تھے۔ کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔

اگلے دن اسلام کا یہ لشکر پیغمبر خداؐ کے جلوس کی شکل میں مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ ابوسفیان کو حضورؐ کے حکم سے ایک پہاڑی پر بٹھا دیا گیا تاکہ وہ اسلام کا جاہ وجلال اپنی نگاہوں سے دیکھ سکے۔ لشکرِ اسلام کے دستے یکے بعد دیگرے آگے بڑھتے گئے اور شہر مکہ میں داخل ہونے لگے ایک دستے کے سالار نے ابوسفیان سے یہ کہا تھا کہ "آج معرکے کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا" جب رسولِ خداؐ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو اس نے شکایت کی حضورؐ نے فرمایا "عبادہ نے غلط کہا آج کعبے کی عظمت کا دن ہے"۔ اس جوشِ فضول کے اظہار پر عبادہ سے علم لے کر اس کے بیٹے کو دے دیا گیا۔

مکہ میں داخلے کے وقت منادی کر دی گئی کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا۔ یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا۔ یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا۔ اسے امان دی جائے گی۔ عام لوگوں نے اس امان سے فایدہ اٹھایا لیکن قریش کے ایک جوشیلے گروہ نے مسلمانوں کے ایک دستہ پر جو خالدؓ کی سرکردگی میں تھا تیر برسا کر دو مسلمان شہید کر دیئے۔ خالدؓ نے ان پر حملہ کیا اور وہ تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے کی اطلاع ملی تو انہیں بہت افسوس ہوا آپؐ نے

کہا یہ قضائے الٰہی یہی تھی۔"

خانہ کعبہ کی تطہیر

مسلمان مکہ پر قابض ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر ایک ایک بت کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیئے اس کے ساتھ ہی آپ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے جارہے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (حق آگیا باطل مٹ گیا۔ باطل کو تو بیشک مٹنا ہی تھا)

اس کے بعد آپ نے تمام بت جن کی تعداد تین سو ساٹھ تھی کعبے سے نکلوا دیئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ تصویریں بھی مٹا دیں جو دیواروں پر بنی ہوئی تھیں۔ خانہ کعبہ کی اس تطہیر کے بعد آپ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا نہیں کی تھی صرف تکبیریں پڑھی تھیں۔

خطبۂ فتح

مکہ میں داخل ہونے کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کر کے حسب ذیل خطبہ دیا:۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ أَلَا كُلُّ مَأْثُرَةٍ

أَوْدَمٍ أَوْ مَالٍ يُدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمِيْ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ - يَا مَعْشَرَ الْقُرَيْشِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَمِنْ تُرَابٍ -

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی تنہا اس نے جتھوں کو شکست دی۔ ہاں تمام تفاخر کی باتیں۔ تمام خونیں انتقام۔ تمام خوں بہا آج میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اے گروہ قریش! اب خدا نے تم سے جاہلیت کے سب غرور اور نسب کے فخر دور کر دیئے۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے)

بعد ازاں آپؐ نے قرآن مجید کی یہ آیتیں پڑھیں :-

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ -

(اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنا دیئے تاکہ تم آپس میں پہچانے جا سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں سے وہ شخص ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا

اور خبردار رہے۔)

اس خطبہ کے بعد رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

قریش نے جواب دیا "آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں" آپ نے فرمایا لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

(آج کے دن تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو)

دربار رسالتؐ سے یہ علم معافی ان لوگوں کو دی گئی جنہوں نے حضورؐ کو تیرہ ۱۳ سال طرح طرح کی ایذائیں دیں اور آٹھ سال کی مدت میں متعدد جنگیں کیں۔

اس عفوِ عام کے باوجود قریش کے چند اشخاص جو مکہ میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلے کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکے مکہ سے نکل گئے۔ رسول خداؐ نے پندرہ دن مکہ میں قیام فرمایا اور اس دوران میں آپ نے ایک تو شراب کی خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی دوسرے دو یا تین اشخاص کو قصاص کے طور پر موت کی سزا دلائی تیسرے ان لوگوں سے بیعت لی جنہوں نے برضا و رغبت دین اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

حُنَین و تبوک کے معرکے

سنہ ۸ھ و سنہ ۹ھ

مطابق

سنہ ۶۳۰ء و سنہ ۶۳۱ء

غزوۂ حُنَین

رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ابھی مکّہ ہی میں تھے کہ اطّلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مکہ کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔ یہ قبائل بڑے طاقتور، جنگجو اور فنونِ حرب کے ماہر تھے۔ مکّہ اور طائف کے درمیان کی وادیوں میں رہتے تھے۔ انکو یہ شبہ ہوا کہ اسلام کا لشکر جس کی منزل مقصود مکّہ تھی ان پر حملہ کرنے کے ارادے سے آرہا ہے اس لئے انہوں نے فتح مکّہ سے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ فتح مکّہ کی خبر نے انہیں اور بھی اشتعال دلایا اور

وہ اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر بڑی تیاری کے ساتھ مکّہ کی طرف بڑھنے لگے۔ عورتوں اور بچّوں کو ساتھ لانے کی وجہ یہ تھی کہ مرد ان کی حفاظت کے خیال سے جان توڑ کر لڑیں گے۔

ہوازن اور ثقیف کی لشکر کشی کی اطلاع پاکر رسُول خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عبداللہ بن ابی جدرد کو دیکھ بھال اور دریافت حالات کے لئے بھیجا اور خود جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ مکّہ کے ایک دولتمند شخص عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض لئے۔ اور قریش کے رئیس اعظم صفوان بن امیّہ سے اسلحہ مانگے۔ صفوان نے سوزرہیں اور ان کے لوازم مہیا کر دیئے۔ شوال ۸ھ میں رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بارہ ہزار کا لشکر جرّار لے کر ہوازن و ثقیف کے مقابلے کے لئے چلے۔ ہوازن وثقیف کی فوجیں مکّہ اور طائف کے درمیان حُنین کی وادی میں اوطاس کے مقام پر ڈیرے ڈالے پڑی تھیں۔ مسلمانوں کو اپنی جمعیّت اور طاقت پر بہت ناز تھا۔ اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"۔

دونوں لشکر بالمقابل ہوئے۔ مسلمانوں نے علی الصبح ہوازن کے لشکر پر حملہ بول دیا۔ اُدھر سے پُورا پُورا جواب ملا اور ہوازن وثقیف کے تیرانداز دائیں بائیں سے مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ اس پہلی ہی جھڑپ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہونے لگے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میدان جنگ میں صرف خُدا کا رسُول تن تنہا کھڑا رہ گیا رہا تھا۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب   أَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِب

(میں اللہ کا نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں)

رسول خدا نے یہ حال دیکھکر آواز دی یامعشر الانصار۔ یہ آواز سنکر انصار لوٹے اور لبیک لبیک پکارتے ہوئے رسول خدا کے گرد جمع ہونے لگے۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ کے حکم سے یامعشر الانصار۔ یا اصحاب الشجرہ (اے گروہ انصار۔ اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو) کے نعرے لگا کر مسلمانوں کو جن کے قدم اکھڑ چکے تھے از سر نو جمع کیا۔ اور پھر گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اب قبائلی لشکر کے پاؤں اکھڑے اور وہ بھاگ نکلے۔ کچھ اوطاس میں جمع ہوئے اور کچھ طائف جا پہونچے۔

مسلمانوں نے اوطاس کی وادی میں قبائل کا تعاقب کیا اور وہاں انہیں پھر سکشت دی۔ قبائل نے طائف میں پناہ لی۔ جس کے گرد شہر پناہ یعنی فصیل بنی ہوئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت اور اسیران جنگ کو جعرانہ کے مقام پر محفوظ کر کے لشکر اسلام کو طائف کی طرف بڑھنے کا حکم دیا مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا مسلمانوں نے اس محاصرے میں دشمن پر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکنے کے لئے دبابے اور فصیل توڑنے کے منجنیقیں استعمال کیں۔ لیکن حصار کو توڑنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا اور رسول خدا دشمنوں کو ہدایت کی راہ پر آنے کی دعا دیتے ہوئے واپس آ گئے۔

جعرانہ پہنچ کر رسولِ خداؐ نے مسلمانوں میں مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ اور اس میں سے مکہ کے نومسلموں کو دوسرے مسلمانوں سے زیادہ حصہ دیا۔ انصار کے بعض نوجوانوں نے اس تقسیم پر اعتراض کیا اور بولے کہ رسولِ خداؐ مصیبت کے وقت تو ہمیں یاد کرتے ہیں اور غنیمت کا مال دوسروں کو دے رہے ہیں۔

اطلاع ملنے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کر کے ان کے سامنے نہایت موثر خطبہ دیا۔ آپؐ نے کہا "کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت دی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے۔ خدا نے میرے ذریعے سے تمہیں غنی کر دیا"۔

انصار کے مجمع سے آوازیں آئیں "یہ سب ٹھیک ہے اللہ کے رسول کے احسان ہم پر عظیم ہیں" آپؐ نے فرمایا "نہیں انصار! تم میرے سوالوں کے جواب یہ کہو "اے محمد! تم کو جب اور لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے تم کو پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا ہم نے تیری ہر طریق سے مدد کی۔

"اے انصار! تم یہ جواب دو میں کہوں گا تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد کو لے کر اپنے گھر جاؤ"۔

اس تقریر کے اثر کا یہ عالم تھا کہ انصار کی داڑھیاں روتے روتے آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ رسولِ خداؐ نے انہیں سمجھایا کہ نومسلموں کو صرف

تالیف قلوب کے لئے زیادہ حصّہ دیا گیا ہے۔ انصار مطمئن ہو گئے۔

اسیرانِ جنگ کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے ہوازن و ثقیف کی کوئی سفارت نہ آئی۔ ان میں شیما بنت حلیمہ سعدیہ رسُول خدا کی رضاعی بہن بھی تھیں۔ مسلمانوں نے جب انہیں گرفتار کیا تو بولیں کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ لوگ انہیں حضورؐ کے پاس لے آئے۔ شیما نے کہا کہ ایک دفعہ آپؐ نے بچپن میں دانت سے کاٹا تھا اس کا نشان میری پیٹھ پر اب تک موجود ہے۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں فرطِ محبت سے پانی بھر آیا۔ اپنے ہاتھ سے چادر بچھائی اور بہن کو بٹھایا۔ محبت کی باتیں کیں اور کہا کہ چاہو میرے گھر چلو چاہو اپنے گھر کو لوٹ جاؤ۔ شیما نے وطن جانے کی خواہش ظاہر کی حضورؐ نے چند بکریاں اور اونٹ دے کر بہن کو رخصت کر دیا۔

کچھ دن بعد ہوازن کی سفارت آئی تاکہ اسیرانِ جنگ کو چھڑانے کے لئے بات چیت کرے۔ اس سفارت میں اس قبیلہ کے افراد بھی شامل تھے، جس کے درمیان رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں پرورش پائی۔ اس قبیلہ کے سردار زہیر بن صرد نے کہا "اے محمدؐ جو عورتیں چھپروں اور خیموں میں قید ہیں ان میں تیری خالائیں اور پھوپھیاں بھی ہیں۔ خدا کی قسم سلاطینِ عرب میں سے اگر کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اس سے ہمیں بہت کچھ امیدیں ہوتیں تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں۔" رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اسیرانِ جنگ میں سے خاندان

عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی صورت یہ ہے کہ تم نماز کے بعد عام مسلمانوں کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔

زہیر بن صہرو نے نماز ظہر کے بعد مسلمانوں سے اسیران جنگ کی رہائی کے لئے التجا کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے خاندان کے حصّے کا مختار ہوں اور اس حصّے کے قیدی چھوڑتا ہوں اور مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ بھی اپنے اپنے حصّے کے قیدی چھوڑ دیں۔ ہر طرف سے آوازیں آئیں کہ ہم نے قیدی چھوڑ دیئے۔ اس طرح ہوازن کے چھ ہزار اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے گئے۔

غزوۂ تبوک

سنہ ۹ھ ۶۳۱ء

حُنین کی مہم سر کرنے کے بعد مسلمان جب مدینے پہونچے تو انہیں اس مضمون کی اطلاعات موصول ہونے لگیں کہ مُلک شام کے غسانی قبائل جو قیصر رُوم کے زیر اثر تھے عرب پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ رجب سنہ ۹ ہجری میں رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کا سدباب کرنے کے لئے شام پر لشکر کشی کی۔ اور قبائل عرب کو اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ تیس ہزار کا لشکر جرّار لے کر رسُول خدا شام کی طرف چلے اور تبوک کے مقام تک پہونچے جو مدینہ سے دمشق کو جانے

والی شاہراہ پر مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مہم پر جانے کے لیے منافق اور تھوڑدلے مسلمان جی چراتے تھے لیکن بعض کے اشتیاقِ جہاد کی کیفیت یہ تھی کہ جب وہ سواری نہ رکھنے کے باعث پیچھے چھوڑ دیئے گئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے کہ خرچ نہ رکھنے کے باعث وہ شرکتِ جہاد کی سعادت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ تبوک کی راہ میں وہ سرزمین بھی آئی جہاں عاد اور ثمود کی قدیم قوموں کے آثار نظر آتے تھے چونکہ ان قوموں پر نافرمانی کے باعث خدا کا غضب نازل ہوا تھا اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقامات میں قیام نہ کیا اور مسلمانوں کو منع کر دیا کہ وہ اس سرزمین کا پانی تک نہ پئیں۔

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ غسانی قبائل اور قیصرِ روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات درست نہ تھیں۔ رسول اکرمؐ بیس دن تبوک میں ٹھہرے ولایت ایلہ کے عیسائی سردار یوحنا نے حاضر خدمت ہو کر تحایف پیش کئے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ رسول خداؐ نے یوحنا کو ایک چادر عطا فرمائی۔ جربا اور اذرح کے عرب عیسائی قبیلوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ دومۃ الجندل کے عرب عیسائی سردار اکیدر نے سرکشی کی اس کی سرکوبی کے لئے خالدؓ کی سرکردگی میں چار سو کی جمعیت بھیجی گئی خالدؓ نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور اکیدر اس بات پر رضامند ہو گیا کہ وہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خراجِ اطاعت پیش کرے گا۔

یہ مہم واپس آئی اور مدینہ کے لوگ استقبال کے لئے باہر نکلے

عورتیں بھی وہی گیت گا رہی تھیں جو انہوں نے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اوّلین تشریف آوری کے موقع پر گایا تھا ۔

(وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا جب تک خدا کو پکارنے والا باقی ہے ہم پر شکر لازم ہے)

مدینے میں واپس آکر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد کو نذر آتش کرا دیا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی نیت سے یہ مسجد بنائی تھی ۔

حج اکبر اور اعلان برأت

حجِّ اکبر

۸ھ سنہ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا تھا لیکن اس سال حج کا انتظام قریش کے انہی لوگوں نے کیا جو پہلے سے اس کام پر مامور تھے۔ مسلمانوں نے اس سال مکہ کے مسلمان امیر عتاب بن اسید کے ساتھ حج کا فریضہ ادا کیا۔ ۹ھ سنہ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی سرکردگی میں مکہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت علی رض اس قافلے کے نقیب مقرر ہوئے۔ مسلمانوں کا یہ پہلا حج تھا جس میں حج کی عبادت کو زمانۂ جاہلیت کی تمام بری رسموں سے پاک کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رض نے حج کے صحیح اسلامی مناسک لوگوں کو سکھائے۔ قربانی کے دن خطبہ دیا۔ حضرت صدیق رض کے بعد حضرت علی رض تقریر کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے سورۂ برأۃ کی چالیس

آیتیں پڑھیں اور اعلان کیا کہ آج کے بعد کسی مشرک کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ نہ کوئی پرانے دستور کے مطابق ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کر پائے گا۔ اور وہ تمام معاہدے جو مسلمانوں نے مشرکوں کے ساتھ کر رکھے ہیں چار ماہ کے بعد ٹوٹ جائیں گے حضرت ابو ہریرہ رضی اور دوسرے صحابہ رضی نے بڑے جوش و خروش سے اس اعلانِ برأت کی منادی کی۔

اعلانِ برأت کا مطلب یہ تھا کہ مشرکین عرب کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اس مدت میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اپنی روش کا فیصلہ کر لیں۔ چار ماہ کے بعد تمام مشرکوں کو مسلمانوں سے برسر جنگ سمجھا جائے گا۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربستان کے متذبذب اور سرکش قبائل نے اسلام کی طاقت و قوت کے سامنے اطاعت کی گردنیں جھکا دیں۔ اس طرح ان کے درمیان دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی راہیں جو مشرکین کی مخاصمت۔ مزاحمت کے باعث پہلے مسدود تھیں یکسر کھل گئیں۔ اب عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور انہیں دینِ الٰہی قبول کرنے کے فواید سمجھانے میں کوئی چیز حائل نہ تھی۔ پیغمبر اسلام اور مشرکینِ عرب کے درمیان یہی ایک بات یعنی دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ کا حق مابہ النزاع تھی۔

یہ جھگڑا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے

وقت سے شروع ہوا اور سنہ ۹ ہجری میں یعنی بعثتِ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بائیں سال بعد جا کر اس صورت میں طے ہوا کہ اسلام نے سرزمینِ عرب میں تبلیغ و اشاعت کا وہ حق حاصل کر لیا۔ جو مشرکینِ عرب اُسے نہیں دیتے تھے ؛

نقشہ ملکِ عرب
(عہد رسالت کے شعوب و قبائل)
پیمانہ ۱ انچ ۲۰۰ میل

بنی غسان
جابیہ
دومۃ الجندل
بنی لخم
تبوک
موتہ
بنی طے
خیبر
حائل
بنی تغلب
بنی غطفان
(بنی اشجع - بنی مرہ - بنی عبس - بنی ذبیان)
مدینہ
بنی سلیم و بنی مزینہ
بنی وائل
بحرین
بنی ہوازن
جدہ
مکہ
بنی سعد
بنی عامر
طائف
بنی تمیم
بنی ذکوان
بنی خولان
بنی ازد
بنی حنیفہ
بنی مراد
بنی ہمدان
بنی حارث
نصاریٰ نجران
صنعا
صحرا
ایران
بنی عبد القیس
بنی بجیلہ
بنی کندہ
دیگر شعوب و قبائل

اشاعتِ اسلام اور مُلکی انتظام

دعاۃ و وفود

فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قبائل عرب کے لئے مرجعِ عام بن گئی۔ اعراب بادیہ کے یہ قبیلے عام طور پر قریش مکہ کے زیر اثر ہوا کرتے تھے۔ اور دینِ بت پرستی میں انہی کو اپنا امام اور پیشوا سمجھتے تھے۔ اسلام اور قریش مکہ کے درمیان زندہ رہنے کے لئے جو کشمکش بیس اکیس سال سے جاری تھی اسے یہ قبائل عملی دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھتے چلے آ رہے تھے۔ اس کش مکش میں ان کی عملی ہمدردیاں مشرکین مکہ کے ساتھ وابستہ رہیں۔ لیکن اس کے باوجود پیغمبر اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں سے کم و بیش متاثر ہوتے رہے۔ ان میں سے بہتوں کی روش کا اندازہ یہ تھا کہ اگر محمدؐ خدا کے سچے پیغمبر ہوئے تو وہ قریش پر غالب آ جائیں گے۔ محمدؐ قریش پر غالب آ گئے تو انہوں نے بھی اسلام کی صداقت کے سامنے اطاعت کی گردنیں جھکا دیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقا اور متبعین کو محض تبلیغ اسلام کی راہ کے کانٹے دور کرنے کی جدوجہد میں پیہم اور مسلسل جنگ وجدال سے سابقہ پڑتا رہا۔ تاہم پیغمبر اسلامؐ کا حقیقی کام یعنی دین کی تبلیغ واشاعت برابر جاری رہا اور کم وبیش رفتار سے لگاتار ترقی کرتا چلا گیا۔ دینِ حق کی جستجو سے بے قرار ہونیوالی روحیں دُور دراز سے چل کر اسی وقت پیغمبرِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہونے لگی تھیں۔ جب شروع شروع میں مکّہ کی گلیوں سے "ایک ایسے ساحر۔ شاعر۔ مجنوں اور صابی" کے ظاہر ہونے کا غلغلہ بلند ہوا تھا جو خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا اسلام کا پیغام ایسے لوگوں کی وساطت سے مکہ کی گلیوں سے نکل کر عرب کے اطراف واکناف میں پہنچا دعوتِ اسلام کی یہ تخم ریزیاں اعرابِ بادیہ میں آہستہ آہستہ پھلتی پھولتی رہیں۔ ہجرت کے بعد جب اسلام کو مدینہ میں اپنا ایک مرکز مل گیا تو صحرائی قبائل کے وفد تحقیقِ حالات کے لئے مدینے آنے لگے۔ ادھر مرکز سے بھی دینِ اسلام کے مبلغ ایسے قبیلوں میں جانے لگے جو انہیں دین کی باتیں معلوم کرنے کے لئے اپنے ہاں بلاتے تھے۔ ایسی تبلیغی مہموں میں اگرچہ مسلمانوں کو کئی دفعہ شدید جانی نقصان برداشت کرنے پڑے لیکن تبلیغ کی یہ صورت برابر جاری رہی ؂

سنہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد جب دربارِ رسالت سے سلاطین عالم کے نام دعوتِ اسلام قبول کرنے کی چٹھیاں لکھی گئیں تو اسلام کا پیغام باقاعدہ طور پر عرب کے ملوک اور رؤساء کو بھی پہنچا دیا گیا۔ فتحِ مکہ

کے بعد جب عرب میں امن و امان قائم ہوگیا تو مدینہ سے اسلام کے داعیوں اور مبلغوں کی ٹولیاں ملک کے ہر گوشے اور ہر قبیلے کی طرف بھیجی گئیں تاکہ وہ قبائل کو خدائے واحد کی عبادت پر آمادہ کریں۔ دعاۃ اسلام کی ان کوششوں کی صدائے بازگشت ایسے وفدوں کی صورت میں رونما ہونے لگی جو مختلف قبائل کی طرف سے دینِ اسلام قبول کرنے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے فیضِ صحبت سے استفادہ کرنے کے لئے مدینے آنے لگے۔

مسلمانوں کی تاریخی روایات میں ایسے متعدد وفود کے حالات مرقوم ہیں۔ ایک راوی نے ایک سو چار وفود کے حالات لکھے ہیں جن میں سے بعض حالات بڑے ہی دلچسپ ہیں۔ قبیلہ بنو تمیم کا ایک وفد بڑی شان و شوکت سے مدینے آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جا کر آواز دی کہ محمدؐ! باہر آئیے ہم آپ سے (اظہار فخر کا مقابلہ) کرنے کے لئے آئے ہیں۔ رسولِ خداؐ ان لوگوں کو لے کر مسجد میں بیٹھے۔ پہلے ان کے خطیب نے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی اور کہا "خدا کا شکر ہے جس کے لطف و کرم کے طفیل ہم تاج و تخت کے مالک، قیمتی خزانوں سے مالامال اور اقوامِ مشرق میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔ ہماری برابری کون کرسکتا ہے جسے ہمارے ساتھ ہم رتبہ ہونے کا دعویٰ ہو وہ یہ اوصاف گنائے"۔

اس کے بعد رسول خداؐ کے حکم سے مسلمانوں کی طرف سے ثابت بن قیس نے تقریر کی اور کہا :-

"ہر طرح کی تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے۔ اسی نے ہم کو بادشاہت دی۔ اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب۔ سب سے زیادہ راست گفتار سب سے زیادہ شریف الاخلاق ہے۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا اس نے خدا نے اس پر اپنی کتاب نازل کی۔ اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور ان کے بعد ہم انصار نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا۔ ہمیں اللہ کے مددگار اور رسول اللہ کے وزیر ہونے کا شرف حاصل ہے"۔

اس کے بعد قبیلہ بنو تمیم کے شاعر نے قصیدہ پڑھا۔ مسلمانوں کی طرف سے حسان بن ثابت نے کلام سنایا۔ غرض اس طرح کے مقابلہ کے بعد اس وفد نے اسلام قبول کر لیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

طائف کے عربوں کی سفارت دربارِ نبوی میں پہونچی یہ لوگ کئی دن تک مسجد نبوی میں مقیم رہ کر مسلمانوں کے اوضاع و اطوار کا مطالعہ کرتے رہے۔ آخر انہوں نے اس شرط پر اسلام قبول کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی کہ انہیں زنا، سود اور شراب سے نہ روکا جائے۔ ان کی یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ انہوں نے شرطیں واپس لے لیں۔ اور پوچھا کہ ہمارے دیوتا "لات" کا کیا بنے گا۔ رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ "اسے توڑ دیا جائے"۔ یہ لوگ بہت حیران ہوئے۔ اور عرض کیا کہ "یہ کام ہم سے نہ ہو سکے گا"۔ رسول اکرم نے

مدینہ سے دو مسلمان بھیج دیتے کہ وہ طایف جاکر "لات" کا قصہ پاک کر دیں ۔

قبیلۂ بنی سطے کا وفد بھی اپنے رئیس کی سرکردگی میں مدینے آیا۔ یہ قبیلہ دینِ مسیحی کا پیرو تھا لیکن وفد نے مدینہ پہنچ کر اپنے قبیلہ کی طرف سے دینِ اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے کئی دن مناظرہ ہوتا رہا۔ آخر مباہلہ تک نوبت آگئی جب رسول اکرمؐ اپنے اہل بیت کو لے کر مباہلہ کے لئے حاضر ہوئے تو عیسائی متامل ہوئے اور مباہلہ سے دستکش ہو گئے۔ اس وفد نے اہل نجران کی طرف سے جزیہ دینا قبول کر لیا ۔

۹ سنہ ہجری میں دعاۃ اسلام اور وفود قبائل کی سرگرمیاں بہت ترقی پذیر رہیں اور ۱۰ سنہ ہجری تک عربستان کے تمام قبیلے شرک اور بت پرستی سے تائب ہو کر دینِ اسلام کے پیرو بن گئے۔ بعض مقامات پر عیسائیت کے ماننے والے باقی رہ گئے لیکن ان کی تعداد سارے عرب کے مقابلے میں بہت ہی کم اور ناقابلِ ذکر تھی ۔

امورِ عامہ کا انتظام

اشاعتِ اسلام کی غرض سے قبائل عرب میں دعاۃ اسلام کی ترسیل اور مدینہ میں قبائل وفود کی آؤ بھگت کے ساتھ ہی رسول اکرمؐ نے

مختلف علاقوں کے لئے زکات وصدقات وصول کرنے کے لئے محصلین مقرر کر کے بھیجے ان محصلین کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کے مال سے زکوٰۃ کا معین حصہ لیں اور چھانٹ کر اچھا اچھا نہ لیں عرب کے لوگوں کی ثروت ان کے اونٹ اور بکریاں تھیں۔ اس لئے زکوٰۃ میں یہی چیزیں وصول کی تھیں۔ زکوٰۃ محض ایک خاص درجہ کے ثروت مند لوگوں سے لی جاتی تھی اور اس کی شرح ڈھائی فی صدی سالانہ مقرر ہو چکی تھی۔ یہود اور نصاریٰ سے خراج اور جزیئے کے جو معاہدے طے ہوئے تھے ان کی وصولی کے لئے محصلین مقرر کئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ مختلف علاقوں میں عمال بھی بھیجے گئے جن کا کام ان علاقوں کے باشندوں کی مدد سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر (اچھے کاموں کے لئے کہنا اور برے کاموں سے روکنا) کا نفاذ تھا۔ اکثر صورتوں میں یہی عمال دین کے معلم بھی ہوتے تھے جو عام لوگوں کو اسلام کے شعائر سکھاتے تھے۔ اور نیک زندگی گزارنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ وعاۃ۔ معلمین۔ محصلین اور عمال اکثر انہی قبائل میں سے مقرر کئے جاتے تھے جن کے درمیان انہیں کام کرنا ہوتا تھا۔ اور اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ یہ لوگ خدا سے ڈرنے والے اور پرہیزگار اشخاص ہوں۔ اس کے باوجود انہیں روانگی کے وقت جو ہدایات دی جاتی تھیں ان میں تاکید کر دی جاتی تھی کہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ایسے لوگوں کو محصل اور عامل نہیں بنایا جاتا تھا جو خود اس منصب کے خواہشمند ہوتے تھے۔

نو اور دس ہجری میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم زیادہ تر اسی قسم کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ان مصروفیتوں نے حضورؐ کی صحت پر بہت اثر کیا۔ چنانچہ آپ فرطِ ضعف کے باعث بسا اوقات بیٹھ کر نماز ادا فرمانے لگے۔

حجۃ الوداع اور وفات

حج کی ادائیگی

ذی قعدہ سنہ ۱۰ ہجری میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیت اللہ شریف (خانہ کعبہ) کے حج کے لئے عزمِ مبارک کا اعلان فرمایا جونہی یہ خبر مشہور ہوئی دور و نزدیک کے مسلمان حضورؐ کی معیت میں حج کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ شنبہ ۲۶ ذو قعدہ کو مدینے سے روانہ ہوئے۔ مدینے سے چھ میل کے فاصلے پر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہونچ کر احرام باندھا۔ مدینے سے مکے تک کی مسافت نو دن میں طے کر کے ماہ ذوالحجہ کی چار تاریخ کو مکہ پہونچ گئے۔ حضورؐ کی رکاب میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان حج کے لئے جمع ہو گئے۔ نو اور دس ذوالحجہ کو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حج کے مناسک ادا فرمائے ان بیہودہ رسموں کو جو مشرکین عرب نے حج کی عبادت میں شامل کر لی تھیں ترک کیا۔ بعض بھولے ہوئے مناسک ادا فرمائے۔ اور قریش کے اس امتیاز کو مٹا دیا کہ وہ دوسروں کے ساتھ عرفات میں قیام نہ کریں۔ قریش

زمانۂ جاہلیت میں عرفات کے قیام کو اپنی شان کے منافی سمجھا کرتے تھے۔

نو ذوالحجہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی عرفات کے مقام نمرہ میں اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ حضور سرورِ کائنات کا آخری وعظ تھا۔ احادیث و سیر کی کتابوں میں یہ خطبہ اپنی کامل و مکمل صورت میں کہیں موجود نہیں۔ البتہ اس کے جستہ جستہ فقرے اور اس کی منتخب عبارتیں جو لوگوں کو یاد رہیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ انہی فقروں اور عبارتوں کا ترجمہ ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے۔ یہ خطبہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اسے ہادی برحق پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سمجھنا چاہیئے۔ خطبہ کے دوران میں آپ نے فرمایا:۔

"ہاں! میں نے آج جاہلیت کے تمام دستوروں کو اپنے پاؤں تلے کچل دیا ہے۔ اللہ نے تم سے جاہلیت کی گمراہیاں دور کر دیں۔ نسبی فخر مٹا دیئے۔ مومن متقی (معزز) اور فاجر شقی (ذلیل) ہے۔ آج کے بعد عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کیسی قسم کی فضیلت نہیں۔ انسان سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے تمام مسلمان ایک ہی برادری ہیں"۔

اے لوگو! اپنے غلاموں کا خیال کرو جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

جاہلیت کے خون کے دعوے سب کے سب باطل کر دیئے

گئے۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون یعنی ربیعہ بن الحارث
کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں[1]۔
جاہلیت کے تمام سُود بھی باطل کر دیئے گئے۔ سب سے پہلے
میں اپنے خاندان کا سُود یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سُود
باطل کرتا ہوں۔
عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو۔ تمہارا عورتوں
پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔
تمہارا خون اور تمہارا مال اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس
مہینے میں اور اس شہر میں حرام ہے۔ تا آنکہ تم اپنے پروردگار
سے جاملو (یعنی تاقیامت)
میں تم میں ایک چیز چھوڑ رہا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوطی سے
پکڑا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ چیز اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے۔
خدا نے ہر حق دار کو ازرو ئے قانون وراثت اس کا حق دے

---

[1] خون کے دعوے عرب میں مسلسل اور لگاتار جنگ و جدال کا موجب بنے رہتے
تھے۔ کیونکہ دعوے دار قاتل کے قبیلے سے افراد کو قتل کرنا اور انتقام لینا لازم سمجھتے تھے۔ ان
کا عقیدہ تھا کہ جب تک انتقام اور وہ بھی چند در چند جانیں لینے کی صورت میں نہیں لیا
جاتا اس وقت تک مقتول کی روح ہامہ یا صدیٰ بن کر چلّاتی رہتی ہے کہ میں پیاسی ہوں
مجھے خون پلاؤ۔ مؤلف

دیا۔ اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ۔

لڑکا اُس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ زانی کے لئے پتھر ہے اور اس کا حساب خدا کے ذمے ہے ۔

جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعوےٰ کرے اور جو غلام اپنے مولا کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ۔

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں ۔

قرض ادا کیا جائے، اُدھار واپس دیا جائے۔ عطیّہ لوٹا یا جائے ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے ۔

اور ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کریگا ۔

ہاں! مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں ۔

اگر کوئی نکٹا حبشی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو ۔

ہاں! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ تمہارے اس شہر میں قیامت تک پھر کبھی اس کی پرستش کی جائیگی ۔ لیکن

تم چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کروگے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھو۔ مہینے کے روزے رکھا کرو اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ خدا کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

"مذہب میں غلو اور مبالغے سے بچے رہنا کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوتیں۔"

خطبہ دینے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مخاطب ہوکر پوچھا اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ہاں! کیا میں نے خدا کا پیغام سنا دیا لوگوں نے جواب دیا۔ ہاں یا رسول اللہ۔

آپ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ (اے خدا! تو گواہ رہیو)

آپ نے پھر پوچھا اَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ (تم سے خدا کے ہاں میری بابت پوچھا جائے گا تم کیا کہو گے؟)

مسلمانوں نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کیا اس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف تین دفعہ انگلی اٹھا کر تین دفعہ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ (اے خدا تو گواہ رہیو) کہا۔

جس روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں خطبہ ارشاد فرمایا اسی دن خدا کی طرف سے انہیں وحی کے ذریعے حسب ذیل پیغام ملا:-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ہ

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کرلیا) یہ وحی اس بات کا پیغام تھی کہ خدا کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشن پورا ہوگیا اور دین اسلام جو نوع انسانی کے آغاز سے رسولوں اور نبیوں کی وساطت سے لوگوں کو پہنچایا اور سکھایا جارہا تھا اس دن اپنے ارتقا کی ساری منزلیں طے کرکے پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ ذوالحجہ تک مکہ میں قیام فرمایا اور ایک دو اور خطبے بھی دیئے جو انہی مضامین کے حامل تھے۔ خطبۂ حج کے اختتام پر آپؐ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔ اس حج کے دوران میں آپؐ بار بار یہ کہتے تھے کہ مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو شاید مجھے دوسری بار حج ادا کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ آخری خطبے کے بعد آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ دوسروں کو جو موجود نہیں یہ پیغام پہنچا دیں۔

مدینہ کی طرف لوٹتے وقت آپؐ نے غدیر خم کے مقام پر صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا :۔

"اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ان میں سے ایک تو کتاب اللہ

ہے جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ پس خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے چمٹے رہو۔ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ اپنے اہل بیت کے بارہ میں میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں"۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے اس خطبے میں حضرت علیؓ کے لئے بعض تعریفی جملے بھی ارشاد فرمائے اور آخیر میں کہا:۔

"جس کو میں پیارا ہوں علیؓ بھی اس کو محبوب ہونا چاہئیے۔ اے خدا جو علیؓ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علیؓ سے عداوت کرے تو بھی اس سے عداوت کر"۔

چند دن کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب کے وقت مدینہ کی سرزمین میں حسب ذیل دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوئے۔

اَللّٰہُ اکبر لا الٰہ اِلّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کُلِّ شَیْءٍ قدیر، آئبون۔ تائبون۔ عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللّٰہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ"۔

(اللہ بزرگ و برتر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کے لئے ملک ہے اور ستایش۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لوٹے آرہے ہیں توبہ کرتے ہوئے۔ عبادت گزارتے ہوئے۔

سجدہ کرتے ہوئے۔ اپنے پروردگار کی ستائش کرتے ہوئے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے جمیعتوں کو شکست دی ۔

وفات

سلہ ۱۱ھ ۶۳۲ء

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ذوالحجہ میں حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر مدینہ پہونچے اور کوئی دوماہ کے بعد ۱۸ یا ۱۹ صفرالمظفر کو آپؐ کی طبیعت ناساز ہوگئی ۔

علیل پڑنے سے ایک دن پہلے آپؐ نے حدودِ شام کے عیسائی عربوں کے خلاف مہم بھیجنے کا حکم دیا اور اسامہ بن زیدؓ کو اس مہم کا سالار مقرر کردیا۔ اسامہ کے باپ زیدؓ وہی تھے جو جنگِ موتہ کے دوران میں حدودِ شام کے عیسائیوں کے ہاتھوں شہید ہوچکے تھے اور موتہ کی مہم کے قافلہ سالار تھے ۔

علالت کے دوران میں جب تک حضورؐ کے جسم مبارک میں سکت رہی آپؐ مسجد نبوی میں تشریف لاکر نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔ ایک دن عشا کی نماز کے وقت آپؐ نے تین وقفہ غسل کیا اور تینوں دفعہ بیہوش ہوگئے اس لیے آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں ۔

اس کے بعد پنجشنبہ کو آپؐ بڑی مشکل سے مسجد میں تشریف لائے حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن حضورؐ نے اشارے سے منع فرما دیا اور خود ابوبکرؓ کے پاس بیٹھ کر امامت فرمانے لگے۔ اس نماز کے بعد آپؐ نے مختصر سا خطبہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو دنیا کی نعمتوں کو قبول کر لے چاہے وہ چیز لے جو خدا کے پاس ہو اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کر لی ہیں"۔

حضرت ابوبکرؓ یہ سمجھ کر کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد میں اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں رو پڑے۔ حضورؐ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

"سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں اپنی اُمت میں سے کسی کو اپنا دوست بناتا تو وہ ابوبکرؓ ہیں لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ ابوبکرؓ کے در یچے کے سوا اور کسی دریچہ کا رُخ مسجد کی طرف نہ رکھا جائے۔ ہاں! تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ تم ایسا نہ کرنا۔ میں تم کو اس بات سے منع کر جاتا ہوں"۔

"اے لوگو! میں انصار کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اُسی طرح کم ہوتے

جائیں گے جیسے کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں۔ جو شخص تمہارے نفع و نقصان کا متولّی ہو اس کو چاہیئے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں انہیں قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو انہیں معاف کرے۔

"شام کی مہم کے لئے اسامہ رضؓ کے سردار بننے پر تم معترض ہو۔ اس کے باپ زید رضؓ کے سردار بنائے جانے پر بھی تم معترض ہوئے تھے۔ لیکن خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ (اسامہ رضؓ) مجھے بہت محبوب ہے۔"

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی۔"

"اے رسول خدا کی بیٹی فاطمہ رضؓ اور اے رسول خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو میں تمہیں خدا کی باز پرس سے نہیں بچا سکتا"۔

اس خطبہ کے بعد آپ حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے اور اپنی بیٹی فاطمہ رضؓ سے کان میں کہا کہ "میں اس مرض میں انتقال کر جاؤں گا" حضرت فاطمہ رضؓ یہ سن کر رو پڑیں اس کے بعد آپ نے کہا "غم نہ کرو۔ میرے

خاندان میں سے سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی" یہ سنکر حضرت فاطمہ ہنس پڑیں۔

اگلے دن نماز فجر کے وقت آپؐ نے حجرۂ مبارک کا دریچہ کھول کر مسجد کی طرف جھانکا۔ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ رضؓ نے آخری زیارت کا شرف حاصل کیا۔ آپؐ پردے لٹکا کر جلدی واپس چلے گئے اُس روز آپؐ کی طبیعت زیادہ بے چین ہونے لگی۔

اس اضطراب کے عالم میں آپؐ کی زبان مبارک سے جو فقرے سُنے گئے وہ حسب ذیل تھے:-

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے
اَللّٰهُمَّ فِى الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى	انعام کیا اے خدا بزرگ و برتر رفیق
اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ	نماز اور وہ جو تمہاری مِلک میں ہیں (غلام اور لونڈیاں)
بَلِ الرَّفِيْقُ الْاَعْلٰى۔	فقط رفیق اعلیٰ اور بس

صبح سے لے کر سہ پہر تک اضطراب اور بے چینی کی یہی کیفیت طاری رہی سہ پہر کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم فانی سے منہ موڑ کر رفیق اعلیٰ کے ساتھ جا ملے۔ [1]

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

---

[1] اس موقع پر یہ بات ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ وفات کے قریب

باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۷ پر

روایات سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن دوشنبہ تھا اور ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی سنہ ۱۱ ہجری مطابق مئی ۶۳۲ء۔

آپؐ نے کل تریسٹھ سال عمر پائی چالیس سال قبل نبوت کی زندگی بسر کی بعثت کے بعد ۱۳ سال مکہ میں گزارے اور آخری دس سال مدینے میں بسر فرمائے۔

تجہیز و تکفین

صحابۂ کرام مسجد نبوی کے باہر اکٹھے ہو رہے تھے۔ ان کے کانوں میں حضورؐ کی وفات کی بھنک پڑی تو آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ

پیغمبر اسلامؐ کی زبان پر اظہار شکر کے طور پر بار بار یہ الفاظ آتے تھے کہ "اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور جمعیتوں کو تنہا شکست دی۔" اس کے مقابلے میں بائیبل کے بیان کے مطابق اس شخص کی زبان سے جسے مسیح یا حضرت عیسےٰؑ سمجھ کر صلیب دی گئی سکرات موت کے وقت یہ الفاظ نکلے " ایلی۔ ایلی لما سبقتنی اے آقا۔ اے مالک تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) بائیبل کا یہی فقرہ مروجہ دین مسیحی کو جھٹلانے کے لئے کافی ہے۔ (مولف)

کی طبیعت یہ باور کرنے کے لئے تیار نہ تھی کہ حضورؐ وفات پا گئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ایسا کیا۔ لیکن ممکن ہے کہ ان کا یہ فعل ان فتنوں کے سدباب کے لئے ہو جو قبل از وقت افواہ پھیلنے سے ظاہر ہو سکتے تھے یا جن کے ظہور کا خطرہ محسوس کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال سرِ شام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ طور پر اعلان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "اے لوگو! سن لو تم میں سے جو محمدؐ کی پرستش کرتے تھے وہ جان لیں کہ محمدؐ فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ وہ جان لیں کہ اللہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا" اس اعلان کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کریم کی وہ آیتیں پڑھ کر لوگوں کو تسکین دی۔ جو غزوۂ احد کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت پا جانے کی افواہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں متعلقہ آیات حسب ذیل ہیں:-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ہ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ط وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ج وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ط وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ۔ (آل عمران)

(اور محمدؐ تو فقط رسول ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اِن سے پہلے بھی بہت سے رسُول گزر چکے ہیں۔ پس کیا اگر وہ وفات پا گئے یا شہید کر دیئے گئے تو تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اگر کوئی اُلٹے پاؤں لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اللہ شکر کرنے والوں کو صلہ دے گا۔ کوئی شخص اللہ کے حکم کے سوا نہیں مر سکتا۔ یہ تو وقت مقرر لکھا جا چکا ہے۔ جو دنیا کا ثواب چاہتا ہے ہم اُسے اس میں سے دیتے ہیں اور جو آخرت کا ثواب چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیتے ہیں اور ہم شُکر کرنے والوں کو صلہ دیں گے)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اعلان کے بعد اکثر لوگوں نے حُجرہ کے اندر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میّت کو دیکھنے اور تجہیز و تکفین میں جسم اطہر حصّہ لینے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت صدیقؓ نے سب کو روک دیا صرف اوسؓ بن خولی انصاری کو حضرت علیؓ کی اجازت سے اندر جانے کی اجازت دی گئی۔

فضل بن عباسؓ۔ اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عباسؓ نے پردہ کیا حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ اوس بن خولی انصاریؓ پانی لاتے تھے۔ اسامہؓ پانی ڈالتے تھے۔ علیؓ غسل دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کے دونوں بیٹے قثم اور فضل جسم مبارک کو کروٹیں دلاتے تھے۔

غسل اور تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے کے بعد سوال پیدا ہوا کہ جسد اطہر کہاں رکھا جائے حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ دیا کہ نبی کو اسی

مقام پر دفن کرنا چاہیئے جہاں وہ فوت ہوا ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں اسی مقام پر جہاں آپؐ صاحب فراش رہے تھے قبر کھود دی گئی۔ حضرت ابو طلحہ رضؓ نے مدینہ کے دستور کے مطابق لحدی قبر تیار کی۔

اس کے بعد عام لوگوں کو حجرہ کے اندر داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ سہ شنبہ کو سحر سے لے کر شام تک لوگ جنازہ کی نماز پڑھتے رہے۔ اس نماز کی امامت کسی نے نہ کی۔ سب نے یہ نماز اپنے طور پر ادا کی۔ سہ شنبہ کو سر شام جاکر جسم مبارک قبر میں اتارا گیا۔ قبر میں اتارنے والے حضرت علی رضؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ترکہ چھوڑا وہ نو تلواروں۔ سات زرہوں۔ چھ کمانوں۔ ایک ترکش۔ ایک پیٹی۔ ایک ڈھال۔ پانچ نیزوں۔ دو خودوں۔ تین جبّوں۔ ایک سیاہ علم اور چند سبز اور سفید جھنڈوں پر مشتمل تھا۔ گھر میں کچھ دینار تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران علالت ہی میں فقرا و مساکین میں تقسیم کرا دیئے تھے۔ مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغ ایسے تھے جن کی پیداوار سے آپؐ اپنے اور اپنی ازواج مطہرات کے گزارے کے لئے کچھ صرف فرمایا کرتے تھے اور باقی خیرات کر دیا کرتے تھے۔ یہ باغ وقف عام سمجھے گئے۔ اور مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت قرار پائے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد فدک کے باغ کو حضور کی ذاتی ملکیت

قرار دے کر اس کی وراثت کے دعوے دار ہوئے۔ یہ دعوے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جو رسول اللہ ؐ کے خلیفہ مقرر ہوئے تھے قابلِ پذیرائی نہ سمجھا اور فیصلہ دیا کہ ان باغوں کی آمدنی اسی طریق سے صرف ہوتی رہے گی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف ہوا کرتی تھی۔

پیغمبرِ اسلام کی تحصیلات

اللہ کے رسول محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عہدِ رسالت کی تیئیس ۲۳ سالہ جدوجہد میں اپنے مقاصد میں جو کامیاں حاصل کیں اور اپنے خدائی مشن کو جس حدتک آگے بڑھایا وہ انقلاباتِ عالم کی تاریخ میں اپنی کیفیت وکمیت کے اعتبار سے بہت ممتاز اور نمایاں وقعیت رکھتی ہیں۔ ان کامیابیوں کا اجمالی سا خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

دین اور کتاب

سب سے پہلی اور بڑی بات جو پیغمبرِ اسلامؐ کی تحصیلات میں نظر آتی ہے وہ دینِ اسلام اور اللہ کی کتاب قرآن ہے جنہیں نوعِ انسانی میں رائج ومروّج کرنے کے لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی وسیلہ بنی اور ان کی مساعی بارآور ہوئیں۔

پیغمبرِ اسلام نے نوعِ انسانی کو ایک ایسا دین یعنی دستورِ حیات نظامنامۂ زندگی دیا جو انسان کے اندازِ فکر اور اندرونی حسیات و وجدان سے لے کر اس کے ذاتی اعمال۔ اس کی سیرت۔ اس کے اجتماعی تعلّقات غرض اس کی زندگی کے اوڑھنے بچھونے اور اس کی حیات کے

تمام پہلوؤں پر پوری طرح حاوی ہے۔ زندگی کے اس ضابطہ کو جس کا نام اسلام ہے قبول کرنا اور اختیار کرنا جبری نہ تھا۔ بلکہ ہر انسان کو اپنی اور ساری نوع انسانی کے فلاح کی خاطر اسے قبول کرنے کی دعوت دی گئی اور جن لوگوں نے اسے قبول کیا برضا و رغبت قبول کیا۔ اس دین کی شرح کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوع انسانی کو ایک کتاب دی جس کا نام قرآن ہے یہ کتاب خدا کا کلام ہے جو تیئس سال کے دوران میں رسول خدا پر تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور آخر میں ایک مکمل کتاب بن گیا۔ جو تا قیام قیامت انسانوں کو دین اسلام کے احکام سمجھاتی رہے گی اور انہیں فوز و فلاح۔ نجات اور کامرانی کی طرف بلاتی رہے گی۔

تربیت یافتہ جماعت اور ایک نئی ملت

اللہ کے رسول محمدؐ نے دین اور کتاب کے ساتھ دنیا کی اصلاح اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی کے لئے تربیت یافتہ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی طیار کر دی جو اس دین کو سچے دل سے ماننے والے اور اس کتاب کے احکام پر روحانی اشتیاق و رغبت سے عمل کرنے والے تھے۔ اس جماعت کی تعداد حضورؐ کی وفات کے وقت تک اگر لاکھوں تک نہیں تو پانچ ہندسوں کی بالائی رقموں میں ہزاروں تک ضرور پہنچ چکی تھی۔ اور فیضان صحبت و تربیت کے بے شمار چشمے جاری ہو چکے تھے جو روحانی تشنگی رکھنے والی زمینوں کو سیراب کر رہے

تھے۔ تربیت یافتہ دعاۃ اور معلمین سرزمین عرب کے ہر گوشے اور ہر کونے تک پہنچ گئے تھے۔ جو اس تربیت یافتہ جماعت کی تعداد میں اضافہ کر رہے تھے اس جماعت کے علاوہ عربستان کی ساری آبادی جو یقیناً لاکھوں تک پہنچی تھی دین اسلام قبول کر کے ایک نئی ملت بن چکی تھی یہ نئی ملت اپنی اچھی خصلتوں کو برقرار رکھتے ہوئے اُن بُری عادتوں سے پرہیز کرنے لگی تھی جو اسلام لانے سے پہلے عربوں کی اجتماعی زندگی کے لئے طرح طرح کی تباہیوں اور مصیبتوں کا موجب بنی رہتی تھیں۔

انقلاب آفریں اصلاحات

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کے نام سے جو نئی قوم تیار کی وہ اُن قبائلِ عرب سے عادات وخصائل اور افکار وعقائد کے اعتبار سے بہت مختلف تھی جو اسلام سے پہلے عرب میں موجود تھے۔ افراد وہی تھے لیکن ان کی زندگیوں کے اسلوب۔ ان کے خیالات۔ ان کے محرکات عمل اور ان کے عزائم یکسر بدل گئے۔ محمدؐ نے جس کامیابی کے ساتھ عربوں میں انقلاب آفریں اصلاحات رائج کیں اس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم کے صفحات یکسر قاصر ہیں۔ سماجی اور معاشرتی حیثیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ ونسب کے سب غرور اور امتیاز مٹا کر تمام انسانوں کو مساوات کا عملی درس دیا۔ یعنی پیرووں اور ماننے والوں کے درمیان اس مساوات کو عملاً رائج کر کے دکھا دیا۔ انسانیت کے حقوق کالے اور گورے۔ عربی اور عجمی

قریشی اور غیر قریشی امیر اور غریب سب کے لئے مساوی قرار دیئے۔ اور یہ بتایا کہ عزت و اکرام کا مستحق وہی شخص ہے جو زیادہ نیک اور زیادہ پرہیز گار ہو۔ نیکی اور پرہیز گاری کا معیار یہ تھا کہ جو شخص خدا سے ڈر کر خود بخود دوسرے لوگوں کے حق غصب کرنے اور انہیں گزند پہنچانے سے محترز رہے وہ نیک اور پرہیز گار ہے۔ جس کے اعمال اس کے برعکس ہوں وہ فاسق فاجر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلامی کی قدیم انسٹی ٹیوشن کو جو اس وقت دنیا کے تمام ملکوں میں رائج تھی اور ان کی زندگی کے بعد صدیوں تک رائج رہی سرے سے محو تو نہ کر سکے لیکن اس انسٹی ٹیوشن میں حضورؐ نے انقلاب آفریں اصلاح یہ رائج کی کہ غلام کو مذہبی حیثیت سے گھرانے کے ایک فرد کا درجہ دے دیا اور مسلمانوں کو تاکید کر دی کہ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ گھروں میں کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کے معاملے میں کسی قسم کا امتیازی سلوک جو انہیں نظروں سے گرانے والا ہو ہرگز نہ کیا جائے۔ عبد کا یہ حق قائم کرنا اس کے آزاد کر دینے سے بدرجہا بہتر تھا۔ اس کے باوجود رسول اکرمؐ نے غلاموں کو آزاد کرنا اور کرانا کارِ ثواب قرار دیا اور اکثر خطاؤں کا کفارہ لونڈی غلام کو آزاد کرنا قرار دے دیا۔ امت مسلمہ کی اکثریت صدیوں تک حضورؐ کے ان احکام پر سختی کے ساتھ پابند رہی۔ تاآنکہ جیسا کہ بعد کے اوراق میں ذکر آئے گا مصر و ہندوستان اور دوسرے اسلامی ملکوں میں غلاموں نے بادشاہی کے تاج زیب سر کئے۔ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرورِ زمانہ کے

باعث بعض مسلمانوں سے بعض ادوار میں اس سلسلہ میں کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں + لیکن ان کا الزام اسلام اور رسول خدا کی تعلیم و تلقین پر نہیں دھرا جا سکتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو سکرات۔ موت کی ساعتوں میں بھی "نمازوں اور غلام" کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے رہے ٭

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نئی ملت پیدا کی اس میں عورتوں کا درجہ بھی مردوں کے برابر قرار دیا جو اس وقت سے پہلے کسی جگہ اور کسی دور میں جنس لطیف کو حاصل نہ تھا۔ عورتیں اسلام سے قبل مردوں کی ملکیت یا جائداد شمار ہوتی تھیں اسلام نے انہیں مردوں کی طرح ملکیت اور جایداد رکھنے کا حق دیا۔ معاشرتی اور اخلاقی قانون مردوں اور عورتوں کیلئے یکساں واجب قرار دیئے۔ صرف وراثت کے اقتصادی قانون میں بیٹی کا حصہ بیٹے سے نصف مقرر کیا جس کی وجہ ظاہر و باہر ہے[له]

له بڑی اور نمایاں وجہ یہ ہے کہ عورت کو مناکحت کے وقت مرد سے مہر وصول کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ جو اس کی ایسی جائداد ہے جو اس کے بھائی مرد کو نہیں ملتی بلکہ مرد کو ادا کرنی پڑتی ہے + بہن کو باپ کے ترکہ سے بھائی کی بہ نسبت نصف حصہ ملتا ہے تو اسے اپنے شوہر سے مہر بھی مل جاتا ہے لیکن اس کے بھائی کو اپنے حصے میں سے اپنی بیوی کا مہر ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح بہن اور بھائی جایداد کے لحاظ سے بھی تقریب قریب برابر ہو جاتے ہیں ٭

سماجی اصلاحات کے سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے انسانوں پر حقوق متعین کر دیئے۔ صلہ رحمی اور اقربا و اعزا سے حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید کی۔

عرب کے لوگوں میں قبیلوی مخاصمت کا عیب زبردست جڑ پکڑ چکا تھا۔ یہ مخاصمتیں سو سو سال کی پیہم لڑائیوں کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔ اسلام نے قتل کی سزا قصاص مقرر کر کے قبیلوی عنادوں اور مخاصمتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ ساری امت کو ایک ہی برادری قرار دے کر قبیلوی جھگڑے مٹا دیئے۔ قبیلوی نسبت محض تعارف کے لیے باقی رہ گئی۔

اخلاقی اعتبار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے عربوں کی زندگی میں اتنا زبردست انقلاب برپا کر دیا کہ اس کا باور کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ عرب جو اسلام لانے سے پہلے شراب خوری، زنا کاری، قمار بازی، فواحشیں، فریب، خیانت، بد دیانتی اور جھوٹ کی برائیوں میں شدت سے مبتلا تھے۔ رسول خدا کے فیضانِ تربیت سے ان معائب سے تائب ہو کر فرشتہ خصلت انسان نظر آنے لگے۔ متذکرہ صدر برائیاں عربوں میں پہلے ہنر سمجھی جاتی تھیں یا بدرجۂ اقل روز مرہ کی معمولات خیال کی جاتی تھیں لیکن اسلام لانے کے بعد یہ باتیں رسوائی کی بدترین منکرات شمار ہونے لگیں۔ قوم کی قوم میں قلیل مدت کے اندر اتنا زبردست اخلاقی انقلاب برپا کر دینا اللہ کے رسول ہی کا کام تھا۔ دنیا بھر کا اور کوئی ریفارمر اتنی بڑی کامیابی کا مدعی نہیں ہو سکتا۔

معاشی حیثیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو لوٹ مار
غارت گری، چوری اور سود خوری سے روکا اور حصولِ معاش کے لئے تجارت
زمینداری، نخل بندی، کان کنی، صناعی، حرفہ کاری، اور محنت مزدوری کے
پیشے اختیار کرنے کی تلقین کی۔ مالِ غنیمت کو جو ناگزیر جنگوں کے نتیجہ میں حاصل
ہوتا تھا اسلام نے جائز اور طیب قرار دیا لیکن ان کی خواہش اور تمنا لے
کر لڑائی میں شامل ہونا حرام قرار دے دیا۔

فکری اور وجدانی حیثیت سے اسلام نے زندگی کے متعلق مسلمانوں
کا زاویۂ نگاہ ہی یکسر بدل دیا اور یہ بتایا کہ مسلمان جو کام بھی کرے وہ اپنے
ذاتی لالچ کی تحریک سے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے حصول کی نیت سے کرے۔
اس کے پیشِ نظر دنیا کی زندگی کو احسن طریق اور جائز وسائل سے بسر
کرنا تو ہو لیکن اس کی نگاہیں ہمیشہ آخرت کی ابدی اور جاودانی زندگی کو
بہتر بنانے پر لگی رہیں جس کا طریق اسلام نے یہ بتایا کہ اُسے اس زندگی میں
اپنے جملہ اعمال کو نیک بنائے رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اسلام کی انقلاب آفریں اصلاحات نے جو عربوں کے ظاہر و باطن پر
اثر انداز ہوئیں اچھے خصائل اور پاکیزہ عادات رکھنے والے لوگ پیدا کر دیئے
جو خدا کے خوف سے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اکلِ حلال اور
صدقِ مقال پر سختی سے کاربند رہنے لگے۔ اپنی جان اور دوسرے انسانوں
کے ان حقوق کی پاسداری کرنے لگے جو اسلام نے مقرر کر دیئے ہیں۔ اور
ان کی تمام ترقتیں ایسی کمیونٹی (ملت) قائم کرنے پر مجتمع ہوئیں جو رنگ و نسل

کے امتیازات کو چھوڑ کر انسانیت کی برادرانہ حس پر مبنی ہے۔ توحید باری تعالیٰ کے عقیدہ کو محو بنا کر چلتی ہے۔ نیکوکار اہم پرہیزگار ہے۔ لیکن رہبانیت یعنی ترکِ لذّات کو جائز قرار نہیں دیتی۔ اسلام کی اس نئی ملت کے افراد سرمایہ داری اور دولت کے انبار جمع کرنے) کو مکروہ سمجھنے لگے اور اپنے وافر مال کو خدا کی راہ میں محروموں اور مسکینوں پر صرف کرنا رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ جاننے لگے۔ اس ملت میں عزت واکرام کی پرانی قدریں مفقود ہوگئیں۔ نسب، خون اور ثروت مندی کے بجائے محض نیکی اور پرہیزگاری کی صفات عزت واکرام کی حقدار قرار پائیں۔ اسلام نے بتایا کہ نیکی یہ نہیں کہ انسان زندگی کی جدوجہد سے منہ موڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ اختیار کرے یا راہب خانے کمول کر بیٹھ جائے۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان خلقِ خدا کی بھلائی کی خاطر ہر ممکن سعی کرتا ہے اور اپنی کمائی میں سے صرف اتنا حق لے جو اس کی جائز ضروریات کے لئے مکتفی ہو۔ باقی خدا کی راہ میں مستحق لوگوں کی بہتری کے لئے صرف کردے

اسلام کے اس معاشی نظام کو عصر حاضر کی اصلاحات میں نہ تو سرمایہ دارانہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اشتراکی کہا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کے اصولوں پر اگر دینِ اسلام کی صحیح روح کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس نظام میں ہر انسان کی جائز ضروریاتِ زندگی احسن طریق سے پوری ہونے لگتی ہیں۔ قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں نے اس معاشی نظام کو عملاً رائج و نافذ کر دکھایا تھا + لیکن بعد کے ادوار میں اس نظام کے اندر کم وبیش خرابیاں رونما ہونے لگیں ۔

اقوام عالم آج تک ان معاشرتی۔ سماجی۔ اخلاقی۔ معاشی اور رُوحانی اصلاحات کو رائج کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہیں۔ ان اصلاحات کو حاصل کرنے کے لئے ہر جگہ قومی اور بین الاقوامی قوانین بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ لیکن خدا کے رسول محمدؐ نے اپنی اُمت میں یہ اصلاحات اُس وقت عملی طور پر رائج کر کے دکھادیں جب کہ ساری دُنیا طرح طرح کی ظلمتوں میں اسیر تھی اور علمی حیثیت سے سارا عالم ایک جہالت کدہ بن رہا تھا۔

اجتماعی نظام

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کوششوں سے عرب قبائل نے دینِ اسلام قبول کرلیا۔ اس دینی وحدت کا نتیجہ سیاسی حیثیت سے اس شکل میں برآمد ہوا کہ سارا عرب خود بخود ایک ہی اجتماعی نظام کا پابند نظر آنے لگا۔ اس نظام کا مرکزی نقطہ یا محور پیغمبرِ اسلامؐ کی ذاتِ گرامی تھا جسے تمام مسلمان احکامِ الٰہی کا مبلغ۔ مفسّر اور منقذ ہونے کے اعتبار سے ہر قسم کی اطاعتوں اور فرمانبرداریوں کا مرجع سمجھتے تھے۔ نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ پوری اور دلی عقیدتوں کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطاع ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کیفیت کو سمجھنے میں انسان غلطی کا مرتکب ہوسکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ طاقت و قوت حاصل کرنے کے بعد عرب کے مطلق العنان بادشاہ بن گئے تھے۔ لیکن ایسا خیال کرنا

واقعیت کے منافی ہے کیونکہ مطلقانہ ملکیت کے اقتدار کا سہارا جبر ہوتا ہے
ملوکیتیں اپنی عسکری طاقت اور جمعیت کے بل پر عام لوگوں کے اجسام
پر بجبر واکراہ حکومت کرتی ہیں۔ یہاں اس جبر واکراہ کا شائبہ تک موجود نہ تھا
پیغمبر اسلامؐ حکمران تھے لیکن وہ اجسام کے بجائے دلوں پر حکومت کرتے
تھے۔ لوگ محض رضامندی سے نہیں بلکہ دلی عقیدت سے ان کے مطیع و
فرمانبردار بن کر رہنا اپنے لئے باعث فخر اور فلاح دارین کے حصول کا ذریعہ
جانتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ خود احکام الہٰی کے تابع تھے اور عقیدتوں اور
اطاعتوں کا مرجع ہونے کے اعتبار سے انہیں حکمران ہونے کی جو پوزیشن
حاصل ہوئی اسے وہ محض اس مقصد وحید کی خاطر استعمال کرتے تھے کہ
سب لوگ اس قانون خداوندی کے تابع بن کر رہیں جو خدائے بزرگ و
برتر کی طرف سے قرآن مجید کی شکل میں ان پر نازل ہو رہا تھا۔ بارگاہ رسالت
اس دنیوی جاہ و جلال سے یکسر مبرا تھی جو قیصر و کسریٰ کے درباروں اور
دوسرے بادشاہوں سلطانوں اور حکمرانوں کے ہاں نظر آ رہا تھا۔ یہاں
نہ کوئی تنخواہ دار فوج تھی نہ مشاہرہ پانے والی پولیس تھی جو عام لوگوں کو
حکومت کا مطیع و منقاد رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی۔ رسول خداؐ مطاع
تھے تو اس لئے کہ عام لوگ بطیب خاطر ان کی اطاعت کرنا چاہتے تھے۔
اور ان کے احکام پر جو دراصل خدا کے احکام ہوتے تھے جان و مال اور
اعزہ و اقارب تک کو قربان کر دینا اپنے لئے ذریعہ نجات اور وسیلہ فلاح
دارین سمجھتے تھے۔

عرب کے منتشر اور منتشر قبائل کو دینِ اسلام قبول کر لینے کے باعث سیاسی وحدت حاصل ہو گئی۔ اس سیاسی وحدت کا اجتماعی نظام ۹ سنہ اور ۱۰ سنہ میں کچھ اسی طریق کا قائم ہوا کہ عربستان کا قبیلوی سماجی نظام علی حالہ قائم و برقرار رہا۔ ہر قبیلہ اپنے رئیس کے زیر اثر صحرائی آزادی کی زندگی بسر کر رہا تھا اور اسلام لانے کے بعد بھی کرتا رہا۔ ان کی زندگی کے پرانے اُسلوب میں صرف اتنا فرق آیا کہ بارگاہِ رسالت کی طرف سے ہر جگہ کے لئے دین کے معلم۔ زکوٰۃ کے محصّل اور عمّال مقرر کر دیئے گئے۔ معلم قبائلی لوگوں کو دینِ اسلام کی تعلیم دیتے تھے۔ قرآن پڑھاتے تھے۔ نماز کے طریقے سکھاتے تھے۔ فرائض دینی بجالانے کی تلقین کرتے تھے۔ زکوٰۃ کے محصّل زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ جو ہر مسلمان خدائی حکم کے ماتحت رضا و رغبت سے ادا کرتا تھا۔ یہ ٹیکس صرف ان لوگوں کے لئے تھا جو صاحبِ نصاب یعنی ایک معیّن درجہ تک اربابِ ثروت ہوتے تھے اور اس کی شرح ڈھائی فی صدی سالانہ مقرر تھی۔ عمّال لوگوں میں اپنی تلقینات سے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا انفاذ کرنے کے لئے متعیّن تھے۔ اور یہ مقصد وہ جبر سے نہیں بلکہ رائے عامہ کی اصلاح و درستی کے بل پر حاصل کرنے کے لئے مکلف ہوتے تھے۔ معلمین دین۔ یہ محصلین زکوٰۃ اور یہ عمّالِ حکومت عام طور پر انہی قبائل میں سے مقرر ہوا کرتے تھے جن میں انہیں کام کرنا تھا۔ صرف ایسے مقامات پر دوسرے لوگ بھیجے جاتے تھے جہاں ان فرائض کو سرانجام دینے والے اشخاص نہیں مل سکتے تھے۔ قبائل کے افراد مدینے آتے تھے۔ بارگاہِ رسالت میں کچھ عرصہ حاضر

رہ کر تربیت حاصل کرتے تھے۔ اور پھر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے تھے۔ ان تربیت یافتہ اشخاص میں سے جو اہل سمجھے جاتے تھے انہیں کوئی خدمت تفویض کر دی جاتی تھی۔ ان لوگوں کو جو اس قسم کی پبلک خدمات انجام دیتے تھے معمولی گزارے کے مطابق معاش دیا جاتا تھا۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ صرف وہی لوگ ان خدمات پر متعین ہوں جو تقویٰ اور پرہیزگاری کے باعث قابلِ اعتماد سمجھے جائیں۔ جو لوگ محصّل یا عامل بننے کے خود خواہشمند ہوتے تھے انہیں ذمّہ داری کا کوئی کام نہیں دیا جاتا تھا۔ بارگاہِ رسالت کی پبلک سروس کا محکمہ خالصتہً پبلک سروس تھا جسے تقرر پانے والے لوگ محض دینی فرض سمجھ کر اور فقط رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ادا کرتے تھے۔ یہ بات نوعِ انسانی کے اجتماعی نظاموں کو نہ اس دور سے پہلے کبھی حاصل ہوئی اور نہ اب تک حاصل ہو سکی ہے جب کہ دنیا میں کئی قسم کے جمہوری سیاسی نظام ترقی یافتہ صورتوں میں رائج و مروّج ہو رہے ہیں۔

بارگاہِ رسالتؐ کو فرضاً اگر مرکزی حکومت سمجھا جائے تو قبائل کی زندگی میں اس کا دخل صرف اتنا تھا کہ اس کے مقرر کردہ لوگ جو بسا اوقات انہی قبائل میں سے ہوتے تھے۔ انہیں دین کی تعلیم دیتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتے تھے۔ زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ قانونِ الٰہی کے مطابق ان کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ نپٹاتے تھے۔ ان مقاصد کے اجرا کے لیے ان کی پشت پر فوج یا پولیس کی کوئی طاقت نہ ہوتی تھی بلکہ متعلقہ لوگ رضامندی سے ان کے فرائض کی بجا آوری میں ہاتھ بٹاتے اور سہولتیں

مہیا کرتے تھے۔ اس مداخلت کے سوا اگر اسے مداخلت سمجھا جائے قبائل اپنے انتظامات میں پوری طرح آزاد تھے۔ ان کے معمولات سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔

یہ مسلمانوں کا معاملہ تھا۔ غیر مسلموں سے جن علاقوں کے لوگ بارگاہِ رسالت ﷺ کے زیر اثر رہ چکے تھے یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ غیر مسلم ذمی ان معاہدوں کے مطابق خراج دیتے تھے جو ان سے طے ہو چکے تھے۔ جہاں خراج طے نہیں ہوا تھا وہاں کے غیر مسلم ذمی زکوٰۃ کے بجائے جزیہ ادا کرتے تھے۔ جس کی مقدار زکوٰۃ کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ جزیہ کا محصول دے کر یہ ذمی لوگ عسکری خدمت سے مبرا رہتے تھے اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں پر ہوتا تھا۔ خیبر۔ فدک۔ وادی قریٰ اور وادی تیما کے یہودی۔ نجران اور حدود شام کے عیسائی عربوں سے یہ بات طے ہو گئی تھی کہ وہ اسلام کی لشکر کشی کے وقت اسلامی لشکر کو سامان رسد دیا کریں گے۔

عسکری نظام

بارگاہِ رسالت کے ہاں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ ہر مسلمان اسلام کی فوج کا سپاہی متصور ہوتا تھا۔ مہموں پر جانا یا نہ جانا ہر شخص کی اپنی مرضی پر موقوف تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت فوجی خدمت لازمی اور جبری نہ تھی بلکہ رضاکارانہ تھی۔ دین اسلام نے جہاد اور

قتال فی سبیل اللہ کو بہترین عبادت کا درجہ دے دیا۔ اس لئے مسلمان شوق سے جنگی خدمات بجا لاتے تھے اور اسے عربوں کی قومی روح کے مطابق نہ صرف باعث فخر خیال کرتے تھے بلکہ اسلامی عقیدہ کے مطابق آخرت کی زندگی میں جنت کے اندر اونچے درجے حاصل کرنے کا ذریعہ جانتے تھے۔ اسی عقیدہ نے اسلام کے لشکریوں کے حوصلے بہت ہی بلند کر دیئے تھے اور ہر مسلمان جہاد پر کر یا کسی اور وجہ سے مرنے پر جنگ میں لڑ کر شہادت کا درجہ پانے کو نہ صرف افضل و مرجح بلکہ زندگی کا عین مقصد سمجھنے لگا۔ اکثر جنگوں میں سپہ سالاری کے فرائض خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیئے جہاں خود تشریف نہیں لے گئے وہاں دوسرے لوگ امیر عسکر یا سپہ سالار مقرر کر دیئے جاتے تھے۔ ان سپہ سالاروں کے ماتحت دوسرے کماندار ہوتے تھے۔ فوجی نظم باقاعدہ اور منظم ہوا کرتا تھا۔ جنگی مصارف مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ وقتی ضرورت کے لئے چندے جمع کئے جاتے تھے اور قرض لئے جاتے تھے۔ عام طور پر ہر مجاہد اپنے ہتھیار بلکہ سواری کے جانور تک خود لاتا تھا۔ کسی قدر سامان رسد بھی گھر سے لے لیتا تھا۔ رسد کا باقی انتظام بارگاہ رسالت کے ذمے ہوتا تھا۔ نادار لوگوں کو بیت المال سے اسلحہ اور سواری کے جانور بشرطیکہ وافر ہوں دیئے جاتے تھے یہ مجاہد کسی قسم کی تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ عرب کے دستور کے مطابق صرف مال غنیمت ان کی جانبازیوں کا دنیاوی اجر ہوا کرتا تھا۔ اسلام نے اس میں وقتی اصلاح اور کر دی کہ مال غنیمت کو پہلے یکجا جمع کیا جاتا ۔۔ اس میں پانچواں

حصّہ بیت المال کے لئے رکھ لیا جاتا اور باقی مجاہدوں میں بحصّہ برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ سواری کے جانور اونٹ یا گھوڑے کے لئے بھی ایک حصّہ یا دو حصّے مقرر تھے۔ جنگی تربیت عربوں کا ایک قومی خاصہ تھی۔ جس کے لئے بارگاہِ رسالت نے کوئی خاص انتظام نہیں کیا تھا۔ البتہ گھوڑوں اور اونٹوں کو رکھنے اور پالنے کی تشویق دی جاتی تھی اور گھوڑ دوڑیں اور اونٹوں کی دوڑیں کرائی جاتی تھیں ؛

بیت المال

بارگاہِ رسالت کے بیت المال کی آمدنی کے ذرایع حسب ذیل تھے ؛

(۱) مالِ غنیمت جس کا پانچواں حصّہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا باقی مجاہدوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا ؛

۲۔ زکوٰۃ :۔ صاحبِ نصاب مسلمانوں کے مال وزر پر ڈھائی فی صدی سالانہ ٹیکس ؛

(۳) محاصلِ زمین :۔ بارانی زمینوں پر جو مسلمانوں کے قبضے میں تھیں آمدنی کا دسواں حصّہ اور ایسی زمینوں پر جس کی آبپاشی کا انتظام کسان خود کرتے تھے پیداوار کا بیسواں حصّہ ؛

(۴) غیر مسلموں سے زمین کا خراج جو معاہدے کے رُو سے طے ہو جاتا تھا ؛

(۵) غیر مسلموں سے جزیہ۔ جس کی مقدار بہت معمولی ہوا کرتی تھی۔ مثلاً

ایک درہم فی کس سالانہ ۔

بیت المال کی آمدنی جنگی مہموں پر صرف کی جاتی تھی۔ تالیفِ قلوب کے لئے نو مسلموں پر۔ یتیموں مسکینوں۔ فقیروں۔ مسافروں اور مہمانوں پر صرف ہوتی تھی۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے بیت المال سے روپیہ دیا جاتا تھا۔ مقروضوں کے قرض ادا کئے جاتے تھے اور محصلینِ زکوٰۃ اور عمال وغیرہ خدمت عامہ بجالانے والوں کو گزارے کے مطابق تنخواہیں دی جاتی تھیں۔

بارگاہِ رسالت کی طرف سے بعض لوگوں کو اُفتادہ زمینیں۔ جاگیریں۔ کانیں اور چشمے وغیرہ بھی عطا کئے گئے۔ گویا ایسی چیزیں جو پہلے سے کسی کے قبضہ میں نہیں تھیں بیت المال سمجھی جاتی تھیں۔

شوریٰ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خدا اور عقیدتوں کے مرجع ہونے کے باعث اگرچہ کلی اختیارات کے مالک تھے۔ تاہم آپ ملکی اور عسکری مہمات امور میں اپنے صحابہ اور عام مسلمانوں سے مشورہ کر لینا ضروری سمجھتے تھے اور ان فیصلوں پر کاربند ہوتے تھے جو باہمی مشورے سے طے ہو جاتے تھے۔ جنگ احد کے موقع پر آپ نے اپنی رائے کے خلاف شہر سے باہر جاکر لڑنا منظور کر لیا کیونکہ مجلس شوریٰ میں مدینے کے نوجوانوں کا اصرار یہی تھا۔ اور اکثریت ان کی رائے کی حامی نظر آرہی تھی۔ شوریٰ میں سب کو شامل ہونے کا حق حاصل تھا۔ عہد رسالت میں باہمی مشورت کی کوئی معین صورت

اختیار نہیں کی گئی یعنی کوئی باقاعدہ مجلس، کونسل یا اسمبلی موجود نہ تھی۔ تاہم عام اور خاص انتظامی امور میں صحابہ کرامؓ کا مشورہ شامل حال ہوتا تھا۔ اور صحابہؓ ہر گونہ ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھنے کے باوجود مشورہ دینے میں تامل سے کام نہ لیتے تھے۔ جنگ بدر میں جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام کو پڑاؤ کے لئے منتخب کیا تو ایک صحابی حباب بن منذرؓ نے عرض پیش کی کہ آیا یہ حکم وحی الٰہی کے رو سے ہے یا آپؐ کی ذاتی رائے ہے جب انہیں بتایا گیا کہ ذاتی رائے ہے تو صحابی نے کہا کہ پھر میرے خیال میں چند قدم آگے بڑھکر پڑاؤ ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ وہاں کی زمین اچھی ہے اور پانی کے چشمے قریب ہیں۔ سپہ سالار نے ایک عام سپاہی کے اس مشورہ کو اپنی رائے پر ترجیح دی۔ اور اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔

پیغمبرِ اسلام کی شخصیت

شانِ محبوبی

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک نہایت ہی محبوب اور جاذب شخصیت کے مالک تھے۔ جو اپنے پیروؤں اور ملنے والوں کے دلوں میں اپنے لئے صرف عقیدت مندانہ تعظیم ہی کے نہیں بلکہ والہانہ محبّت کے جذبات پیدا کر دیتی تھی۔ شخصیت انسان کے قد و قامت۔ شکل و صورت۔ عادات و خصائل۔ اخلاق و اطوار، نشست و برخاست سلوک و معاملت اور گفتار و کردار کی خوبیوں اور برائیوں سے بننے والے ایک پیکر کا نام ہے جو دوسروں پر اثر انداز ہو کر ان کے طبائع پر اپنے لئے ردِعمل پیدا کرتی ہے۔ حضرت محمدؐ کی شخصیت کے محبوب ہونے کا چمکتا ہوا ثبوت یہ ہے کہ جس شخص کو بھی آپ سے میل ملاقات کا اتفاق پڑا یا کوئی معاملہ پیش آیا وہ آپؐ کی شخصیت سے ہمیشہ اچھے اثرات لے کر گیا اور جن لوگوں کو شب و روز آپؐ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل تھی وہ تو دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہو رہے تھے۔ ان میں سے بعض کی محبّت

وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ کے وضو کے پانی کو تبرّکاً اپنے چہروں پہ ملتے۔ کٹے ہوئے بالوں کو حسنِ عقیدت سے اپنے پاس محفوظ رکھتے اور حضورؐ کے پسینے پر اپنی جانیں چھڑکتے تھے۔ صدیقؓ اور عمرؓ ایسے قریبی جاں نثار اس تاک میں رہتے تھے کہ حضورؐ نے جس پیالے سے دودھ یا پانی نوشِ جاں فرمایا۔ اس کی تلچھٹ انہیں مرحمت ہو۔ یہ سب کیفیتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبی کے معمولی کرشمے تھیں جن میں تملق، خوشامد، نمائش یا رواج کو کسی قسم کا دخل حاصل نہ تھا۔

غزوۂ حنین کے بعد جب مدینے کے انصار میں سے بعض اشخاص کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے زیادہ حصہ مکّہ کے قریشی نومسلموں کو دے دیا ہے اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر ایک فصیح و بلیغ تقریر کی جس کے آخر میں فرمایا!

"اے انصار کیا تم اس بات پر رضا مند نہیں کہ اور لوگ تو میدانِ جنگ سے بکریاں اور اونٹ ہانک کر لے جائیں اور تم اپنے ساتھ مجھے لے جاؤ"۔

اس حقیقت کے اعلان نے انصار کو اتنا متاثر کیا کہ ان کی داڑھیاں اشکوں سے تر ہونے لگیں۔ یہ محمدؐ کی شخصیت کی شانِ محبوبی کا کرشمہ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکّہ سے مدینہ پہنچتے ہیں

اور پھر چند سال بعد غزوۂ تبوک کے سفر سے واپس مدینے آتے ہیں اور مدینے کی بچیاں طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا (ہم پر چاند طلوع ہو) کا گیت گاتی سُنائی دیتی ہیں ؛

فتح مکہ کے وقت آپ قریش سے جو متواتر تیئس ۲۳ سال حضورؐ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے رہے جب یہ سوال کرتے ہیں کہ "جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں" تو وہ متفق اللسان ہو کر جواب دیتے ہیں

"اَنْتَ اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ"

(آپ ہمارے برگزیدہ بھائی ہیں اور ہمارے برگزیدہ بھائی کے بیٹے ہیں)

عادات و خصائل

عادات کے اعتبار سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سادگی پسند طبیعت پائی تھی۔ آپؐ جوگیوں اور راہبوں کی طرح اپنی جان پر بلاوجہ اور غیر ضروری تقشف نہیں کرتے تھے لیکن کھانے پینے اور پہننے کے معاملے میں تکلف کو بھی بہت ناپسند فرماتے تھے۔ کھانے کو معمولی سادہ غذائیں جو بھی مل جاتی تھیں انہی پر اکتفا کرتے تھے۔ کوئی چیز ناپسند ہوتی تھی تو اسے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ دودھ، کھجوریں، جو کی روٹی اور گوشت آپ کی عام غذائیں تھیں آپؐ نے عمر بھر میں گندم کے آٹے یا میدے کی روٹی نہیں کھائی۔ پہننے کے لئے موٹا جھوٹا کپڑا استعمال کرتے تھے جو بسا اوقات

بھیڑ کی اُون سے بنا ہوتا تھا۔ گھر کے ساز و سامان میں بھی تکلف کو ناپسند فرماتے تھے اور بقدر ضرورت کی سادہ سادہ چیزیں رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک دفعہ چھت کے ساتھ کپڑا لگا دیا۔ حضورؐ نے دیکھا تو یہ کہہ کر اُتروا دیا کہ یہ کپڑا جو لکڑیوں کو پہنایا گیا کسی مسکین کے کام آسکتا ہے۔ حضورؐ اکثر روزے سے رہتے تھے۔ راتوں کا بیشتر حصہ خدا کی عبادت اور نمازیں گزارتے تھے۔ علی الصبح نماز فجر کی اذان کے ساتھ اُٹھ بیٹھتے تھے۔ اور دو رکعتیں گھر پر پڑھنے کے بعد فرض جماعت کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کے حُجرے مسجد کی دیوار کے ساتھ ہی تھے ۔

آپؐ کی طبیعت بہت صفائی پسند تھی۔ کپڑوں کا جوڑا بالعموم ایک ہی رکھتے تھے لیکن اسے دُھلا لیتے تھے۔ بالوں میں تیسرے دن کنگھی کرتے تھے۔ ناک صاف کر کے رطوبت کو اِدھر اُدھر پھینکنا۔ جا بجا تھوکنا۔ اور سرِراہ یا درختوں کے سائے میں یا عام استعمال کی جگہوں میں بول و براز کرنا آپ کو سخت ناپسند تھا جس سے آپ لوگوں کو منع فرماتے رہتے تھے۔ عطر اور خوشبو کو آپؐ بہت پسند کرتے تھے۔ لہسن۔ پیاز۔ معافیر اور ایسی ہی دُوسری اشیا کی بُوئیں آپؐ کو سخت ناپسند تھیں ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سے کام کرنا عار نہ سمجھتے تھے۔ فرصت کے وقت اپنے کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے اپنے جُوتے کو گانٹھتے حتیٰ کہ گھر میں جھاڑو تک دے لیتے تھے۔ ازواجِ مطہراتؓ اور صحابۂ کرامؓ

آپؐ سے کہتے کہ ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن آپؐ ہمیشہ یہ فرماتے کہ میں تمہارے درمیان امتیازی شان پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ غزوۂ احزاب اور مساجد کی تعمیر کے وقت آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ مزدوروں کی طرح کام کیا۔ سب کے ساتھ مل کر ان کی طرح کام کرنا آپؐ کی عادت میں داخل تھا۔ ایک دفعہ جنگل میں چند صحابہ کے ساتھ کھانا پکانے کی ضرورت پیش آگئی کام تقسیم ہوا تو حضورؐ نے جنگل سے لکڑی لانے کا کام اپنے ذمّے لے لیا۔

اخلاق و اطوار

حُسنِ اخلاق کے اعتبار سے آپؐ کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم کے صفحات خالی ہیں۔ سب کے ساتھ تپاک سے ملتے۔ تحمّل سے پیش آتے اور کسی پر بھی سختی نہ کرتے تھے۔ کوئی سختی سے پیش آتا تو آپؐ ہمیشہ ملاطفت سے کام لیتے تھے۔ بہت سے لوگ آپؐ کے حُسنِ اخلاق ہی سے متاثر ہو کر مسلمان بن گئے۔ ایک دفعہ ایک قرضخواہ آپؐ کے ساتھ سختی سے پیش آ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا انہوں نے قرضخواہ کو ڈانٹا رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرؓ تمہیں یہ بات زیبا نہیں۔ وہ حق پر ہے۔ تمہیں چاہیئے تھا کہ اسے سمجھاتے کہ نرمی سے مطالبہ کرے اور مجھے کہتے کہ اس کا قرض ادا کر دوں۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم صادق امین اور وعدے کے پابند تھے۔ ان صفات کے لحاظ سے دوست و دشمن سب ان کے مدّاح

اور معترف تھے ۔

عام مجلسوں میں۔ سفر وحضر میں۔ اور زندگی کے عام اسلوب میں آپؐ نے اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز قبول نہ کیا۔ ہر موقع اور ہر محل پر سب کے ساتھ مساوی حیثیت کے ساتھ رہتے تھے۔ باہر سے آنے والے اشخاص کو یہ پہچاننا مشکل ہوتا تھا کہ بھری مجلس میں وہ شخصیت کونسی ہے جن کے حکم پر لوگ جانیں لڑا دیتے ہیں۔ اور اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ آپؐ ہنسنے کی باتوں پر صرف تبسّم فرماتے تھے۔ اور ایک حد تک نہایت نفیس قسم کی خوش طبعی بھی فرما لیتے تھے۔ ایک بڑھیا نے آپؐ سے اونٹ مانگا آپؐ نے فرمایا کہ میں تو اونٹنی کا بچہّ دوں گا۔ بڑھیا بولی بچہّ لے کر میں کیا کروں گی آپ نے فرمایا کہ مائی! سارے اونٹ اونٹنیوں ہی کے بچےّ ہوتے ہیں۔ آپ کیوں گھبرا گئیں ۔

آپ لوگوں سے صدقہ اور خیرات قبول نہیں کرتے تھے۔ البتّہ ہدیہ اور تحائف لے لیتے تھے اور ان کے معاوضے میں ہدیئے اور تحفے ضرور دیتے تھے ۔

سخاوت

مسکین پروری کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات گھر کی خورد و نوش تک کی اشیا بھی اٹھا کر حاجتمند سائل کو دے دیتے تھے اور خود اہل وعیال سمیت فاقے پر بسر اوقات ہوتی تھی۔ ہٹے کٹے سائلوں کو آپ محنت

مشقت کرنے کی تلقین بھی فرماتے تھے۔ ایک سائل سے آپؐ نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہو تو لاؤ وہ ایک کپڑا لایا آپؐ نے وہ نیلام کر دیا چار درہم وصول ہوگئے آپؐ نے فرمایا کہ دو درم گھر میں آج کے کھانے کے لئے دو اور دو درہم سے آری لے کر جنگل کو چلے جاؤ وہاں سے لکڑیاں کاٹ لاؤ۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ ایک ہفتے کے بعد وہ دس درہم کا مالک بن کر حاضر خدمت ہوا ۔

حضرت بلالؓ آپ کے گھر کے مصارف کا انتظام کرتے تھے ان کی روایت ہے کہ جود و سخا کے باعث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مقروض رہتے تھے۔ اور کبھی مال غنیمت میں سے آپ کے حصہ کا روپیہ آجاتا تھا تو آپ اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جب تک کہ وہ سارا روپیہ مسکینوں اور غریبوں میں تقسیم نہ ہو جائے۔ ایک دفعہ نقدی شام کے بعد تک بچ رہی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری رات مسجد میں گزار دی صبح جب بلالؓ نے آکر اطلاع دی کہ خدا نے آپؐ کو سبکدوش کر دیا تو گھر تشریف لے گئے ۔

مکہ کی زندگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ مدینہ میں ذریعۂ معاش ان باغات کی آمدنی تھی جو خیبر وغیرہ سے حضورؐ کے حصے میں آئے تھے۔ یا وہ مال غنیمت تھا جو عام مسلمانوں کے ساتھ یہ تقسیم مساوی حضورؐ کے حصے میں آتا تھا۔ مال غنیمت کا خمس بیت المال تھا جو پبلک کاموں پر صرف کیا جاتا تھا ۔

دیگر اوصاف

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سب سے زیادہ شجاع تھے۔ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں جب عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو صرف آپؐ کی ذات گرامی تھی جو اپنی جگہ پر قائم کھڑی رہی۔ رسول خداؐ ہتھیار باندھ کر جنگوں میں شریک ہوتے تھے۔ فوجوں کی کمان کرتے تھے۔ مجاہدین کو لڑاتے تھے۔ خود زخم لگاتے تھے اور زخم کھاتے تھے۔ لیکن روایات میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ حضورؐ کے ہاتھ سے کوئی دشمن مارا گیا ہو۔

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں تم میں سب سے زیادہ فصیح اللّسان ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو آپ قریش کے معزّز گھرانے کے فرد تھے جن کی زبان ٹکسالی سمجھی جاتی تھی۔ دوسرے آپ نے بچپن کی بات چیت قبیلہ بنوسعد میں سیکھی تھی جو سارے عرب میں افصح اللّسان تھا۔ آپ نہایت آہستگی سے ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھا کر باتیں کیا کرتے تھے۔ اور زورِ خطابت تو آپ کا مسلّم تھا۔ جس کا روشن ثبوت آپ کی تبلیغی کامیابیاں ہیں۔ نیز اُن خطبوں کے اقتباسات ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے۔

آپ بیمار پرسی کے لئے جانا اپنا لازمی فرض سمجھتے تھے۔ اور جنازوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ اگر کوئی نمازِ جنازہ آپ کی شرکت کے بغیر پڑھ لی جاتی تھی تو آپ دوبارہ قبر پر جاکر جنازہ کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

محمدؐ رقیق القلب انسان تھے۔ موت۔ انسان کی تکلیف۔ صدمہ اور اثر پذیری کے عالم میں آپ کی آنکھوں میں بارہا آنسو ڈبڈبا آئے۔ انسان تو انسان آپ حیوانوں پر بھی بہت رحم فرمایا کرتے تھے اور لوگوں کو ان کی تکالیف کے ازالہ کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ بچوں سے آپ کو بہت محبت تھی۔ ان کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اور انہیں کھلاتے اور اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے۔ عورتوں کی خاطر داری کو بھی بہت ملحوظِ خاطر رکھتے تھے اور ان کی باتیں توجہ سے سنا کرتے تھے۔

ازواج مطہرات

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں پہلی شادی حضرت خدیجہ رضؓ سے کی جو پندرہ سال زندہ رہیں۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے متعدد دیگر نکاح کئے جن کی کل تعداد دس تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے بعض بیوہ اور مطلقہ تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مختصر سے حالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان سے رسول خدا نے پچیس سال کی عمر میں یعنی نبوت و رسالت کے منصب عالیہ پر مامور ہونے سے پندرہ سال پہلے نکاح کیا۔ سب سے پہلے انہی نے اپنے شوہر کے رسول خدا ہونے کی تصدیق کی۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ

کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور اس سے پہلے ان کے دو شوہر یکے بعد دیگرے وفات پا چکے تھے۔ پہلے شوہر سے دو لڑکے ہند اور حارث اور دوسرے شوہر سے ایک لڑکی ہند نامی پیدا ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ بچے تولد ہوئے۔ دو لڑکے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے اور چار لڑکیاں جن میں سے ایک حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ تھیں۔ حضرت خدیجہ رضؓ سے رسولِ خدا کو بہت محبت تھی جس کا اظہار وہ ان کی وفات کے بعد بھی اکثر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے نبوت کے گیارہویں سال انتقال کیا۔ اسی سال رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے تھے۔

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضؓ سے نکاح کیا۔ ان کا شوہر وفات پا چکا تھا حضرت سودہ رضؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضؓ کے عہد خلافت کے آخری دنوں میں یعنی ۲۲ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ۵۴ سنہ ہجری یا ۵۵ھ تک زندہ رہیں۔

(۳) حضرت عائشہ رضؓ۔ سنہ ۱ نبوی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے نکاح کیا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر چھ سال یا نو سال تھی۔

رسم عروسی نکاح کے تین سال بعد ادا کی گئی۔ حضرت عائشہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ حضورؐ کی وفات کے بعد ۴۸ سال زندہ رہیں اور ۵۷ سنہ ہجری میں وفات پائی۔

(۴) **حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ**:۔ حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر خنیس بن خداوہ غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ ۴۵ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ قرآن مجید کے لکھے ہوئے اجزا انہی کی تحویل میں رہتے تھے۔

(۵) **حضرت زینبؓ**:۔ حضرت زینبؓ کے پہلے شوہر عبداللہ بن جحش جنگِ احد میں شہید ہو گئے۔ اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے عقدِ نکاح میں لے لیا لیکن صرف دو تین ماہ زندہ رہ کر فوت ہو گئیں۔

(۶) **حضرت امِ سلمہ ہندؓ**:۔ حضرت امِ سلمہ ہندؓ کے پہلے شوہر ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد جنگ احد میں زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ ام سلمہؓ اس وقت حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے عقد نکاح میں لے لیا۔ ۵۹ سنہ ہجری سے ۶۱ سنہ ہجری تک کے زمانہ میں وفات پائی۔

(۷) **حضرت زینبؓ**:۔ حضرت زینبؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ پہلے ان کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے غلام حضرت زیدؓ بن حارث سے ہوا جنہیں رسول اکرمؐ اپنا متبنّٰی یعنی منہ بولا بیٹا کہا کرتے تھے۔ حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کے درمیان ناچاقی رہتی تھی اس لئے حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت کی میعاد گزرنے کے بعد ان سے نکاح کرلیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضورؐ نے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرلیا ہے۔ اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ متبنّٰی کو حقیقی بیٹے کا درجہ حاصل نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح کرنے میں حق بجانب ہیں۔ حضرت زینبؓ ۲۰ھ ہجری میں فوت ہوئیں ۞

(۸) **حضرت جویریہؓ:**۔ حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ غزوۂ مریسیع میں جب مسلمانوں نے بنی مصطلق پر فتح حاصل کی تو اسیرانِ جنگ میں یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ ان کا شوہر مسافع بن صفوان اسی جنگ میں مارا گیا تھا۔ لونڈی غلاموں کی تقسیم کے وقت حضرت جویریہؓ قیس بن شماس انصاری کے ہاتھ آئیں۔ چونکہ قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں اس لئے انہوں نے حضرت قیسؓ سے مکاتبت کرلی یعنی ۹۔ اوقیہ سونا ادا کرنے کی شرط پر رہائی کا معاملہ طے کرلیا جس کی اطلاع اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ رسول خداؐ نے حضرت جویریہ کے سامنے نکاح کی پیشکش کی۔ جو حضرت جویریہؓ نے قبول کرلی۔ یہی ۹۔ اوقیہ سونا حق مہر قرار پایا جو رسول خداؐ نے ادا

کر دیا۔ اس مناکحت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مسلمانوں نے بنی مصطلق کے
اسیرانِ جنگ جن کی تعداد سات سو بتائی جاتی ہے آزاد کر دیئے۔ کیونکہ
وہ اب رسولِ خداؐ کے قرابت دار بن گئے تھے اس لئے ان کا غلام رکھنا
طریقِ ادب کے منافی تھا۔ حضرت جویریہ رض نے ۵۰ھ ہجری میں
وفات پائی ۔

(۹) حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ:۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کا اصلی نام رملہ تھا۔ یہ اور
ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش دعوتِ اسلام کے آغاز میں مسلمان
ہو گئے تھے۔ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ
چلے گئے تھے۔ عبیداللہ بن جحش وہاں جا کر عیسائی بن گئے لیکن حضرت
ام حبیبہ رض مسلمان رہیں۔ لہٰذا نکاح فسخ ہو گیا۔ جب رسول اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو آپؐ نے عمرو بن امیتہ الضمری کو حبشہ بھیجا
تاکہ وہ حضورؐ کی طرف سے ام حبیبہ رض کو نکاح کا پیغام دیں۔ عمرو نجاشی
کے دربار میں حاضر ہوئے اور آنے کا مقصد بیان کیا۔ نجاشی نے اپنی
لونڈی کی وساطت سے ام حبیبہ رض کو پیغام پہنچایا وہ رضامند ہو گئیں
چنانچہ وہیں نجاشی نے ام حبیبہؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل
اور دوسرے مسلمانوں کو جمع کر کے نکاح پڑھ دیا۔ نجاشی نے رسول
اکرمؐ کی طرف سے مہر کی رقم خود ادا کی۔ لوگوں کو ولیمہ کی دعوت کھلائی
نیز تحائف دیئے۔ نکاح کے بعد نجاشی نے حضرت ام حبیبہ رض کو شرجیل رض
ابن حسنہ کی حفاظت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوا دیا

حضرت ام حبیبہؓ نے ۴۴ھ ہجری میں وفات پائی ۔

(۱۰) **حضرت میمونہؓ:** حضرت میمونہؓ بنت حارث کے پہلے شوہر مسعود بن عمر بن عمیر الثقفی نے انہیں طلاق دیدی۔ دوسرا شوہر ابو رہم بن عبد العزیٰ فوت ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے عقد میں لے لیا۔ حضرت میمونہؓ ۵۱ سنہ ہجری میں فوت ہوئیں ۔

(۱۱) **حضرت صفیہؓ:** حضرت صفیہؓ مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں۔ اور پہلے یکے بعد دیگرے دو نکاح کر چکی تھیں۔ فتح خیبر کے وقت جنگ کے دوران میں ان کا شوہر باپ اور بھائی سب قتل ہو گئے اور یہ اسیران جنگ میں گرفتار ہوئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنے عقد نکاح میں لے لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج انہیں یہودن ہونے کے باعث اپنے سے کمتر خیال کرتی تھیں ایسے ہی ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ تم انہیں یہ جواب دیا کرو کہ میں پیغمبر خدا ہارونؑ کی بیٹی اور پیغمبر خدا موسیٰؑ کی بھتیجی اور پیغمبر خدا محمدؐ کی بیوی ہوں ۔

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی ۔

(۱۲) **حضرت ماریہ قبطیہؓ:** مقوقس سلطان مصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۶ھ ہجری میں تحفہ کے طور پر دو قبطی لڑکیاں بھیجی تھیں جن میں سے ایک حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ رسول اکرمؐ

نے خود نکاح کرلیا اور دوسری لڑکی جو حضرت ماریہؓ کی سگی بہن تھی دربار رسالت کے شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت کے نکاح میں دے دی گئی ۔

ازدواجی اور خانگی زندگی

تاریخ عالم کے اعاظم رجال میں سے جن میں تمام مذاہب کے بانیوں داعیوں اور پیشواؤں سے لے کر ہر نوعیت وحیثیت کے بڑے آدمی شامل ہیں ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کے ہر گونہ حالات تاریخی اسناد وشواہد کے ساتھ محفوظ ہو چکے ہیں۔ اس معاملہ میں مسلمانوں نے جس شوق وانہماک صحت و درستی اور چھان بین سے کام لیا ہے اس کی نظیر دنیا بھر کی تاریخ میں کسی دوسری جگہ نہیں ملتی[1] رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی اور خانگی زندگی

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ تھی اس لئے مسلمانوں نے ان کے حالات واقوال محفوظ رکھنے کے لئے بہت تجسس سے کام لیا۔ اور حدیثیں روایت کرنے کا طریق اختیار کرلیا۔ حدیثوں کی صحت جانچنے کے لئے مسلمانوں نے اسماء الرجال کے نام سے ایک مستقل تاریخی تحقیق کا طریق ایجاد کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ حدیث بیان کرنے والے اشخاص کے سلسلوں کو جانچا جائے اگر کسی حدیث کا سلسلہ کہیں سے ٹوٹتا ہوا نظر آتا تھا یا کسی (بقیہ صفحہ ۲۸۴)

بھی اسی طرح سادہ تھی جس طرح ان کی پبلک زندگی۔ ازواج مطہرات کے لئے مسجد نبوی کی دیوار کے ساتھ الگ الگ حجرے بنا دیئے گئے تھے جو چنداں وسیع نہ تھے یہ حجرے مٹی کی دیواروں سے بنائے گئے تھے اور ان میں کھجور کی بنی ہوئی چٹائیوں کے پردے بھی تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باری باری ایک ایک دن ایک ایک بی بی کے پاس رہتے تھے۔ اور جب سفر پر جانا ہوتا تھا تو بعض ازواج کو سب کی رضامندی سے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ ازواج کو گزارے کے لئے یکساں طور پر معاش دیا جاتا تھا اور گھروں کے مصارف کا انتظام حضرت بلال رض کیا کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے ازواج مطہرات بھی گھر کا سازوسامان یا مال و دولت جمع کرنے کی شایق نہیں رہی تھیں اور جو کچھ ان کے پاس فالتو بچ رہتا تھا اسے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ ایک بی بی حضرت زینب رض تو اتنی سخی تھیں کہ ان کا لقب ہی ام المساکین مشہور ہو گیا تھا۔ ازواجِ مطہرات عام طور پر حضور ص کے ساتھ صبر و قناعت کی زندگی ہنسی خوشی بسر کرتی رہیں۔ صرف دو واقعات ایسے پیش آئے جن کے باعث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں اپنی ازدواجی زندگی کے سلسلہ میں کدورت پیدا ہوئی۔ ایک واقعہ یہ تھا کہ منافقین نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے چھپے دشمن تھے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۸۳) راوی کے ثقہ نہ ہونے کے متعلق کوئی ثبوت ملجاتا تھا تو اس حدیث کو ناقص قرار دیدیا جاتا۔ مولف

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر زبردست بہتان لگایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ان کی طرف سے کئی دن تک مکدر رہی۔ آخر اللہ کی طرف سے قرآن پاک کی آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دامن کو اس ناپاک اتہام سے مبرا ظاہر کیا گیا تھا۔ وحی کے نزول کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا تکدر جاتا رہا اور ان مسلمانوں کے شکوک بھی رفع ہو گئے جو منافقوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو رہے تھے۔ اس واقعہ کو واقعۂ افک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ تھا کہ ازواجِ مطہرات کے درمیان کسی معاملہ پر بلاوجہ باہمی رشک کے جذبات بھڑک اٹھے۔ اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے طرزِ عمل سے پریشان کرنے کی ٹھان لی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ اس مظاہرے میں پیش پیش تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت سے اتنے پریشان ہوئے کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مسجد کے ایک حجرے میں جو بالائی چھت پر تھا رہنے لگے۔ ایک ماہ کے قریب اسی حال میں گزر گیا۔ صحابہ کرامؓ بہت پریشان ہوئے۔ اس کیفیت کا خاتمہ بھی نزولِ وحی کی بدولت ہوا اور اللہ نے اپنے رسولؐ کو کو پیغام دیا کہ اپنی بیبیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کے مال و دولت کی طلبگار ہو۔ تو آؤ میں تمہیں احسن طریق سے رخصت کر دیتا ہوں لیکن اگر تم پیغمبرِ خداؐ کی رضا جوئی چاہتی ہو تو اس مظاہرے سے باز آ جاؤ۔ ان آیات کے نزول کے بعد ازواجِ مطہرات کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے رسولِ خداؐ

سے معافی مانگ لی۔ اِس واقعہ کو واقعۂ ایلا کا نام دیا جاتا ہے۔

اولاد

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد کی صحیح تعداد کے متعلّق روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات میں یہ تعداد چھ اور بعض میں بارہ تک بتائی گئی ہے۔ اِن میں سے چار لڑکیوں اور دو لڑکوں کے حالات روایات میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ لڑکوں میں ایک قاسم تھے جو حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے نبوّت سے گیارہ بارہ سال پہلے پیدا ہوئے اور بعض روایات کے مطابق صرف سات دن اور بعض کے مطابق دو سال تک زندہ رہ کر فوت ہو گئے۔ دوسرے نرینہ فرزند ابراہیم نامی تھے جو حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ کے بطن سے ۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اس بچّے کی زندگی سترہ یا اٹھارہ مہینے سے زیادہ نہیں ہونے پائی تھی کہ فوت ہو گیا۔ ابراہیم کی وفات کے دن سورج میں گرہن لگ گیا۔ لوگوں نے اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بچّے کی وفات کا اثر سمجھا لیکن رسولِ خداؐ نے انہیں سمجھایا کہ کسوف وخسوف وغیرہ اللہ کی آیات ہیں انہیں کسی انسان کی موت وحیات سے کوئی واسطہ نہیں۔

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بڑی لختِ جگر کا نام زینب رضؓ تھا جو نبوّت سے دس سال پہلے مکّہ میں حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ جوان ہونے پر ان کی شادی ان کے خالہ زاد ابوالعاص بن ربیع لقیط سے

کردی گئی۔ ابوالعاص جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے غزوۂ بدر میں کفّار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑے اور گرفتار ہو گئے۔ ابوالعاص بھی دُوسرے اسیرانِ بدر کے ساتھ رہا کر دیئے گئے لیکن ان سے رسولِ خدا نے یہ وعدہ لے لیا کہ حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابوالعاص نے یہ وعدہ پورا کیا۔ کچھ مدّت بعد وہ ایک سریّہ میں پھر مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ اب کے اُنھوں نے اسلام قبول کرنے کی ٹھان لی۔ پہلے رہائی حاصل کر کے مکّہ آئے اور لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں۔ پھر مدینے جا کر اسلام قبول کیا۔ ان کے مسلمان ہو جانے پر حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کی تجدید کی گئی۔ حضرت زینبؓ کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُوسری دختر حضرت رقیہؓ تھیں جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ۱۳ سنہ قبل نبوّت میں پیدا ہوئیں۔ پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا۔ لیکن ظہورِ اسلام کے بعد ابولہب نے اپنے بیٹے سے کہا کہ محمدؐ کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ اس طلاق کے بعد ان کی دُوسری شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی گئی۔ حضرت رقیہؓ ۳ سنہ ہجری میں فوت ہو گئیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیسری دختر حضرت اُمّ کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کی روایات میں بہت مشہور رہیں۔ حضرت فاطمہؓ ۱ سنہ نبوی یعنی بعثتِ نبوّت کے سال یا اس سے کچھ عرصہ پہلے یا بعد

حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ پندرہ سولہ سال کے سن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت علیؓ سے کر دی حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کے بطن سے تاریخ اسلام کے دو روشن ستارے حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں ؞

تاریخِ اسلام

دُوسری کتاب

عہدِ شیخین

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفۃ الرّسول کا انتخاب

سقیفۂ بنی ساعدہ کا اجلاس

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کسی شخص کو صراحت کے ساتھ اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔ البتہ دورانِ علالت میں جب نقاہت حد سے بڑھ گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو مسجد نبوی میں اقامت صلوٰۃ کے لئے مسلمانوں کا امام مقرر کر دیا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے سترہ نمازوں کی امامت کی۔

اسی دورانِ علالت میں آپ نے ایک دن مسلمانوں کو انصار مدینہ سے حسنِ سلوک سے پیش آنے کے متعلق وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"انصار میرے جسم میں معدہ کی مانند ہیں۔ میرے بعد جو شخص

تمہار سے نفع و نقصان کا کفیل ہو اُسے چاہیئے کہ ان میں سے جو نیکوکار ہوں انہیں قبول کرے اور جن سے کوئی خطا سرزد ہو انہیں معاف کر دے"۔

رسول اکرمؐ کے اس ارشاد سے مترشح ہوتا ہے کہ آپؐ نے عرب کے قدیم جمہوری طریق کے مطابق اپنے جانشین کے انتخاب کا معاملہ خود مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا۔

وفات سے چار دن پہلے دورانِ علالت ہی میں آپؐ نے یہ کہا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے"۔ صحابہ کرامؓ میں جو اس موقع پر موجود تھے اختلاف پیدا ہوا بعض نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض کے غلبہ میں ایسی بات کہہ رہے ہیں۔ بعض کی رائے تھی کہ وصیت لکھوانا چاہتے ہیں۔ لیکن جب تھوڑی مدت بعد آپؐ سے دوبارہ دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ "مجھے چھوڑ دو میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو"۔ اس کے بعد آپؐ تین دن زندہ رہے لیکن پھر کبھی وصیت لکھوانے کا ذکر نہ کیا اور نہ ان خطبوں میں جو آپؐ نے آخری ایام میں ارشاد فرمائے اپنے جانشین کے متعلق کوئی واضح بات کہی۔

حضورؐ کی وفات کے بعد مدینہ کے انصار ثقیفۂ بنی ساعدہ[1] میں جمع

---

[1] ثقیفۂ بنی ساعدہ ایک دالان تھا جس میں اہل مدینہ مشورے (بقیہ صفحہ ۲۹۳ پر)

ہو گئے تاکہ مسلمانوں کا امیر منتخب کرنے کے مسئلہ پر غور کریں۔ انصار چاہتے تھے کہ مہاجرین سے مشورہ کئے بغیر اس اہم معاملے کا فیصلہ کرلیں۔ کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو جو اس وقت مسجد نبوی میں بیٹھے تھے انصار کے اس جلسہ مشاورت کی اطلاع دی۔ صدیق رضؓ وہاں سے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ انتخاب امیر کے لئے تقریریں ہو رہی ہیں اور تجویز یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کو جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے امیر بنا لیا جائے۔ ابھی یہ تجویز زیر غور تھی۔ تین مقتدر مہاجرین کی آمد پر انصار کے بعض اشخاص نے کہا کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی۔ دین کی حفاظت کے لئے تلواریں سونتیں اور سپاہیں لڑائیں۔ ہم اہل شہر ہیں لہٰذا ہمیں حق پہنچتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر اور رسول اللہ کا جانشین اپنے میں سے منتخب کریں۔ حضرت عمرؓ اس تقریر کے جواب میں کچھ کہنا چاہتے تھے کہ حضرت صدیق رضؓ نے انہیں روک دیا اور خود بڑے تحمل وقار اور متانت سے کہا کہ انصار کی فضیلتیں بے شمار ہیں۔ وہ اپنی تعریف میں جو کہیں بجا ہے۔ لیکن امیر مہاجرین میں سے منتخب ہونا چاہیئے کیونکہ عرب کے بدوی قبیلے قریشی امیر کے سوا اور کسی کی اطاعت قبول نہ کریں گے۔ اس طرح مسلمانوں کے اجتماعی نظام کا شیرازہ تتر بتر ہو جائے گا۔ مجمع میں سے آوازیں آئیں

(بقیہ صفحہ ۲۹۲) کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس عمارت کو مدینہ کا ٹاؤن ہال سمجھنا چاہیئے ۔ (مولف)

کہ اگر یہ بات ہے تو آپ اپنا امیر الگ منتخب کریں ہم اپنا امیر الگ چن لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا دو امیروں کا انتخاب لڑائی پر منتج ہوگا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے جو بیمار ہونے کے باعث دالان کے ایک کونے میں کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے آواز دی کہ مسلمانوں کا امیر صرف ایک ہونا چاہیئے۔

حضرت حبابؓ بن منذر بولے "ان کی نہ سنو میری سنو۔ میں سرد و گرم چشیدہ ہوں اگر مہاجرین نہیں مانتے تو ہم انہیں شہر سے نکال دیں گے میں جنگل کا دہاڑتا ہوا شیر ہوں جو اس سب کو کچا کھا جاؤں گا"۔

حضرت عمرؓ نے کہا "اللہ تجھے ہلاک کرے کیا کہہ رہا ہے" حضرت حبابؓ نے غصہ کے عالم میں یہی فقرہ دہرا دیا۔ جھگڑے کو اس طرح بڑھتے دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عمرؓ اور عبیدہؓ کو مجمع کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا "میری رائے ہے کہ ان میں سے ایک کو امیر چن لو۔ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر دو"۔ عمرؓ اور عبیدہؓ یک زبان ہو کر بولے "یہ نہیں ہو سکتا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نمازوں میں امام بنتے رہے ہیں۔ لہذا آپ ہی ہمارے امیر بننے کا حق رکھتے ہیں۔ ہاتھ نکالیئے ہم بیعت کرتے ہیں"۔

بیعت

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہاتھ پھیلا دیا۔ اور حضرت عمرؓ

اور حضرت ابو عبیدہ رض نے وہ ہاتھ پکڑ کر اطاعت کی بیعت کرلی۔ اب قبیلۂ خزرج کا ایک آدمی آگے بڑھا حضرت حباب رض نے اسے ٹوکا لیکن اس نے کہا کہ "میں ایسے شخص کی بیعت کر رہا ہوں جو اس منصب کا مستحق ہے"۔ ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی بیعت کرنے لگے۔ قبیلۂ اوس کے آدمی آپس میں مشورہ کر کے جوق در جوق بیعت کے لئے بڑھنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں حضرت سعد بن عبادہ رض کے سوا تمام حاضرین نے حضرت ابو بکر صدیق رض کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور انہیں اپنا امیر مان لیا۔

خطبہ

اگلے دن مسلمان مہاجر اور انصار دو دو چار چار کی ٹولیوں میں حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میت رکھی ہوئی داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کرتے رہے اور اسی میں شام ہو گئی پھر شام جسد مبارک لحد میں اتارا گیا۔ تدفین سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رض مسجد نبوی میں آئے جہاں مسلمان جمع ہو رہے تھے۔ صدیق رض نے منبر پر چڑھ کر پہلا خطبہ دیا اور فرمایا:۔

"لوگو! اب میں تمہارا امیر بن چکا ہوں۔ اگرچہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں راہِ راست پر چلوں تو میری مدد کرو۔ اور اگر غلطی کا مرتکب ہونے لگوں تو میری اصلاح کر دو۔ حق کی پیروی کرو کیونکہ اسی میں دیانت ہے۔ باطل سے بچو کیونکہ وہ

فریب ہے۔ تم میں سے جو کمزور اور مغلوب ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوگا۔ میں اس کا حق اسے دلا کر رہوں گا۔ تم میں سے جو غالب اور قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہوگا میں اس سے وہ سب کچھ واپس لے کر رہوں گا جو اس نے چھینا ہوگا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے کبھی غافل نہ ہونا۔ اور جب تک میں خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں میری اطاعت کرنا۔ اگر میں سرکش ہو جاؤں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ یہ بھی جان لو کہ مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ان کے قدم بقدم چلوں گا۔ اب اٹھو اور خدا کی حضور میں سربسجود ہو جاؤ۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو"۔

اس خطبہ کے بعد مسلمانوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی نماز باجماعت ادا کی جس کے امام خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

بیعت اور لقب

اگلے دن ان لوگوں نے جو باقی رہ گئے تھے مسجد نبوی میں آکر حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ان میں حضرت علیؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے دیگر افراد بھی شامل تھے۔ یہ روایت کہ حضرت علیؓ نے چھ ماہ تک

بیعت نہیں کی بہت ضعیف ہے۔ اور درایت کے اعتبار سے بھی چنداں وزنی نہیں۔ انتخاب امیر عربوں کے جمہوری طریقہ کے مطابق ہوا تھا۔ اور تمام مسلمانوں نے اس کی تصدیق کی (صرف سعدؓ بن عبادہ نے جن کو انصار امیر بنانے کی تجویزیں کر رہے تھے۔ بیعت نہ کی اور حضرت صدیقؓ نے بھی ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا کیونکہ رسول اللہؐ کی وصیت یہ تھی کہ انصار میں سے اگر کوئی شخص خطا کرے تو اسے معاف کر دیا)۔

سوال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے امیر کو کس لقب سے یاد کیا جائے کئی تجویزیں زیر غور آئیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ امیر کو "خلیفۃ اللہ" کے لقب سے پکارا جائے لیکن حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ مجھے خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۃ الرسول کہا جائے۔ کیونکہ میں ان کا نائب اور جانشین ہوں۔

حضرت صدیق خطبہ دیتے وقت منبر کی دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے اور تیسری سیڑھی پر جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوا کرتے تھے۔ قدم رکھنا ملحوظاتِ ادب کے منافی خیال کرتے تھے۔

سرحدِ شام پر لشکر کشی

سنہ ۱۱ھ مطابق سنہ ۶۳۲ء

جیشِ اسامہؓ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علالت سے ایک یا دو دن پہلے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو علم عطا فرمایا تھا کہ وہ مسلمانوں کا ایک لشکر جمع کر کے سرحدِ شام کے ان قبائل کی سرزنش کے لئے جائیں جنہوں نے جنگ موتہ میں مسلمانوں کو شکست دے کر ان کے بہت سے آدمی شہید کر دیئے تھے۔ اسامہؓ کے والد زیدؓ اس لشکر کے امیر تھے جو سب سے پہلے شہید ہو گئے۔ اس وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نئی مہم کی قیادت کے لئے حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کو مقرر کیا تھا ۔

اسامہؓ مدینہ سے باہر شام کی راہ پر جرف کے مقام میں لشکر جمع کر رہے تھے کہ رسول اکرمؐ بیمار ہو گئے۔ لشکر وہیں پڑاؤ ڈالے پڑا رہا۔ حضورؐ کی وفات کی خبر سن کر اسامہؓ نے لشکر کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا اور خود مدینے میں واپس آ گئے۔ علم نبوی کو جو انہیں عطا ہوا تھا انہوں

نے مسجد نبوی میں حضرت عائشہ رض کے حجرے کے پاس نصب کر دیا۔

حضرت صدیق رض نے منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسامہ رض کو بلا کر علم پھر اس کے ہاتھ میں دے دیا اور حکم دیا کہ پہلے کی طرح جورف کے پڑاؤ پر جا کر لشکر جمع کرو۔ اور کوئی مسلمان جو پہلے اس مہم میں شامل ہونے کے ارادے سے گھر سے نکل چکا تھا پیچھے نہ رہ جائے۔ لشکر جورف کے پڑاؤ پر پھر جمع ہونے لگا۔ حضرت عمر رض بھی اس لشکر میں شامل تھے چنانچہ وہ بھی جورف پہنچ گئے۔ ابھی لشکر شام کی سرحد کی طرف روانہ نہیں ہوا تھا کہ عرب کے اطراف و اکناف سے بدوی قبائل کے باغی ہونے کی اطلاعیں آنے لگیں۔ اسامہ رض نے یہ خبریں سن کر حضرت عمر رض کو حضرت صدیق رض کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ایسی حالت میں جب کہ عرب قبائل سرکش ہو رہے ہیں اسلامی لشکر کا دوسری مہم پر جانا ٹھیک نہیں۔ نیز یہ کہ اگر مہم لازمی ہو تو اس کی قیادت نوجوان اسامہ رض کے بجائے کسی پختہ کار سالار کو سونپی جائے۔ حضرت عمر رض

لہ حضرت اسامہ رض حضرت زید رض کے بیٹے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رہ چکے تھے۔ عربوں میں مسلمان ہونے کے باوجود نسبی غرور کی رگیں باقی رہ گئی تھیں اس لئے جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت زید رض کو غزوہ موتہ کے لئے امیرِ لشکر مقرر فرمایا تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا۔ جب حضور ﷺ نے اس مہم کے لئے اسامہ رض کو افسر مقرر کیا تو بعض لوگ معترض (بقیہ صفحہ ۳۰۰ پر)

نے یہ گزارشات پیش کیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے پہلی تجویز کا جواب
بزرگانہ متانت کے ساتھ یوں دیا :۔

"اگر مدینہ کے ارد گرد بھیڑیوں اور درندوں کا غول جمع ہو جائے
اور میں تن تنہا رہ جاؤں۔ تو اس صورت میں بھی لشکر اس مہم پر ضرور جائے
گا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اپنے آقا و مولا کے جاری کردہ حکم کو پس
پشت ڈال دوں"۔

دوسری تجویز نے جو امیر لشکر کی تبدیلی کے متعلق تھی۔ بوڑھے خلیفہ
کو سخت برہم کر دیا۔ صدیق رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کی داڑھی کے بال
پکڑ کر کہا :۔

"اے ابن الخطاب تیری ماں اولاد سے محروم ہو جائے۔ کیا میں اس
شخص کو لشکر کی قیادت سے معزول کر دوں جسے خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے متعین فرمایا ہے"۔

حضرت عمر رضؓ لشکر کی دونوں درخواستوں کو یوں مسترد کرا کے چپ
چاپ لشکر میں پہنچ گئے مجبوراً روانگی کے لئے خلیفۃ الرسول کے حکم کا
انتظار کرنے لگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۹) ہوئے۔ اب کہ حضرت صدیق رضؓ کا عہد تھا پھر
یہی سوال سامنے آیا۔ لیکن صدیق رضؓ صدیق رضؓ تھے وہ کب ایسی درخواست کو
مان سکتے تھے۔ (مؤلف)

لشکر کی روانگی

لشکر تیار ہوگیا تو حضرت ابوبکر صدیق رض اسے شام کی سرحد کی طرف روانہ کرنے کے لئے مجوزہ کے کیمپ میں تشریف لائے۔ لشکر روانہ ہوا صدیق رض مشایعت کے لئے ساتھ ہو لئے۔ اسامہ رض گھوڑے پر سوار تھے خلیفہ رض ساتھ ساتھ پاپیادہ چل رہے تھے۔ اسامہ رض نے گھوڑے سے اترنا چاہا۔ صدیق نے منع فرمادیا۔ اور کہا کہ "اللہ کی راہ میں جتنے قدم بھی چلوں گا مجھے تو اب ملے گا اور میرے گناہ معاف ہوں گے۔" کچھ دور جاکر حضرت صدیق رض نے سالارِ لشکر سے کہا کہ "اگر آپ عمر رض کو چھوڑ سکیں تو انہیں میرے پاس رہنے کی اجازت دے دیں میں اکثر مہمات امور میں ان سے مشورہ لے سکوں گا۔" اسامہ رض نے خلیفہ رض کی یہ درخواست منظور کرلی اور حضرت عمر رض کو مہم پر جانے سے چھٹی مل گئی۔ حضرت صدیق رض واپسی کے لئے رخصت ہونے لگے تو لشکر ٹھہر گیا۔ آپ نے اسامہ رض سے مخاطب ہوکر کچھ ہدایات دیں جو جنگی مہموں کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں آپ نے فرمایا :-

"اسامہ رض دیکھو! دھوکے اور فریب سے کبھی کام نہ لینا۔ حق کی راہ سے کبھی ادھر ادھر نہ بھٹکنا۔ کسی (زندہ یا مردہ) کے اعضا نہ کاٹنا۔ کسی بچے۔ بوڑھے یا کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے نخلوں کو نقصان نہ پہنچانا اور نہ انہیں جلانا۔ کسی ایسے درخت کو مت کٹوانا جس سے انسان یا

حیوان کو غذا ملتی ہو۔ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلوں کو بلا ضرورت ذبح یا تلف نہ کرنا۔ اس سرزمین کے لوگ اپنے برتنوں میں جو گوشت پکا کر تمہارے لئے لائیں اسے تم اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرنا۔ اور اگر وہ سرمنڈے راہب جو خانقاہوں اور راہب خانوں میں رہتے ہیں تسلیم ہو جائیں تو ان سے بھی کسی قسم کا تعرض نہ کرنا۔"

ہدایات دے کر حضرت صدیق رضؓ نے لشکر کو اللہ کا نام لے کر کوچ کرنے کا حکم دیا اور دعا کی کہ اللہ تلوار اور وبا کے شر سے تمہارا نگہبان ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ لشکر کو الوداع کہنے کے بعد مدینہ کو واپس آ گئے۔ حضرت عمر رضؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔

مہم کی کامیابی

اسامہ رضؓ کے لشکر نے وادی القریٰ کی راہ سے دومہ۔ ادینہ۔ اور شام کی جنوبی سرحد کے اضلاع میں یلغار کی۔ بنو قضاعہ اور ان عیسائی اور نیم عیسائی قبیلوں پر لشکر کشی کی گئی جنہوں نے جنگ موتہ میں مسلمانوں کو شکست دی تھی۔ یہ سرحدی قبیلے رومی سلطنت کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے اس لشکر کے سامنے بہت کم مزاحمت کی اور ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اسلامی لشکر بہت سامان غنیمت لے کر مظفر و منصور واپس لوٹا اور دو ماہ کی غیر حاضری کے بعد اگست ۶۳۲ء میں واپس مدینہ پہنچ گیا۔

فتنہ ارتداد یعنی قبائل عرب کی اسلام سے بغاوت

ارتداد کا فتنۂ عظیم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر قبائل عرب میں بجلی کی سرعت رفتار کے ساتھ پھیلی اور بدوی قبیلے اسلام کے اجتماعی نظام سے سرکشی کی راہ اختیار کرنے لگے جسے پیغمبر اسلامؐ کی کوششوں نے سارے عرب میں قائم کر دیا تھا۔ یہ بدوی قبیلے صدیوں سے مادرِ صحرا کے بطن سے پیدا ہونے والی آزادی کے ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے اسلام کی قوت کو سرسبز ہوتا دیکھ کر پیغمبر کی اطاعت تو قبول کر لی تھی لیکن عوام الناس کے طبائع پر وہ پابندیاں گراں گزر رہی تھیں جو دین اسلام اور اس کے قوانین نے ان پر عاید کر دی تھیں۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ۸ھ و ۹ھ و ۱۰ھ ہجری میں یعنی فتح مکہ کے بعد قبائل کے جو وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ان میں سے اکثر نے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ زنا۔ شراب۔ اور سود وغیرہ کی پابندیوں سے مستثنیٰ رہنے کے لئے شرطیں پیش کی تھیں جو رسول خداؐ نے

منظور نہیں فرمائی تھیں۔ حضور ؐ کی وفات کے بعد ان قبائل کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پیغمبر خدا ؐ تو اپنی معجزانہ طاقتوں کو لے کر فوت ہو گئے اس لئے اب ہمیں اسلام کے قوانین کا پابند رہنے کی ضرورت نہیں چنانچہ ہر طرف ارتداد یعنی دین اسلام سے انحراف اور سرکشی کے عَلَم بلند ہونے لگے جن لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل میں زکوٰۃ۔ عشر اور جزیہ وغیرہ وصول کرنے نیز دین اسلام سکھلانے اور اسلامی قوانین کے مطابق جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے مامور کیا تھا وہ اس عام سرکشی سے تنگ آ کر مدینے کو لوٹے اور یہ اطلاعات لے کر آئے کہ عرب کے قبیلے مرتد۔ سرکش اور باغی ہو رہے ہیں۔ ان قبائل میں بہت کم لوگ ایسے باقی رہ گئے جو دینِ اسلام کو برحق اور قائم و دائم جانتے ہوئے اس کے وفادار رہے۔

جھوٹے نبی

اس کے علاوہ مختلف قبائل میں ایک اور فتنہ بھی سر اٹھا رہا تھا۔ یہ نبوت و رسالت کے جھوٹے دعوے داروں کا فتنہ تھا۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پیدا ہونے لگا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عدیم النظیر کامیابیوں کو دیکھ کر بعض اشخاص اور بعض قبائل کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ محمد ؐ کی نقالی کر کے وہ بھی ویسا ہی دنیوی عروج حاصل کرنے کی کوشش کر دیکھیں جیسا کہ خدا کے سچے رسول ؐ کو حاصل

ہو چکا ہے۔ پیغمبر اسلام کی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ بعض قبائل کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی شبہ کیا تھا کہ ان کا دعوئے نبوت ورسالت محض دنیوی عروج اور حکومت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ قریش نے ابتدا ہی میں ان کے سامنے یہ پیش کش رکھی تھی کہ اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنائے دیتے ہیں بشرطیکہ آپ اپنے دین کی تبلیغ سے باز آجائیں پھر چند سال بعد یمامہ کے سردار ہوذہ بن علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت اسلام والے مکتوب کے جواب میں یہ لکھا تھا کہ اگر حکومت میں جو آپ کی تحریک کے کامیاب ہونے پر قائم ہوگی ہمارا بھی حصہ ہو تو ہم مسلمان ہو جاتے ہیں ایک قبیلہ کے سردار نے یہ شرط بھی پیش کی تھی کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں اسلام کا حلقہ بگوش ہو جاتا ہوں۔ غرض اس خیال خام کے باعث سرزمین عرب میں نبوت ورسالت کے جھوٹے دعوے دار پیدا ہونے لگے۔ اور انہوں نے اپنے ساتھ اپنے پیروؤں کی اچھی خاصی جمعیتیں بھی فراہم کر لیں۔

ان مرتد اور باغی قبائل اور ان جھوٹے مدعیان نبوت کی سرگرمیوں کا حال آگے چل کر اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا۔ سردست یہ بتانا مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سارے عرب میں اسلام سے سرکشی اور بغاوت کی ایک زبردست لہر اٹھی اور اس امر کا قوی اندیشہ نظر آنے لگا کہ شاید دین اسلام اپنے داعی اور پیغمبر کے ساتھ ہی موت کی نیند سو جائے گا، یا اس کے ماننے والوں کی تعداد اتنی قلیل رہ جائے گی جو

تاریخی حیثیت سے ناقابلِ ذکر سمجھی جاتی ۔

مدینہ پر حملہ

مدینہ کے مسلمانوں کی جنگی طاقت کا بہت بڑا حصہ سرحدِ شام کی مہم پر جا چکا تھا۔ اطراف واکناف سے قبائل کی بغاوت کی اطلاعیں موصول ہو رہی تھیں دربارِ رسالت کے مامور واپس لوٹ رہے تھے۔ بعض مقامات پر ان مامورین اور ایمان پر قائم رہنے والوں کو شہید کیا جا رہا تھا بعض مامورین وفادار قبائل کی پناہ میں بیٹھے تھے۔ سرحدِ شام کی طرف لشکر کی روانگی ابتدائی چند دنوں کے لئے اس لحاظ سے مفید اور موثر ثابت ہوئی کہ مدینہ کے نواح کے باغی قبائل سوچنے لگے کہ اگر مسلمان کمزور ہوتے تو حضرت صدیق رضؓ اس لشکر کو دور کی مہم پر بھیجنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے گرد و نواح کے وفادار قبائل کو مدینے میں بلا لیا۔ چاروں طرف حفاظتی اور دفاعی چوکیاں بٹھا دیں۔ مدینہ کے مشرق میں بسنے والے صحرائی قبائل بنو عبس اور بنو ذُبیان نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے ایک لشکر جرار جمع کر لیا۔ قریب کے ایک جھوٹے مدعی نبوت طلیحہ نے اپنے بھائی کو اپنے قبیلہ اسد کے کچھ آدمی دے کر ان کی امداد کے لئے بھیجا۔ ان قبائل کا لشکر دو حصوں میں بٹ گیا ایک حصہ نے ربذہ کی وادی میں پڑاؤ ڈالا۔ دوسرا حصہ ذوالقصہ کی طرف بڑھا جو مدینہ سے نجد کو جانے والے راستے پر مدینہ سے صرف ایک منزل دور ہے۔ ان قبائل نے خلیفۂ اسلام کی خدمت میں ایک

وفد بھیجا جس نے اس شرط پر صلح کی پیش کش کی کہ اگر انہیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو وہ اسلام کے حلقہ بگوش بنے رہیں گے۔ بعض صحابۂ کرام نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ انہیں زکات معاف کر دی جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جواب دیا کہ اللہ کے حکم میں یک سرِ مو تبدیلی نہیں ہو گی۔ "اگر تم زکات کے مال میں سے اونٹ کے گلے کی ایک رسّی بھی اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارے ساتھ لڑوں گا۔" یہ جواب لے کر قبائل کا وفد لوٹ گیا۔ اور ان سفیروں نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ مدینہ کا شہر لڑنے والوں سے خالی پڑا ہے جنگی مردوں کی بہت بڑی تعداد سرحدِ شام کی مہم پر جا چکی ہے اس لئے شہر پر حملہ کرنے اور مسلمانوں کا مال لوٹنے کے لئے اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں مل سکتا۔ ادھر ابوبکر رضؓ بھی غافل نہ تھے انہوں نے وفد کے واپس جاتے ہی علیؓ، طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ۔ اور عبداللہ بن مسعود کو کچھ دستے دے کر باہر کی حفاظتی چوکیوں پر مامور کر دیا اور باقی مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ وہ مسلح ہو کر مسجدِ نبوی میں جمع رہیں۔ کیونکہ قبائلی لشکر کسی نہ کسی وقت اچانک حملہ کر کے رہے گا۔

ابھی تین دن بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ ذوالقصہ کی طرف سے بدوی قبائل نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ بیرونی چوکی نے مقابلہ کیا اور مسجدِ نبوی سے فی الفور کمک پہنچ گئی۔ حملہ آور پسپا ہوئے مسلمانوں نے تعاقب کیا لیکن ان کے اونٹ بار برداری کے اونٹ تھے سواری کے اونٹ جیشِ اسامہ کے ساتھ جا چکے تھے اس لئے تعاقب ناکامیاب رہا۔ اونٹ مدینے کی

طرف بھاگ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مدینہ کے تمام مسلمانوں کو جو ہتھیار بند ہو سکتے تھے حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ راتوں رات ایک فوجی جمعیت تیار کی گئی۔ علی الصبح حضرت صدیق رضؓ اس فوج کو لے کر ذو القصہ کی طرف بڑھے اور یکایک باغیوں کے کیمپ پر جا پڑے۔ باغیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں خلیفۂ اوّل کو ان باغی قبائل کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل ہوئی اس نے دوسرے قبیلوں کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے خیال سے روک دیا۔ بعض قبیلے مرکز اسلام کو طاقتور جان کر زکات کا مال بھیجنے لگے۔ بنی تمیم کے دو قبیلوں کے سردار صفوان اور زبرقان وفاداری کا یقین دلانے کے لئے سب سے پہلے آئے اور بنی طے کے ایک قبیلہ کا سردار عدی بن حاتم بھی زکات لے کر حاضر ہوگیا۔ حضرت صدیق رضؓ نے کہا کہ یہ سفیر نوید کامرانی کے پیغامبر صادق الایمان اور دین کے نگہبان ہیں۔ اہل مدینہ بولے کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں آپ نے جن کامیابیوں کا ہمیں یقین دلایا تھا اب ظاہر ہونے لگی ہیں۔

بنی عبس اور بنی ذبیان کی سرکوبی

متذکرہ صدر واقعہ کے تھوڑی مدت بعد اسامہ رضؓ کا لشکر سرحد شام سے مظفر و منصور ہو کر واپس آگیا حضرت صدیق رضؓ نے اسامہ رضؓ کو

ایک جمعیت دے کر مدینہ کی حفاظت کے لئے مامور کر دیا اور خود باقی ماندہ لشکر لے کر ان قبائل کی سرکوبی کے لئے نکلے جنہوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ بنو عبس اور بنو ذُبیان کے لشکر نے ربذہ پہنچکر اپنے اُن افراد کو قتل کر دیا جو اسلام کے وفادار رہے تھے حضرت صدیق رضؓ نے قسم کھائی کہ میں ان مسلمانوں کے قتل کا بدلا لے کر رہوں گا۔ حضرت صدیق رضؓ نے اُن قبائل پر چڑھائی کی اور ابرق کے مقام پر انہیں شکست فاش دی۔ قبائلی لشکر شکست کھا کر بزاخہ کے مقام پر نبوت کے جھوٹے نبی مدعی طلیحہ سے جا ملا۔ حضرت صدیق رضؓ نے ان کی چراگاہیں ضبط کر کے بیت المال قرار دے دیں۔ جو از سر نو دینِ اسلام قبول کر لینے پر بھی انہیں واپس نہ مل سکیں۔ ربذہ میں کچھ دن ٹھہرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مدینہ کو لوٹ آئے ۔

گیارہ عسکری مہمّیں

اس کے بعد خلیفۂ اسلام نے اطراف و اکناف عرب کے باغی قبائل اور نبوت و رسالت کے جھوٹے مدعیوں کا استیصال کرنے کے لئے کمر ہمت باندھی۔ ارتداد، بغاوت، اور جھوٹی نبوت کے فتنے جابجا سر اُٹھا رہے تھے اور حضرت صدیق رضؓ اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ یہ فتنے سرزمین عرب میں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام کی حلقہ بگوش بن چکی تھی خدا کے دین کا استہزا کرنے کے لئے زندہ رہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ چند دن عساکر کی ترتیب اور ساز و سامان کی درستی میں بسر کرنے کے بعد مسلمانوں کی جنگی طاقت لے کر پھر ذوالقصّہ کی وادی میں خیمہ زن ہو گئے۔ آپ نے وہاں بیٹھ کر عرب کی ساری زمین کو سَر کرنے کا جنگی نقشہ تیار کیا۔ گیارہ مہمّیں مختلف اطراف میں دھاوا کرنے کے لئے تیار کی گئیں۔ ہر مہم کے لئے جُدا جُدا افسر نامزد کر دیئے گئے اور انہیں سمجھا دیا گیا کہ ان کی یلغار کہاں سے شروع ہو کر کس جگہ جا کر ختم ہو گی۔ اس جنگی منصوبے میں عرب کا کوئی گوشہ باقی نہ چھوڑا گیا۔ افسروں کو جھنڈے عطا کئے گئے۔ ان کے تقرر بصورت ذیل تھے :-

خالدؓ بن سعید سرحداتِ شام کے لئے مقرر ہوئے + خالدؓ بن ولید کو چھوٹے بنی طلیحہ کی سرکوبی کا حکم ملا۔ دو لشکر عکرمہؓ اور شرجیلؓ کی قیادت میں مسیلمہ کذّاب کے فتنے کا صفایا کرنے کے لئے مقرر ہوئے مہاجر بن کو یمن کی مہم کا قاید بنایا گیا۔ علاء کو بحرین پر لشکر کشی کرنے کا حکم ملا۔ حذیفہ اور ارفجہ مہرہ کی طرف بھیجے گئے۔ اور عمرو بنو قضاعہ کے بدویوں کی سرکوبی کے لئے مامور ہوتے +

تعزیری مہموں کا یہ نقشہ ترتیب دینے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مدینہ کو لوٹ آئے۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے بارگاہ خلافت سے قبائل عرب کے نام ایک اعلان عام جاری کیا اس اعلان میں ان قبائل کو بتایا گیا تھا کہ اسلام کے لشکر ان کے علاقوں میں یلغار کرنے والے ہیں۔ مُرتد قبائل کو چاہیئے کہ وہ ارتداد سے توبہ کر لیں اور اطاعت کی گردنیں جُھکا دیں۔ ان شرطوں پر

ان کا قصور معاف کر دیا جائے گا اور انہیں از سرِ نو اسلام کے حلقہ میں شامل کر لیا جائے گا۔ اگر انہوں نے مرتد رہنے پر اصرار کیا تو اسلام کے لشکران سے جنگ کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور ان کے مال و منال اور عیال و اولاد پر قبضہ جما لیں گے۔ توبہ اور اطاعت کے اعلان کی صورت یہ قرار دی گئی کہ جس بستی سے اسلام کے لشکر کو اذان کی آواز سنائی دے گی اسے مسلمان سمجھا جائے گا اور جو لوگ اذان کی آواز سن کر اسلامی لشکر میں حاضر ہو جائیں گے انہیں بھی وفادار تصور کیا جائے گا۔ جو قبیلہ اس شرط کو پورا نہیں کریں گے انہیں مرتد اور باغی جان کر ان پر حملہ کر دیا جائے گا۔

اس اعلان کے لئے تمام قبائل میں سفیر اور منادی بھیج دیئے گئے۔ جب تک سارے ملک میں یہ منادی نہ ہوئی اس وقت تک تعزیری مہموں کے عساکر حرکت میں نہ آئے۔

طلیحہ کذّاب کی سرکوبی

مدینہ کے شمال مشرق کے صحرائی خطہ میں بنی اسد، بنی غطفان، بنی طے کے قبائل اپنے اپنے علاقوں میں آباد تھے۔ یہ قبیلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام کی عظمت کے سامنے تسلیم ہو چکے تھے۔ لیکن بنو اسد میں طلیحہ نامی ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نبی اور خدا کا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور قبیلہ کی اکثریت اس کی پیرو بن گئی۔ طلیحہ بنی اسرائیل کے کاہنوں کی طرح پیشگوئیاں کیا کرتا تھا۔ اور اس نے اعلان کر دیا تھا کہ

خدا نے میرے ذریعہ نماز کے اس طریقہ میں ترمیم کر دی ہے جو محمدؐ نے لوگوں کو سکھایا ہے۔ طلیحہ کہتا تھا کہ نماز میں رکوع اور سجود کی ضرورت نہیں۔ خدا نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بندے اس کے آگے کھڑے ہو کر جھکیں یا اپنی پیشانیاں زمین پر رکھیں۔ ان کے علاوہ اس کی کچھ اور تعلیمات بھی ہوں گی لیکن ان کے متعلق کوئی تاریخی روایت نظر نہیں آتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کاذب کے ظہور کی اطلاع پا کر حضرت ضرارؓ کو بنو اسد کی طرف بھیجا کہ اس قبیلہ کے مسلمانوں کی مدد سے طلیحہ کی سرکوبی کریں۔ حضرت ضرارؓ نے طلیحہ سے جنگ کی لیکن ضرارؓ کا ہاتھ اوچھا پڑا۔ تلوار طلیحہ کے جسم پر لگی اور اچٹ کر رہ گئی۔ اس واقعہ کے باعث قبیلہ بنی اسد میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ طلیحہ پر تلوار اثر نہیں کرتی۔ ضرارؓ ابھی اسی قبیلہ کے مسلمانوں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور بنی عبس اور بنی ذبیان نے مدینہ پر چڑھائی کر دی جس کا حال ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ یہ قبائل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مہم سے شکست کھا کر طلیحہ سے جا ملے تھے جس کا ہیڈکوارٹر بزاخہ میں تھا۔ بنو طے کے بعض قبیلے بھی طلیحہ سے مل گئے لیکن عدی بن حاتم کا قبیلہ اسلام کا وفادار رہا۔ بنو غطفان اسلام لانے سے پہلے بنو طے اور بنو اسد کے حلیف تھے۔ لیکن کسی جھگڑے کی بنا پر ان سے الگ ہو چکے تھے۔ بنو غطفان کے سردار عُیینہ نامی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اپنے قبیلہ سے کہا کہ اب ہمیں بنو اسد سے پھر پرانا اتحاد پیدا کر لینا چاہیے محمدؐ فوت ہو گئے

لیکن بنو اسد کا پیغمبر طلیحہ زندہ ہے۔ ہمیں اب اس کی پیروی کرنی چاہیے اس طرح طلیحہ ہماری جمعیت کا لیڈر بن گیا۔

طلیحہ کی سرکوبی کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خالدؓ بن ولید کو مقرر کیا تھا۔ خالدؓ لشکر لے کر پہلے مدینے کے شمال میں خیبر کے مقام تک گئے۔ وہاں سے وہ مشرق کی جانب چلے۔ خالدؓ نے عدی بن حاتم کو بنو طے کے پاس بھیجا۔ عدی نے اپنے اہل قبیلہ کو بتایا کہ خالدؓ بھاری لشکر لے کر مرتدوں اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے آ رہے ہیں۔ بنو طے نے مہلت مانگی تاکہ وہ اپنے ان آدمیوں کو جو طلیحہ کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں واپس بلا لیں۔ انہیں تین دن کی مہلت دی گئی۔ اس طرح بنو طے نہ صرف خالدؓ کے سامنے تسلیم ہو گئے بلکہ انہوں نے اپنے ایک ہزار سوار بھی خالدؓ کے ساتھ کر دیئے۔

خالدؓ کے لشکر میں مہاجرین زیادہ تعداد میں تھے تاہم مدینہ کے انصار کا ایک لشکر بھی ثابت بن قیسؓ کے زیر قیادت ان کی کمان میں تھا۔ خالدؓ یہ لشکر طلیحہ کی سرکوبی کے لئے بزاخہ کی طرف بڑھا۔ طلیحہ کے آدمیوں نے خالدؓ کے طلایہ کے دو جوان قتل کر دیئے اور ان کی لاشیں راستے میں پھینک دیں۔ بزاخہ کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا۔ بڑی دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ طلیحہ بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہن کر اپنے خیمے میں بیٹھا تھا اور یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اسے خدا کے فرشتے کا انتظار ہے جو رفتح کی نوید لائے گا۔ بنو غطفان کے سردار عیینہ نے کئی

بار آن کر پوچھا کہ آیا خدا کا کوئی پیغام نازل ہوا یا نہیں۔ طلیحہ نفی میں جواب دیتا رہا آخری بار اس نے کہا۔ جبریل یہ پیغام لایا ہے کہ "تجھے بھی اس کی طرح چکی کا پاٹ دیا جائے گا۔ اور ایسا معاملہ پیش آئے گا جسے تو کبھی نہ بھولے گا" عیینہ یہ الہام سن کر بہت برہم ہوا اس نے کہا "خدا تجھے غارت کرے بلاشبہ خدا کو علم ہے کہ تجھے ایسا معاملہ پیش آنے والا ہے جسے تو کبھی نہ بھولے گا" یہ کہہ کر اس نے اپنے قبیلہ بنو فرازہ کو جو بنو غطفان کی ایک اہم شاخ تھا آواز دی کہ سب اپنے خیموں کو لوٹ جائیں۔

اس واقعہ کے بعد طلیحہ کے لشکر میں بھاگڑ مچ گئی طلیحہ اپنی بیوی کو لے کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ بنو اسد نے ہتھیار ڈال دیئے۔ طلیحہ کچھ مدت بعد مسلمان ہو گیا اور اس نے عراق کی مہموں میں بڑی بہادری کے کارنامے سرانجام دیئے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے طلیحہ سے پوچھا کہ کیا اب بھی تمہیں اس کہانت کا دورہ پڑتا ہے جو اسلام لانے سے پہلے پڑا کرتا تھا۔ طلیحہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے کے بعد وہ کیفیت جاتی رہی۔ بنو اسد کی شکست کے بعد بنو عامر۔ بنو سلیم اور ہوازن کے قبیلے بھی خالدؓ کے سامنے تسلیم ہو گئے۔ ان قبائل کا قصور معاف کر دیا گیا صرف ان لوگوں سے قصاص لیا گیا جنہوں نے بغاوت کے دوران میں مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ خالدؓ نے ان قبائل کے بڑے بڑے سردار خیرہ۔ قرہ اور علقمہ پابزنجیر کر کے دربار خلافت میں بھیج دئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اُن کی اسلام دشمنی کے تمام پرانے قصوروں کو بھلا کر انہیں معافی دے دی ۔

خالد رضؓ نے بُزاخہ میں ایک ماہ قیام کیا جہاں گرد ونواح کے قبائل زکات اور اطاعت کا پیغام لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ۔ خالد رضؓ نے بعض باغی قبیلوں کی سرکوبی کے لئے چھوٹی چھوٹی مہمیں بھی بھیجیں جن میں ایک مہم ایسی جمعیت کے خلاف بھیجی گئی جس کی کمان ایک بہادر بدوی عورت اُمِّ سِمل کر رہی تھی ۔

سجاح کی یلغار

جن دنوں میں خالد رضؓ طلیحہ اور اس کے پیروؤں سے نپٹ رہے تھے ۔ عرب کے وسطی حصے میں سجاح نامی ایک عجیب وغریب عورت اپنے پیروؤں کا لشکرِ جرّار لے کر نمودار ہوئی ۔ سجاح ایک عیسائی عورت تھی جو عراق عرب کے قبیلہ بنو تغلب میں پل کر جوان ہوئی ۔ لیکن دراصل وہ ایک ایسے خاندان کی بیٹی تھی جو بنو تمیم کی ایک شاخ بنو یربوع میں سے نکل کر بنو تغلب کے پاس چلا گیا تھا ۔ بنو تمیم کا علاقہ یمامہ (وسطی عرب) اور دریائے فرات کے زیریں حصہ کے درمیان واقع تھا ۔ بنو تغلب عیسائی تھے اور بنو تمیم کے بعض قبیلے عیسائی اور بعض مشرک چلے آرہے تھے ۔ لیکن بنو تمیم نے فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا ایک وفد بھیج کر دینِ اسلام قبول کر لیا تھا ۔ یہ بنو تمیم ہی کا وفد تھا جس

کے شاعروں اور خطیبوں نے دربار رسالت کے شاعروں اور خطیبوں سے مفاخرہ کیا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد بنو تمیم میں بھی ارتداد کی لہر اُٹھی اور بنو تغلب کے عیسائی سجاح متنبیہ کی سرکردگی میں لشکر لے کر سرزمین عرب میں گھس گئے تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عرب کے قبائل کو اپنے زیر اثر لے لیں۔ سجاح کا ارادہ مدینہ تک یلغار کرنے کا تھا۔ بنو تمیم کے علاقے میں پہنچ کر سجاح نے سب سے پہلے اپنے آبائی قبیلہ بنو یربوعہ کے لوگوں کو خطاب کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم میری مدد کرو گے تو میں کامیاب ہو کر تمہیں سارے عرب کا سردار بنا دوں گی۔ بنو یربوعہ اپنے سردار مالک بن نویرہ کی قیادت میں سجاح کی امداد پر کمربستہ ہو گئے۔ لیکن بنو تمیم کے دوسرے قبیلوں نے سجاح کی اطاعت قبول نہ کی۔ سجاح کے لشکر اور ان قبائل کے درمیان جنگیں بھی ہوئیں لیکن آخر طرفین نے ایک دوسرے کے قیدی واپس کر کے آپس میں صلح کر لی۔

اب سجاح کا لشکر یمامہ کی طرف بڑھا جہاں نبوّت و رسالت کا ایک اور مدعی مسیلمہ اپنے قبیلہ بنو حنیفہ کا لیڈر بنا بیٹھا تھا۔ مسیلمہ کی سرزنش کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے جو افسر مقرر کئے تھے وہ حجر کے مقام تک پہنچ چکے تھے ان کے پیچھے خالدؓ کی فوجیں بنو اسد اور بنو غطفان کو زیر کر کے آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہی تھیں اس لئے مسیلمہ نے سجاح کا مقابلہ کرنے کے بجائے اسے صلح کا پیغام بھیجا۔ سجاح متنبیہ مسیلمہ کذاب سے بات چیت کرنے کے لئے اس کے خیمے میں گئی۔ معمولی گفت و شنید کے بعد دونوں آپس میں نکاح کرنے

پر رضامند ہو گئے۔ سجاح تین دن متواتر مسیلمہ کے خیمہ میں رہی اور چوتھے دن اپنے قبیلہ کے لشکر میں واپس لوٹی تو اس نے بتایا کہ میں مسیلمہ کے ساتھ نکاح کر آئی ہوں اور معاملہ یوں طے ہوا ہے کہ بنو حنیفہ یمامہ کی پیداوار کا جو نصف قریش مکہ کو بھیجا کرتے تھے وہ آئندہ ہمیں دیا کریں گے۔ سجاح نے اپنے کچھ آدمی مسیلمہ سے خراج وصول کرنے کے لئے پیچھے چھوڑے اور خود اپنا لشکر لے کر جس راہ سے آئی تھی اسی راہ سے واپس چلی گئی روایت ہے کہ مسلمانوں نے جب عراق کی سرزمین فتح کی اور بنو تغلب نے عیسائیت چھوڑ کر دین اسلام اختیار کر لیا تو سجاح بھی مسلمان ہو گئی۔

مالک بن نویرہ کا قتل

خالدؓ ابھی بزاخہ ہی میں تھے جب بنو تمیم کے آسمان پر سجاح شہاب ثاقب کی طرح چمکی اور جلد ہی غائب ہو گئی۔ بنو تمیم کے بعض قبیلوں نے خالدؓ کے پاس حاضر ہو کر اطاعت کا یقین دلانا شروع کر دیا۔ لیکن بنو یربوع کا سردار مالک بن نویرہ جو سجاح کی امداد کر کے اپنے دامنِ وفاداری کو داغدار کر چکا تھا سمجھ نہیں سکا کہ کیا کرے۔ خالدؓ خلیفۂ اسلام کی طرف سے صرف طلیحہ اور اس کے حامی قبائل کی سرکوبی کے لئے مامور ہوئے تھے۔ لیکن اب ان کا دائرہ عمل بنو تمیم کے قبائل تک وسیع ہو رہا تھا۔ اس لئے خالدؓ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بنو تمیم کے متذبذب اور باغی قبیلوں کو بھی درست کر کے رہیں گے۔ حضرت خالدؓ کے لشکر میں مدینہ کے انصار

کا جو جیش تھا اس کے افسروں کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ کے حکم کے بغیر انہیں بنو تمیم پر چڑھائی نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن خالدؓ نے کہا کہ میں لشکر کا امیر ہوں۔ جہاں خلیفہ کی صریح ہدایات موجود نہ ہوں وہاں مجھے اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ میں مہاجرین کو ساتھ لے کر بنو تمیم کے مرتد اور باغی قبائل پر چڑھائی کروں گا انصار میرے ساتھ آتے ہیں تو خوشی سے آئیں ورنہ میں انہیں مجبور نہیں کرتا۔ اس پر انصار بھی اس مہم پر آگے بڑھنے کے لئے رضامند ہو گئے۔ خالدؓ نے بنو تمیم کے علاقے پر چڑھائی کر دی اسلامی فوج کے دستے ہر طرف یلغاریں کرنے لگے جن بستیوں سے اذان کی آواز سنائی دیتی تھی انہیں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لیکن جہاں سے اطاعت کا اظہار نہیں ہوتا تھا ان پر حملہ کر کے ان کے افراد کو قید کر لیا جاتا۔ جو لوگ مزاحمت کرتے تھے۔ ان کا صفایا تلوار سے کر دیا جاتا تھا۔ یہ حال دیکھ کر بنو یربوعہ کے رئیس مالک بن نویرہ نے اپنے قبیلہ کے لشکر کو منتشر کر دیا۔ اسلامی فوج کے دستے جب ان کے ڈیروں میں پہنچے تو وہاں کوئی نہ تھا۔ پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو مالک بن نویرہ کو بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ خالدؓ کے سامنے لا کر پیش کیا گیا۔

جن لوگوں نے مالک بن نویرہ کو گرفتار کیا تھا ان کی رپورٹیں مختلف تھیں۔ بعض کہتے تھے کہ ان اسیرانِ جنگ نے اسلامی فوج کے دستوں کی مزاحمت کی تھی۔ بعض کا بیان جن میں مدینہ کے ایک انصاری قتادہ نامی پیش پیش تھے یہ تھا کہ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور

انہوں کی آواز سن کر حاضر ہو گئے تھے۔ خالدرض نے حکم دیا کہ ان کا معاملہ صبح پیش کیا جائے اور انہیں رات بھر پہرے میں رکھا جائے۔ اگر رپورٹوں میں اختلاف نہ ہوتا تو خالدرض انہیں مرتد قرار دے کر اسی وقت قتل کرا دیتے۔

دورانِ شب میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ رات سرد تھی۔ خالدرض نے پہرے داروں کے کمان افسر ضرارؓ کو بلا کر حکم دیا کہ "قیدیوں کو کمبل اوڑھا دو"۔ اس حکم میں عربی زبان کا جو محاورہ استعمال کیا گیا اس سے یہ معنی بھی نکلتے تھے کہ "انہیں ٹھکانے لگا دو"۔ ضرارؓ سمجھے کہ قتل کا حکم ہے۔ انہوں نے جاتے ہی قیدیوں کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ خالدرض شور و ہنگامہ کی آوازیں سن کر خیمے سے باہر نکلے اور موقع پر گئے۔ وہاں کام تمام ہو چکا تھا۔ خالدرض نے کہا "خدا نے جو تقدیر مقرر کر دی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے"۔ مدینہ کے انصار کو جو اس لشکر میں تھے مالک بن نویرہ کے اس انجام کا بہت رنج ہوا۔ قتادہؓ نے خالدؓ پر الزام لگایا کہ آپ نے ایک مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرا دیا ہے۔ اس قتل کی ساری ذمہ داری آپ کی گردن پر ہے۔ قتادہؓ اس حادثے پر اتنے ناراض ہوئے کہ انہوں نے خالدرض کے زیر کمان نہ رہنے کی قسم کھالی اور مالک بن نویرہ کے بھائی متمم کو لے کر مدینے چلے گئے تاکہ خلیفہ کے سامنے مقدمہ پیش کریں۔ خالدرض نے اس واقعہ کے اگلے دن مالک بن نویرہ کی بیوی لیلیٰ کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ ایک مرتد کی بیوہ تھی حضرت عمرؓ نے یہ واقعات سنے تو ان کے

دل میں خالدؓ سے متعلق کئی قسم کے شبہات پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے خلیفہ سے کہا کہ خالدؓ نے ایک مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرایا ہے اور پھر اس کی بیوی پر قبضہ جما لیا ہے اس لئے ایسے شخص کی تلوار کو جو خون ناحق سے رنگین ہو چکی ہے نیام میں کر دینا چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے میں "اللہ کی اس تلوار" کو جو کفار کا سر قلم کرنے کے لئے برہنہ ہو چکی ہے کس طرح نیام میں رکھنے کا حکم دے دوں"۔ یہاں یہ بات یاد کرنے کے قابل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو ان کی عدیم النظیر شجاعت کے باعث "سیف اللہ" کا لقب عطا کر رکھا تھا حضرت ابوبکرؓ کا اشارہ اسی طرف تھا۔

خلیفہ نے جواب طلب کرنے کے لئے خالدؓ کو مدینے بلایا۔ خالدؓ میدان جنگ کے اسی لباس میں جو اس وقت ان کے بدن پر تھا دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ ان کی پگڑی میں تیر ٹکے ہوئے تھے۔ خلیفۂ اسلام کی طرف جاتے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے تو عمرؓ ضبط نہ کر سکے پگڑی سے تیر کھینچ کر ان کے کندھے پر مارا اور بولے "ریاکار، قاتل اور زانی"۔ خالدؓ خاموشی سے گزر گئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش ہوئے۔ استفسار پر حقیقت حال بیان کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو بری الذمہ قرار دیا۔ صرف اتنا کہا کہ میدان جنگ میں نکاح کرنا شرفائے عرب کا دستور نہیں۔ خالدؓ واپس آتے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے تو آہستگی سے مسکرا کر کہنے لگے کہ اب خلیفہ نے مجھے بے گناہ

قرار دیا ہے"۔

متمم نے جو اس مقدمہ میں مدعی تھا عرض پیش کی کہ میرے بھائی کا خونبہا دلایا جائے اور بنو یربوعہ کے قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ دیا کہ خونبہا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ قیدی چھوڑ دیے جا سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر اس بات کا شبہ تو اسلام کا بدترین دشمن بھی نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اس مقدمہ میں خالدؓ کی بیجا پاسداری کی اور انصاف کا خون کر دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ خالدؓ کی خالص سپاہیانہ عادات کو خطرے کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لہذا انہوں نے حضرت صدیقؓ کی خدمت میں پھر عرض کیا کہ خالدؓ ایسے لاابالی طبیعت رکھنے والے شخص کو کمان نہیں دینی چاہیئے۔ لیکن صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو ملامت کی اور کہا کہ "خالدؓ کے بارے میں اپنی زبان نہ کھولو۔ اس نے ایک حکم دیا جس کے معنی دوسروں نے اور سمجھ لیئے"۔[1]

---

[1] مالک بن نویرہ کے قتل کا قصہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کے ان پیچیدہ واقعات میں سے ایک ہے جن کے متعلق اختلاف رائے کی گرما گرم بحثیں آج تک جاری ہیں۔ مالک بن نویرہ خود بھی شاعر تھا اور بنو تمیم کے رؤسا میں بہت ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا بھائی متمم بھی شاعر تھا جس نے مالک کے قتل پر پر درد مرثیے لکھے۔ عربی زبان کے ادب میں ان مرثیوں کی موجودگی اس واقعہ کی یاد کو زندہ رکھنے کا موجب بن گئی اور بنو عباس کے عہد خلافت کے (بقیہ صفحہ ۳۲۲ پر)

جنگ یمامہ مسیلمہ کذاب کا استیصال

بنو تمیم کے خطّے کے جنوب کا علاقہ یمامہ کہلاتا ہے جس میں بکر بن وائل کا قبیلہ آباد تھا۔ اس قبیلہ کی ایک اہم اور طاقتور شاخ بنو حنیفہ کہلاتی تھی۔ بنو بکر اور بنو حنیفہ اسلام لانے سے پہلے نیم مشرک اور نیم عیسائی تھے۔ وفود بھیج کر انھوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کی۔ لیکن پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد دوسرے عرب قبائل کی طرح یہ بھی مرتد اور باغی ہو گئے۔ بنو حنیفہ میں ارتداد کی تحریک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ ان کا جو وفد اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ گیا تھا ان میں مسیلمہ نامی ایک شخص بھی تھا۔ مسیلمہ ایک پست قد اور کریہ المنظر سا شخص تھا لیکن بہت عیّار واقع ہوا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجّال نامی ایک شخص کو جو قرآن پڑھ چکا تھا اور اسی قبیلہ کا فرد تھا۔ بنو حنیفہ کو دین اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا۔ لیکن مسیلمہ نے مدینہ سے واپس

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۳۲۱) مورخین نے اس واقعہ کو بہت رنگ آمیزیوں کے ساتھ لکھا کیونکہ خالدؓ کے بیٹے بنو امیّہ کے زبردست حامی تھے۔ اس وجہ سے وہ خالدؓ کی ذات سے بغض کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔ خالدؓ کے اس فعل کے متعلق خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ ان تمام الزامات کو لغو قرار دینے کے لئے کافی ہے جو اس سلسلے میں ان پر لگائے جاتے ہیں۔ مولّف

آکر لوگوں سے کہا کہ خدا کے رسولؐ نے ملاقات کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ مسیلمہ میری پیغمبری کا حصہ دار بنے گا۔ مسیلمہ نے اپنے دعوائے نبوت کی بنیاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر رکھی جس کا صحیح مطلب یہ تھا کہ مسیلمہ نبوت کا جھوٹا مدعی بنے گا۔ اس نے کہا کہ اب مجھ پر بھی خدا کا فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ اس نے قرآن کے تتبع میں کچھ عبارتیں بھی گھڑ لیں جنہیں وہ خدا کا کلام قرار دیتا تھا۔ اس نے لوگوں کو نئی طرز کی نمازیں بھی سکھائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیلمہ کی ان حرکات کی اطلاع پہنچی تو آپ نے اسے ایسی حرکتوں سے باز رہنے کا پیغام بھیجا لیکن مسیلمہ نے جواب بھیجا کہ آپ مجھے پیغمبری کے منصب میں شریک کریں اور زمین بانٹ لیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے انہوں نے مسیلمہ کے قاصدوں کو اپنے سامنے سے اٹھوا دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد جلد ہی فوت ہو گئے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد عرب کے قبائل میں ارتداد کی جو عام لہر اٹھی اس نے مسیلمہ کذاب کی جمعیت بہت بڑھا دی۔ مسیلمہ نے رجّال کو بھی جو بنو حنیفہ کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوا تھا اپنے ساتھ ملا لیا۔ بنو حنیفہ اور بکر بن وائل کے دوسرے قبیلے اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے اور مسیلمہ جلد ہی چالیس ہزار نفوس کے لشکر جرار کا مالک بن بیٹھا۔

عراق عرب کی متنبیہ سجاح اور مسیلمہ کے معاشقہ کی کہانی ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ مسیلمہ نے یہ دیکھ کر مسلمانوں کی فوجیں اس کی سرکوبی کے

بڑھتے دیکھ آرہی ہیں سجاح سے صلح کرلی ۔

مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے عکرمہ رض اور شرجیل بن حسنہ آ رہے تھے۔ عکرمہ رض جوش شہامت میں شرجیل رض سے آگے نکل گئے مسیلمہ کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ عکرمہ رض نے شکست کھائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رض کو اس شکست کی اطلاع ملی تو وہ سخت ناراض ہوئے انہوں نے عکرمہ رض کو لکھا کہ جب تک تم اپنی اس شکست کی تلافی نہ کرلو مجھے اپنا منہ نہ دکھانا۔ تم اپنے ڈویژن کو لے کر اس لشکر سے جا ملو جو عربستان کے مشرقی اضلاع میں یلغار کر رہا ہے۔ اس لشکر کے ساتھ جنوبی اضلاع کی طرف جاؤ شرجیل رض کو یہ ہدایت بھیجی گئی کہ وہ خالد رض کا انتظار کریں۔ اور جب خالد رض کا کالم پہنچ جائے تو ان کے زیر قیادت مسیلمہ سے لڑیں خالد رض اس وقت مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلہ میں جواب دہی کے لئے مدینے گئے ہوئے تھے۔ انہیں مسیلمہ کے مقابلہ میں یمامہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا گیا اور خلیفہ نے مزید کمک بھیجنے کا وعدہ بھی کیا۔ خالد رض مدینے سے اپنے کیمپ میں آگئے جو اس وقت بنو تمیم کے علاقہ میں بطاح کے مقام پر تھا۔ یہاں پہنچ کر خالد رض نے کمک کا انتظار کیا اور جب یہ کمک پہنچ گئی تو خالد رض نے یمامہ پر چڑھائی کردی ۔

مسیلمہ کی جمعیت جو چالیس ہزار تک پہونچ چکی تھی اس وقت عقربہ کے مقام پر ڈیرے ڈالے پڑی تھی خالد رض عقربہ کی طرف بڑھے ابھی ان کا لشکر عقربہ سے ایک منزل کی مسافت تک پہنچا تھا کہ

انہیں سواروں کی ایک جمعیت کوچ کرتی ہوئی نظر آئی۔ خالدؓ نے اس جمعیت پر حملہ کر کے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ یہ بنو حنیفہ کے لوگ تھے جو کسی قبیلے کے خلاف یلغار کر کے عقربہ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے ان میں بنو حنیفہ کا سردار مجاعہ بھی تھا۔ خالدؓ نے مجاعہ کو تو قید کر لیا تاکہ جنگ کے دوران میں اس سے کوئی فایدہ اٹھایا جا سکے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔

اگلے دن خالدؓ کا لشکر مسیلمہ کے لشکر سے متصادم ہوا۔ دس ہزار کے لشکر کو چالیس ہزار کی جمعیت سے مقابلہ آن پڑا تھا۔ بڑے گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ خالدؓ نے مکہ۔ مدینہ اور بدوی قبائل کے لشکروں کو الگ الگ کر دیا اور وہ سب شجاعت و مردانگی میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لئے پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ لڑنے لگے ادھر مسیلمہ اور اس کا بیٹا بنو حنیفہ کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ اگر مسلمان غالب آ گئے تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے تمہاری عورتوں پر۔ تمہارے بچیوں پر اور تمہاری املاک پر قبضہ جما لیں گے۔ جنگ کا پلہ کبھی اس طرف بھاری نظر آتا تھا کبھی اس طرف جھکتا ہوا دکھائی دیتا تھا جنوب کی تیز اور تند آندھی مسلمانوں کی آنکھوں ریت جھونک رہی تھی لیکن اس کے باوجود مسلمان بپھرے ہوئے شیروں کی طرح بنو حنیفہ کے لشکر پر حملے کر رہے تھے۔ اور آگے بڑھ بڑھ کر شہادت کے جام نوش کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بھائی زیدؓ نے اہل مکہ کے لشکر سے

کہا کہ " لو! میں چلا۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کو ساتھ لئے بغیر بہت آگے بڑھ گئے اور مرتدین کو قتل کرتے ہوئے خود شہید ہو گئے۔ مکہ والوں کا لشکر اپنے قاید کی یہ جرأت دیکھ کر بے جگری کے ساتھ مرتدین پر ٹوٹ پڑا۔ ان کے پیچھے اہل مدینہ کے قاید ثابت رضؓ بن قیس نے انصار کو للکارا اور کہا کہ تمہارے ہاتھ سست پڑ رہے ہیں۔ میں خدا کے سامنے اپنا حساب بے باق کرنے کے لئے آگے جا رہا ہوں۔ تم جو جی چاہے کرو۔ یہ کہہ کر ثابتؓ بن قیس بھی زیدؓ کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور بہتوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر انصار نے "یا محمداہ" کا نعرہ مارا اور ایک ہی ہلہ میں اپنے سامنے سے دشمن کا صفایا کر دیا۔ ابوحذیفہ رضؓ علم ہاتھ میں لئے آگے بڑھے اور مسلمانوں سے للکار کر کہنے لگے "قرآن کی خاطر جانیں لڑا دو"۔ ابوحذیفہ شہید ہو گئے تو علم کو ان کے آزاد شدہ غلام سالم نے سنبھالا۔ اتنے میں مسلمانوں کا ایک زبردست ریلا آیا جو مرتدین کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ جھوٹے نبی کے پیرو بھی بڑی بہادری کے ساتھ جانیں لڑا رہے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ کا پانسا پلٹا جا رہا ہے تو بنو حنیفہ کے سردار محکم نے اپنے آدمیوں کو پکار کر کہا "باغ میں گھس جاؤ اور پھاٹک بند کر لو"۔ محکم اپنے دستہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑتا رہا اور بنو حنیفہ کا باقی لشکر پسپا ہو کر باغ میں محصور ہونے لگا جس کے گرداگرد فصیل بنی ہوئی تھی۔ مسلمان محکم کے دستے کا صفایا کر کے باغ تک پہنچے تو پھاٹک بند ہو چکا تھا۔ براءؓ

نے کہا مجھے فصیل پر چڑھا دو۔ براءؓ نے فصیل پر چڑھ کر باغ کے اندر نگاہ دوڑائی تو سارا باغ انسانوں کی بھیڑ سے بھرا ہوا نظر آیا۔ براءؓ فصیل پر سے کود پڑے اور لڑتے بھڑتے دروازے تک جا پہنچے۔ انھوں نے پھاٹک کھول دیئے اور مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے باغ میں داخل ہونے لگے۔ اس تنگ جگہ میں جہاں جا بجا درختوں کی رکاوٹیں بھی تھیں پھر تلوار چلنے لگی۔ تاآنکہ مرتدین کا سارا انبوہ جو باغ میں جمع ہو رہا تھا قتل کر دیا گیا۔ عقربہ اور روضۃ الموت (بعد میں وہ باغ اس نام سے مشہور ہو گیا) کی لڑائیوں میں اتنا کشت و خون ہوا جس کی نظیر عرب کی لڑائیوں کی تاریخ میں پہلے کہیں نہیں ملتی۔ بنو حنیفہ کے مرتدین ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے جو بھاگ گئے تھے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور جہاں انہیں پایا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس جنگ میں تین سو ساٹھ مہاجرین۔ تین سو انصار اور پانچ سو کے قریب بدوی قبائل کے مسلمان شہید ہوئے جن میں صحابہ کرام کی کافی تعداد تھی۔

مسیلمہ کذاب روضۃ الموت کے معرکہ میں اسی وحشی نامی غلام کے ہاتھوں جو اب مسلمان ہو چکا تھا کیفر کردار کو پہنچا جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کیا تھا۔ خالدؓ جنگ کے خاتمہ پر مجاعہ کو ساتھ لے کر باغ میں داخل ہوئے۔ مقتولین اور شہدا کی لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ خالدؓ نے ایک تنومند اور وجیہہ صورت شخص کی لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا سردار تھا؟ مجاعہ نے کہا

"نہیں! یہ اس سے شریف تر اور معزز تر شخص کی لاش ہے۔ یہ محکم تھا" مجاعہ نے آگے بڑھ کر ایک پست قد شخص کی لاش دکھاتے ہوئے کہا کہ "یہ ہے مسیلمہ جس کو آپ تلاش کر رہے ہیں آپ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اسی کا مستحق تھا" خالدؓ بولے "ہاں تم نے ٹھیک کہا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ تمہارے ساتھ جو کچھ گزری وہ اسی مردک کے کرتوت کا نتیجہ تھا"۔

بنو حنیفہ کے لئے عفو عام

بنو حنیفہ کے بچے کھچے لوگ اپنے قلعوں میں جا کر پناہ گزین ہوئے خالدؓ کے عسکری دستے مار مار کر انہیں گرفتار کر کے لا رہے تھے لیکن مجاعہ نے جو قبیلہ کا سردار تھا اور شروع ہی میں خالدؓ کے ہاتھ جنگی قیدی بن چکا تھا۔ خالدؓ سے اپنے قبیلہ کے لئے اس شرط پر معافی کا پروانہ حاصل کر لیا کہ وہ دین اسلام کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ بنو حنیفہ کو اس شرط پر عام معافی دے دی گئی صرف ان کے چند چیدہ چیدہ اشخاص قیدی بنائے گئے اور خالدؓ نے بنو حنیفہ کا ایک وفد اظہار اطاعت اور تجدید اسلام کے لئے خلیفہ کی خدمت میں بھیجا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی زبان سے مسیلمہ کذاب کا بناوٹی کلام سنا اور بڑے تعجب سے فرمایا کہ "کیا تم اس بے معنی سی عبارت پر گمراہ ہو گئے جس میں نہ نیکی کی تعلیم ہے نہ بدی کی تحریک ہے؟" اہل وفد نے

مسیلمہ پر لعنت بھیجی اور اپنے قبیلہ کے قصور کا اعتراف کر کے تائب ہو گئے۔

دو ضمنی واقعات

اِس جنگ کے سلسلے میں دو واقعات کا تذکرہ کر دینا ضروری ہے جن سے اُس دور کے مسلمانوں کی افتادِ طبیعت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے بھائی زیدؓ اس لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ اس جنگ سے واپس لوٹے اور چچا کو ساتھ نہ لائے تو عمرؓ نے کہا "تم کیوں زندہ رہے تمہیں ان سے پہلے شہید ہو جانا چاہیئے تھا" عبداللہ نے جواب دیا "بابا! انہوں نے شہادت کا رتبہ حاصل کرنے کی تمنا کی۔ خدا نے ان کی تمنا کو شرف قبولیت بخشا۔ میں نے بھی تمنا کی لیکن میری دعائیں مقبول نہ ہوئیں"

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ خالدؓ نے اس جنگ کے اختتام پر بنو حنیفہ کو عفو عام دیا تو رئیس قبیلہ مجاعہ سے درخواست کر کے اس کی بیٹی سے نکاح رچا لیا۔ مجاعہ نے ہر چند سمجھایا کہ آپ کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے لیکن خالدؓ نہ مانے۔ نکاح ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کی اطلاع پہنچی تو خلیفہ نے خالدؓ کو خط لکھ کر اس جلد بازی پر ملامت کی۔ صدیقؓ نے لکھا "ارے ابو خالد کے بچے! مجھے اپنی جان کی قسم! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ زمین ابھی بارہ سو مسلمانوں کے خون سے رنگین تھی

کر تم حُسن کی پتلی سے بیاہ رچانے بیٹھ گئے۔" خالدؓ نے خلیفہ کے اس بزرگانہ عتاب کو پڑھا اور اتنا کہہ کر کاغذ جیب میں ڈال لیا کہ "یہ کام اس بائیں ہاتھ والے کا ہے۔" خالدؓ کی مُراد حضرت عمرؓ سے تھی۔

بحرین کی تسخیر

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحرین کی تسخیر کے لئے علاءؓ کو مقرر کیا تھا۔ بحرین اور ہجر کا علاقہ خلیج فارس کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ خلیج عمان تک جاتا ہے۔ اس میں بنو بکر آباد تھے۔ بنو بکر نے جن کا سردار منذر تھا عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام کی اطاعت قبول کر لی تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء نامی ایک صحابی کو زکات وصول کرنے کے لئے اور جرود نامی ایک صحابی کو انہیں دینِ اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبائل عرب میں ارتداد اور بغاوت کی جو عام وبا پھیلی اس سے بنو بکر بھی متاثر ہوئے علاءؓ انہیں چھوڑ کر مدینہ کو واپس جانے پر مجبور ہو گئے لیکن جرود ایک قبیلے میں جو اسلام پر قائم رہا وہیں مقیم رہے۔ حضرت صدیقؓ نے مُرتدین کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجے تو علاءؓ کو اس لشکر کی کمان سونپی گئی جو بحرین اور ہجر کی تسخیر کے لئے مقرر ہوا تھا۔

خالدؓ مسیلمہ اور اس کے قبیلہ بنو حنیفہ کی سرکوبی کر چکے تھے کہ علاءؓ اپنی فوج لے کر وسطی عرب کو عبور کرتے ہوئے ہجر اور بحرین کی طرف

بڑھے۔ راستے میں بنو تمیم اور بنو حنیفہ کے قبائل نے جنہیں خالد ؓ سر کر کے از سر نو اسلام کا حلقہ بگوش بنا چکے تھے علاء کی امداد کے لئے اپنے دستے بھیجے۔ علاء کا لشکر دہنہ کے صحراؤں سے گزر رہا تھا۔ دن بھر کے سفر میں انہیں پانی کا کوئی چشمہ دکھائی نہ دیا۔ لشکر راستہ بھول گیا تھا۔ رات بڑے اضطراب میں گزری۔ صحرا کا سفر ابھی درپیش تھا۔ سب کو یہ فکر لاحق ہونے لگی کہ اگلے دن کی تابشِ آفتاب پانی نہ ملنے کے باعث انہیں صحرا کی گود میں موت کی نیند سلا دے گی۔ لیکن جونہی آفتاب نکلا انہیں دور سے پانی دکھائی دیا۔ لشکر آگے بڑھا تو ایک چھوٹی سی جھیل مل گئی۔ اونٹوں اور انسانوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور آگے چل دیئے۔ کہتے ہیں صحرائے دہنہ میں نہ اس سے پہلے کسی جھیل یا چشمہ کی موجودگی کا سراغ معلوم تھا نہ اس کے بعد کبھی نظر آیا۔ اس حسنِ اتفاق نے اسلامی لشکر کی جان بچا دی۔

ادھر بحرین کے باغی قبائل نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک بھاری لشکر جمع کر لیا تھا۔ قبیلہ کے سردار حطم نے نہ صرف تمام عرب قبائل کو جو اس علاقہ میں آباد تھے متحد کر لیا بلکہ ان ایرانی نژاد اور ہندی نژاد قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو خلیج فارس کی ساحلی بستیوں میں آباد تھے۔ ان سب نے حیرہ کے شاہی خاندان کے ایک شہزادے کو اپنا بادشاہ بنا لیا تھا۔ صرف ایک قبیلہ جس میں حضرت جارود مقیم تھے اسلام کا وفادار رہا۔ باغیوں نے اس قبیلہ کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اور وہ فاقوں کے مارے بہت تباہ حال ہو رہے تھے کہ علاء کے لشکر نے بر وقت پہنچ کر

انہیں اس مصیبت سے نجات دلائی اور وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

علاء نے دیکھا کہ دشمن کی جمعیت بہت زیادہ ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے کیمپ کے سامنے خندق کھود لی۔ ایک مہینہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ فریقین کے بہادروں کے درمیان مبارزتیں ہوتی رہیں۔ کبھی کبھی جھڑپیں بھی رونما ہو جاتیں۔ آخر ایک رات علاء کو اطلاع ملی کہ دشمن کے لشکر شرابیں پی کر بدمست ہو رہے ہیں۔ اور لڑائی کی جانب سے بے فکر بیٹھے ہیں۔ علاء نے ان پر حملہ کر دیا اور اپنے لشکر کے بازوؤں کو پھیلا کر ان پر چاروں طرف سے ہلہ بول دیا۔ باغی سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ حطم مارا گیا اور حیرہ کا شہزادہ گرفتار کر لیا گیا۔ باغی ساحل کی طرف بھاگے اور کشتیوں میں سوار ہو کر جزیرہ دارین میں پناہ گزیں ہوئے جہاں نسطوری عیسائیوں کا ایک راہب خانہ تھا۔ مسلمان تعاقب کرتے ہوئے ساحل پر پہنچے۔ ان کے پاس کشتیاں نہ تھیں وہ سمندر میں کود پڑے اور آبنائے کو عبور کر کے جزیرہ میں پہنچ گئے۔ انہیں آبنائے میں کسی جگہ بھی گہرے پانی سے سابقہ نہ پڑا۔ جزیرہ میں پہنچ کر مسلمانوں نے تمام باغیوں کو قتل کر دیا۔ نسطوری راہبوں نے اسلامی فوج کے اس طرح آبنائے کو عبور کرنے کو حضرت موسیٰؑ کے اس معجزہ کی مانند قرار دیا جب وہ بنی اسرائیل کو لے کر بحیرہ قلزم کی ایک کھاڑی میں سے گزرے تھے۔ اور کھاڑی کا پانی بنی اسرائیل کے لئے خشک ہو گیا تھا۔ ان میں سے کئی راہبوں نے دینِ اسلام قبول کر لیا بعد

اب بحرین اور ہجر کے بچے کھچے باغیوں اور رہزنوں کو زیر کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ اس مہم میں بنو بکر کے ایک سردار قبیلہ مثنیٰ نامی نے اپنے آپ کو بہت ممتاز کیا۔ مثنیٰ باغیوں کی سرکوبی کرتا ہوا دریائے فرات کے دہانہ کی سرزمین تک پہنچ گیا۔ اور اس نے ڈیلٹا کی سرزمین میں بسنے والے قبائل کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا کر اسلام کی سلطنت کے لئے ایک نیا مرکز قائم کر دیا۔ یہی مثنیٰ آگے چل کر اسلام کا ایک بہت بڑا جرنیل ثابت ہوا جس نے عراق عرب کی تسخیر میں شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ ان کا حال اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

عمّان کی تسخیر

عمّان کی تسخیر کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے حذیفہ رضؓ اور عرفجہ رضؓ کو مقرر کیا تھا۔ عمّان کا سردار جیفر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اسلام قبول کر چکا تھا اور حضرت عمرو ابن العاص رضؓ عمّان میں دربار رسالت کے سفیر مقرر ہوئے تھے۔ عمّان والوں نے دربار رسالت سے یہ رعایت بھی حاصل کر لی تھی کہ ان کے ہاں کی زکات کے محاصل تمام کے تمام عمّان ہی کے غریبوں اور مسکینوں پر تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عمّان کے لوگ بھی باغی ہو گئے۔ لقیط نامی ایک شخص نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔ عمّانی اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ جیفر کو پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی اور

عمرو ابن العاصؓ مدینے کو لوٹ گئے۔ حذیفہؓ اور عرفجہؓ مسلمانوں کا لشکر لے کر عمان میں پہنچے۔ جہاں ان کی کمک کے لئے عکرمہؓ ابن ابوجہل بھی آ گئے۔ جنہیں مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد خلیفہؓ نے مشرق اور جنوب کی مہموں میں شامل ہونے کا حکم دیا تھا۔ جیفر بھی پہاڑوں سے اُتر کر اسلامی لشکر کے ساتھ آن ملے۔ اور مسلمانوں نے سوہار کے ضلع پر قبضہ جما لیا۔ دابع کے مقام پر مسلمانوں اور باغیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ باغی جان توڑ کر لڑے۔ ان کا پلہ بھاری نظر آ رہا تھا کہ بحرین سے عبدالقیس اور دوسرے قبائل کی جو علاء کی مہم کی سامنے زیر ہو چکے تھے کمک پہنچ گئی۔ باغیوں کو شکست ہوئی۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ ان کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ دابع کی تجارتی منڈی سے جو ہندوستان کے تجارتی مال سے بھری ہوئی تھی مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ عرفجہ پانچواں حصّہ لے کر مدینے چلے گئے اور حذیفہ ملک میں امن قائم رکھنے کے لئے وہیں رہے۔

مہرہ کی تسخیر

عکرمہؓ ابن ابوجہل لشکر لے کر مہرہ کے علاقے کی طرف بڑھے۔ جو عمان سے جنوب مغرب کی جانب واقع ہے۔ مہرہ میں دو سردار آپس میں بر سرِ نفاق تھے۔ ان میں سے ایک نے عکرمہؓ کے پاس جا کر دینِ اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت

میں دو ہزار باختری اُونٹ جو دو کوہان رکھتے تھے ملے۔ ان کے علاوہ بار برداری کے دوسرے جانور اور اسلحہ بھی ہاتھ آئے۔ عکرمہؓ اس مُہم کو سر کرنے کے بعد خلیفہ کے احکام کے مطابق حضر موت اور یمن کی طرف بڑھے جن کو زیر کرنے کے لئے خلیفہ نے مہاجر کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ عکرمہؓ مہاجرؓ کی امداد کے لئے متعین ہوئے تھے۔

حجاز۔ تہامہ اور نجران کی حالت

مہاجرؓ کی مہم کا ہدف یمن کا ملک تھا۔ لیکن مدینہ اور یمن کے درمیان حجاز۔ تہامہ اور نجران کے علاقے پڑتے تھے جن میں ایک حجاز کو چھوڑ کر دُوسرے علاقوں میں طرح طرح کی شورشیں سر اٹھا رہی تھیں۔ حجاز کے شہر مکّہ اور طائف اسلام کے وفادار رہے۔ لیکن تہامہ میں جو حجاز سے جنوب کی جانب بحرِ قلزم کے ساحل پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ شورش رُونما ہوئی۔ بنوخزاعہ کے رہزنوں نے اس علاقہ میں چاروں طرف بدامنی پھیلا دی ان کے ساتھ نواحِ مکّہ کے بدوی قبائل بھی شریک ہو گئے۔ مکّہ کے گورنر عتّاب نے ان رہزنوں کی سرکوبی کی۔ حدودِ حرم میں پانچ سو سوار کی جمعیت راستوں کی حفاظت کے لئے متعین کر دی۔ اور باہر دُور دُور تک حفاظتی چوکیاں بٹھا دیں۔ مکّہ اور طائف کے علاقے وہاں کے گورنر عتّاب کی پیش بندیوں کی بدولت بدامنی سے محفوظ ہو گئے لیکن تہامہ اور نجران میں بشیر سے بدوی قبائل نے ہتھیار اٹھا لیا تھا۔ ایک بدوی قبیلہ بیلا

رئیس عمرو بن معدی کرب بنا ہوا تھا۔ خالد بن سعید نے جوان اضلاع کے حاکم تھے مقامی مسلمانوں کی مدد سے عمرو بن معدی کرب سے مقابلہ کیا۔ ایک دفعہ تو عمرو سے اس کی مشہور و معروف تلوار "صمصامۃ" بھی چھین لی جو یمن کے حمیری بادشاہوں کی یادگار تھی اور عرب کی شاعری میں جس کا بہت چرچا چلا آرہا تھا۔ لیکن عمرو ابن معدی کرب کی سرگرمیاں بہت تیز ہوگئیں۔ مسلمانوں کو پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ اور خالد بن سعید واپس مدینہ چلے گئے۔ حجاز کے لشکر نے ایک دفعہ مکہ کے نواح تک یلغار کی لیکن حاکم مکہ عتاب نے انہیں شکست دے کر تتر بتر کر دیا۔

تہامہ میں عک اور عشائر قبیلوں کے بدوی مار دھاڑ کر رہے تھے اس علاقہ میں امن قائم رکھنے کے لئے طاہر مامور تھے انہوں نے رہزنوں کو سخت پکڑا اور انہیں اس طرح مارا کہ راستے ان کے مقتولوں سے پٹ گئے۔

یمن کی تسخیر

تہامہ اور نجران کے جنوب میں یمن کا علاقہ بھی باغی ہو چکا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اسود عنسی نامی ایک شخص نے جو نقاب پوش تھا پیغمبری کا دعویٰ کر کے بدامنی پھیلانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں پیغمبر کے اس نقاب پوش مدعی کو اس کے تین ساتھیوں قیس بن عبد یغوث عربی اور فیروز اور داد ویہ نامی

دو ایرانیوں سلہ نے اس کی بیوی کے ساتھ سازش کر کے قتل کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فیروز کو اس علاقہ کا حاکم مقرر کیا۔ اور قیس اور داذویہ اس کے معاون مقرر ہوئے لیکن قیس نے جو عربی النسل تھا ایرانی کے ماتحت رہنا گوارا نہ کیا اور فیروز کے خلاف بغاوت کر دی۔ قیس نے عمرو بن معدی کرب کو اپنا حلیف بنا لیا۔ عمرو نے داذویہ کو ضیافت پر بلا کر دھوکے سے قتل کر دیا۔ فیروز بھاگ کر خولان کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا۔ قیس نے ایرانیوں کو تاخت و تاراج کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بہت سے ایرانی عدن کی طرف بھاگ گئے اور وہاں سے جہازوں پر سوار ہو کر اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ فیروز نے بعض عرب قبیلوں کی مدد سے جو اس کے حلیف بن گئے تھے قیس کو شکست دی اور پھر اس علاقہ کا حکمران بن بیٹھا۔ فیروز نے خلیفۂ اسلام سے بھی امداد کی درخواست کی تھی لیکن مہاجرین کا لشکر بروقت نہ پہنچ سکا۔

مہاجرین کی فوجیں پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے آٹھ یا دس ماہ بعد جا کر یمن کے افق پر نمودار ہوئیں۔ راستے میں وفادار قبائل کے

سلہ یمن کی سرزمین نوشیروان عادل کے وقت یعنی ۵۷۱ء کے قریب ایران کے زیر اثر آ گئی تھی۔ اور کچھ ایرانیوں نے حکمراں ہونے کی حیثیت میں بستیاں بسائی تھیں۔ مولف

جنگجوان کے لشکر میں شامل ہوتے گئے۔ اُدھر مشرق سے عمّان اور مہرہ کی مہموں کو سر کر کے عکرمہؓ لشکر لے کر آرہے تھے۔ عکرمہؓ نے حضرموت کے ضلع کو اپنے دائیں ہاتھ چھوڑ کر سیدھا عدن کا رخ کیا۔ ان لشکروں کی یلغار کی اطلاع پاکر قیس ابن عبدیغوث اور عمرو بن معدی کرب نے متحد ہو کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی لیکن کسی بات پر ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور دونوں ایک دُوسرے کی ہجو میں شعر کہتے ہوئے الگ ہو گئے۔ عمرو بن معدی کرب نے موقع پاکر قیس کے کیمپ پر شبخون مارا اور قیس کو گرفتار کر کے مہاجر کے پاس لے گیا۔ مہاجر نے دونوں کو گرفتار کرلیا۔ اور قیدی بنا کر خلیفہ کے پاس مدینے بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دونوں کو لُوٹ مار کا پیشہ اختیار کرنے پر لعنت ملامت کی اور دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی (یہ مُرتد نہ تھے مُشرک تھے) دونوں نے اسلام کا حلقہ بگوش ہونا منظور کر لیا۔ اور اُس دن سے اسلام کے بہادر سپاہی بن گئے۔ ان دونوں نے عراق عرب اور ایران کی مہموں میں جو بعد میں پیش آئیں بہادری کے متعدّد کارنامے انجام دیئے۔

حضرموت کی تسخیر

یمن کی مہم کو سَر کرنے کے بعد مہاجر کا کالم صنعا سے حضرموت کی طرف بڑھا۔ اُدھر عدن سے عکرمہؓ بھی مہاجر کی کمک کے لئے چل پڑے۔

حضرموت میں زیادؓ مقامی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ باغیوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ باغی بنوکندہ کے لوگ تھے زیادؓ نے ایک معرکہ میں انہیں شکست دی اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا لیکن بنوکندہ کے ایک سردار اشعث نے لشکر جمع کر کے زیادؓ کو شکست دی اور اپنے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو چھڑا لیا۔ اشعث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدینہ جا کر دین اسلام قبول کر چکا تھا اور اس کی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بہن سے ساتھ قرار پا چکی تھی۔ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد باغی ہو گیا۔ زیادؓ اس کی سرگرمیوں کے ہاتھوں بہت تنگ آ رہے تھے۔ اور مہاجرؓ کو جلد سے جلد کمک لے کر پہنچنے کے لئے لکھ رہے تھے۔ مہاجر اور عکرمہؓ کے لشکر صنعا اور عدن سے چل کر مآرب کے مقام پر آپس میں مل گئے تھے۔

مہاجر نے لشکر کی کمان عکرمہ کے سپرد کی اور خود مختصر سی جمعیت لے کر زیاد کی مدد کے لئے چل پڑے۔ زیاد اور مہاجر نے مل کر اشعث کے لشکر پر حملہ کیا اور اسے شکست فاش دی۔ بنوکندہ نے نجیر کے قلعے میں پناہ لی۔ مہاجر نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اتنے میں عکرمہ بھی لشکر لے کر آ گئے بنوکندہ نے قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ سخت لڑائی لڑی لیکن شکست کھائی۔ اور پھر قلعہ نشین ہو گئے۔ محاصرہ کی سختی سے تنگ آ کر اشعث نے عکرمہ سے ساز باز کی اور قرار پایا کہ مسلمان قبیلہ کے نو افراد کی جن کے نام اشعث پیش کرے گا جان بخشی کر دیں گے۔

اس پر اشعث نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ مسلمان ٹوٹ پڑے

اور منصورین سے جنگ کر کے انہیں مغلوب کرلیا۔ اشعث نے حسب قرارداد
نو اشخاص کی فہرست پیش کی لیکن وہ اس میں اپنا نام لکھنا بھول
گیا۔ مہاجر نے کہا کہ اس فہرست میں تمہارا نام نظر نہیں آتا۔ گویا خدا نے
تمہیں اپنے ہاتھ سے واجب القتل ٹھہرا دیا ہے۔ عکرمہ نے سفارش کی
کہ اشعث کو دربارِ خلافت میں بھیج دیا جائے چنانچہ اشعث کو مدینہ بھیج
دیا گیا۔ حضرت صدیق رضؓ نے کہا کہ تم مرتد اور غدار ہو اس کے علاوہ تم
میں اپنے آدمیوں کی قیادت اور حفاظت کرنے کی صلاحیت بھی نہیں
اس لئے تمہاری سزا موت ہے۔ لیکن عکرمہؓ نے اشعث کی جان
بخشی کی سفارش کی تھی اس لئے صدیق رضؓ نے اس کا قصور معاف
کر دیا اور اشعث نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ دینِ اسلام کی خاطر
جان لڑانے میں دریغ سے کام نہ لے گا۔ اشعث نے طے شدہ نسبت
کے مطابق حضرت صدیق رضؓ کی بہن سے شادی بھی کر لی۔ لیکن صدیقؓ
کہا کرتے تھے جن تین باتوں کے ارتکاب پر مجھے افسوس ہے
ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے اشعث کا قصور معاف
کر دیا۔

اس مہم کے بعد یمن اور حضرموت میں بھی اسلام کا امن
قائم ہو گیا۔ مہاجر دربارِ خلافت کے نمائندہ کے طور پر یمن میں
رہے جہاں کا حاکم فیروز ایرانی تھا اور حضرموت میں پہلے ہی سے
زیاد حکمران تھے۔ وہی بعد میں رہے۔

حضرموت کی تسخیر کے ساتھ عرب کی ساری زمین ایک دفعہ پھر محمدؐ کا کلمہ پڑھنے لگی۔ ارتداد، بغاوت، رہزنی اور شورش کے تمام فتنے تلوار کے بل پر موت کی نیند سلا دیئے گئے۔ یہ سب واقعات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت کے پہلے ہی سال میں رونما ہوئے ۱۲ ہجری کے ابتدائی ایام تک یمن اور حضرموت کی مہمیں بھی سر ہو چکی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عدیم النظیر عزم و استقلال کی بدولت مسلمان ارتداد اور بغاوت کے اس فتنۂ عظیم کا سر کچلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کا ایک ایک شرارہ کامیاب ہونے کی صورت میں اسلام کے خرمن کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا۔ اس کامیابی کا تمام تر سہرا اُن مسلمانوں کے ایمان کی پختگی کے سر پر ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ اور اس فتنۂ عظیم کو مٹانے کی خالص نیت لے کر اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ پیشوایانِ مذاہب کی تاریخ ایسے راسخ الایمان فدائیوں کی اتنی بڑی تعداد کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے جو پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت نے پیدا کی۔ اس جماعت کے سامنے زندگی کا مقصدِ وحید صرف یہ تھا کہ دین اسلام کا بول بالا ہو۔ اور سب لوگ اس مذہب کے پیرو کار بن جائیں جو نوعِ انسانی کی دنیوی اور اخروی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس فتنہ کے فرو کرنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ

کی ہمت و عزیمت کے بعد جس چیز کو سب سے زیادہ نمایاں دخل حاصل ہے وہ خالدؓ سیف اللہ کی شجاعت ہے اگر اس ابتدائی دَور کے مسلمانوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا سا امیر اور حضرت خالد رضؓ کا سا جرنیل موجود نہ ہوتا تو ان کے لئے اس فتنۂ عظیم سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل امر بن جاتا۔

عراق اور شام میں اسلام کی یلغاریں

قیصر و کسرےٰ سے مقابلہ

عرب میں ارتداد و بغاوت کے فتنہ کو فرو کرنے کے فوراً بعد اسلام کے لشکر عراق اور شام کی سرزمینوں میں خسرو ایران اور قیصر رُوم کی جنگی طاقتوں کے ساتھ قوت آزمائی کرتے نظر آنے لگے۔ اسلام اس دور کے عالم کی ان دو عظیم الشان اور قاہر سلطنتوں سے رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں متصادم ہو چکا تھا۔ بُصریٰ (سرحد شام) کے عرب رئیس جو قیصر روم کے زیر اثر تھے سنہ ہجری ہی سے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور قیصرِ رُوم کے نام قبولِ اسلام کا دعوت نامہ ارسال کیا تھا، مسلمانوں کے دشمن بن گئے تھے انہوں نے سنہ ہجری میں دربارِ رسالت کے ایک قاصد کو جو قیصرِ روم کے لئے دوسرا مکتوب لے جا رہا تھا۔ قتل کر دیا۔ اس حادثہ کی بنا پر سنہ ۸ ہجری میں رسُول خداؐ کو ان کے خلاف مہم بھیجنی پڑی اور جنگ موتہ پیش آئی جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور متعدد افسروں اور مجاہدوں کے شہید

ہو جانے کے بعد خالدؓ اپنی فوج کو بمشکل تباہی سے بچا کر واپس لے آئے
۸ھ ہجری کے اواخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی قیادت
میں ایک تعزیری مہم ان قبائل کی سرکوبی کے لئے لے کر گئے اور غزوہ تبوک
پیش آیا جس میں ان قبائل کو شکست ہوئی۔ اور وہ ادھر ادھر بھاگ گئے
ازاں بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود عرب کے معاملات میں اتنے مصروف
ہو گئے کہ مرض الموت تک شام کے قضیئے کی طرف توجہ مبذول نہ کر سکے مرض
الموت میں آپؐ نے اسامہ کو شام کی سرحدات کی طرف مہم لے جانے کا
حکم دیا۔ یہ مہم رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول نے بھیجی جو کامیابی
کے ساتھ چھاپا مار کر واپس آگئی لیکن شام کے سرحدی قبائل نے ابھی تک
اطاعت قبول نہ کی تھی۔ اور رسول اللہؐ کے جانشین حضرت صدیقؓ
جو عرب قبائل کے ارتداد کے فتنۂ عظیم سے دوچار ہو گئے شام کی سرحد
کے کارِ عظیم کو نہیں بھولے تھے چنانچہ فتنۂ ارتداد کے استیصال کے
بعد انہوں نے شام پر لشکر کشی کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ ۱۲ سنہ ہجری
مطابق ۶۳۳ء کے آغاز ہی سے شام کی سرحد کی طرف لشکر روانہ کر دیا۔
اور حسبِ ضرورت اس کی امداد کے لئے کمک پر کمک بھیجنے لگے۔
ادھر عراق کی سرحد پر کسرائے ایران کے ساتھ اسلام کا اعلان
جنگ اسی دن سے ہو چکا تھا جب خسرو پرویز نے ۶ سنہ ہجری مطابق
۶۲۸ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک جو دعوتِ اسلام
کا حامل تھا۔ جوشِ غضب میں آکر پھاڑ ڈالا تھا۔ ایران کے شہنشاہ سرزمین

عرب کو اپنے زیر اثر خیال کرتے تھے۔ خسرو نے اپنے حاکم یمن کو لکھا کہ محمد کو جس نے میری شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ پکڑ کر دربار میں حاضر کیا جائے حاکم یمن کے دو آدمی یہ پیغام لے کر مدینے آئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اسلام کی طاقت ایران کی سلطنت کو اسی طرح پارہ پارہ کر دے گی جس طرح خسرو نے میرے خط کو پرزے پرزے کیا ہے۔ اسی اثنا میں پرویز کے بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور تخت و تاج کے وارث ہونے کے کئی مدعی پیدا ہو گئے۔ ایران کا دربار طرح طرح کی سازشوں اور خانہ جنگیوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا۔ اس لئے اسے عرب کی اس تحریک کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ ملی۔ جب اسلام کا اثر عراق کے ان سرحدی قبائل تک پہنچنے لگا جو سلطنت ایران کے زیر اثر تھے تو دربار ایران نے اپنے زیر حمایت قبائل کی امداد کی۔ یہ قصہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ آخر ۱۱ھ ہجری میں جب علاء کے لشکر نے بحرین اور ہجر کے علاقوں میں ارتداد کے فتنہ کا استیصال کیا تو بنی بکر بن وائل کے ایک قبیلہ کے سردار مثنیٰ نامی نے بچے کھچے باغیوں کی سرکوبی کے لئے خلیج فارس کے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف یلغار کی۔ مثنیٰ کامیاب و کامگار رہتے ہوئے دریائے فرات کے دہانہ کی سرزمین تک پہنچ گئے جو براہ راست ایرانی گورنر کے زیر اقتدار تھی۔ مثنیٰ کے کارناموں کی اطلاعیں دربار خلافت میں پے در پے پہنچنے لگیں تو حضرت ابوبکر صدیق نے پوچھا کہ یہ مثنیٰ کون ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ مثنیٰ بنو بکر بن وائل کے قبیلہ

کا ایک سردار ہے جو ارتداد کی آندھیوں کے دوران میں اسلام پر ثابت قدم رہا اور اب اسلام کے دائرۂ اقتدار کو وسیع تر کرنے کے لئے از خود کوشاں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مثنیٰ کو عراق کی مہموں کے لئے افسر مقرر کرنے کا باقاعدہ فرمان جاری کر دیا اور اس کی سرگرمیوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا ؂

اس طرح ۱۲ھ ہجری مطابق ۶۳۳ء کے آغاز میں اسلام کی طاقت نے اپنے آپ کو اس وقت کی دو بہت بڑی قاہر و جابر سلطنتوں یعنی روم و ایران کے ساتھ بیک وقت برد آزما پایا۔ ان دو بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس اپنی قوتِ ایمانی کے سوا اور کوئی ساز و سامان نہ تھا۔ ظاہری اسباب پر تکیہ رکھنے والے دماغ اس کیفیت کا تصور نہیں کر سکتے جس سے متاثر ہو کر خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دینِ اسلام کو فروغ دینے کا شوق بے پایاں رکھنے والے عرب مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کی طاقتوں سے بیک وقت مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ بادی النظر میں کوئی شخص دربارِ خلافت کے اس فیصلہ کو قرینِ مصلحت قرار نہیں دے سکتا لیکن اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت نے مسلمانوں میں اعتماد علی النفس اور توکل بر خدا کی ایسی محکم کیفیت پیدا کر دی تھی کہ وہ نہ تو قیصر و کسریٰ کی طاقت و عظمت سے مرعوب ہو سکتے تھے اور نہ صحراؤں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں کے قدرتی موانع کو خاطر میں لاتے تھے۔ آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ عربوں

کی جنگجو قوم نے اسلام کی قوتِ ایمانی سے مالامال ہو کر جس خود اعتمادی کے ساتھ تسخیرِ عالم کا عزم کر لیا۔ اس میں وہ اندازے کی غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔

رُوم و ایران کی سلطنتیں

اس موقع پر رُوم و ایران کی سلطنتوں کے مختصر سے کوائف کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو سکے کہ مسلمانانِ عرب کے اجتماعی نظام کو جبکہ وہ اچھی طرح قدم بھی جمانے نہ پایا تھا۔ کتنی بڑی اور عظیم الشان طاقتوں سے مقابلہ آن پڑا۔ رومیوں کی سلطنت جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ اس وقت جزیرہ نمائے بلقان۔ یونان۔ ایشیائے کوچک۔ شام۔ فلسطین سرحد شام و عرب کے قبائلی خطوں۔ مصر۔ طرابلس۔ الجزائر۔ اور بحیرۂ روم کے تمام چھوٹے بڑے جزیروں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئی تھی۔ اس کے حکمران جو قیصر کا لقب رکھتے تھے۔ بازنطینی خاندان سے تھے جو ان اقطاع پر تین صدیوں سے حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس خاندان کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے بھی چار سو سال سے رُومی قیصر ہی اس سلطنت کے مالک تھے۔ سلطنت کا نظام اس دور کے علم رواج کے مطابق جاگیردارانہ تھا۔ ملکوں اور قطعوں میں بادشاہیاں قائم تھیں جو قیصر کو خراج ادا کرتی تھیں جو علاقے براہِ راست قسطنطنیہ کے بازنطینی دربار کے زیرِ انتظام تھے وہاں گورنر بلکہ فوجی گورنر مقرر کئے جاتے تھے۔ باجگزار علاقوں میں

بھی قیصر کی فوجیں مقیم رہتی تھیں۔ رومی اور یونانی حکمران فنونِ حرب کے بہت ماہر تھے اور محض اپنی جنگی طاقت کے بل پر سلطنت کا انتظام سنبھالے ہوئے تھے۔ کوئی تین صدیوں سے رومی دینِ مسیحی قبول کر چکے تھے۔ بازنطینی قیصر دینِ مسیحی کے محافظ اور نگہبان اور مشرقی کلیسا کے علم بردار سمجھے جاتے تھے۔ اس حیثیت کی بنا پر ان کے اثر کا دائرہ اپنی سلطنت سے باہر بھی وسعت اختیار کر گیا تھا۔ روس کے جاگیردار اس مذہبی اثر کے باعث دربارِ قسطنطنیہ کو اپنا پیشوا سمجھتے تھے۔ حبشہ کے لوگ بھی عیسائی ہونے کے باعث اس دربار کی طرف نگاہیں لگائے رہتے تھے۔ اس ملک کے حکمران بھی عیسائی تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے نجاشی نے دینِ اسلام قبول کر لیا تھا۔ ایران کی سلطنت میں جو عیسائی آباد تھے وہ بھی دربارِ قسطنطنیہ سے دلی ہمدردی رکھتے تھے۔ اس وجہ سے ایران کے شہنشاہوں کو بسا اوقات اپنے ہاں کے عیسائیوں کی کڑی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ جاہ و حشمت۔ تمول۔ تجارت اور خوشحالی کے لحاظ سے رومی سلطنت بہت ترقی یافتہ تھی۔ صدیوں حکمراں رہنے کے باعث رومی اور یونانی عیش پرست ہو گئے تھے۔ تعلیم۔ تہذیب اور تمدن کے اعتبار سے یہ لوگ بہت پس ماندہ تھے۔ مطلب یہ کہ ان میدانوں میں رومی حکمرانوں نے اپنے سے پہلے کے یونانی تمدن پر کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہ کیا۔ محض عسکری طاقت کے بل پر حکومت کرنا۔ خراج لینا اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنا ان کا معمول تھا۔

قریب قریب یہی حال ایرانیوں کا تھا۔ اس وقت ایران کی سلطنت عراق عرب سے لے کر خراسان تک پھیلی ہوئی تھی یمن اور عرب کو بھی ایران کے شہنشاہ اپنی سلطنت کا جزو تصوّر کرتے تھے۔ اگر ایرانی سلسہ ہجری کے فوراً بعد خانہ جنگیوں اور درباری سازشوں میں مبتلا نہ ہو گئے ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ وہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو جو اس سال کے بعد جنگل کی آگ کی طرح عرب کی جنگ کے ساتھ پھیلنے لگا تھا روکنے کے لئے کوئی عمل کرتے۔ اس عرصہ میں ایران کے تخت پر کوئی نو یا دس مدعی یکے بعد دیگرے بٹھائے اور اتارے گئے۔ اس دور میں ایران کا دربار داخلی جھگڑوں اور کشمکشوں میں مبتلا رہا۔ اُدھر دین اسلام قبائل عرب کو ایک ہی اجتماعی نظام کی سلک میں منسلک کرنے میں کامیاب ہو گیا ایرانیوں کو اس خطرہ کا احساس اس وقت پیدا ہوا جب مثنیٰ کے لشکر دریائے فرات کے دہانے کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے لگے۔

ایران کے خسرو (کسرے) قیاصرۂ روم کی طرح شاہنشاہی نظام رکھنے والی وسیع سلطنت کے مالک تھے۔ ان کے ہاں بھی جاگیرداری کا نظام قائم تھا۔ تاہم ایرانی شہنشاہ مختلف ولایتوں پر اپنے گورنر مقرر کرتے رہتے تھے۔ ایرانی زرتشتی دین کے پیرو تھے۔ آتش پرستی ان کے دین کا مرکزی نقطہ تھی۔ ایران کے شہنشاہ ساسانی خاندان کے تھے۔ یہ خاندان کوئی چار سو سال سے ایران پر حکومت کر رہا تھا۔

اوران اقطاع میں اسکندر رُومی کے جرنیل کی قائم کی ہوئی سلیوکیسی سلطنت کا جانشین تھا۔ ایرانی حکمران بھی تعلیم تہذیب اور تمدّن کے لحاظ سے رُومیوں کی طرح کورے تھے۔ اور محض عسکری طاقت کے بل پر عوام پر حکومت کرتے تھے اور ان سے باج اور خراج لے کر خود جاہ و حشمت۔ شان و شوکت اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دونوں سلطنتوں میں عوام النّاس حکمرانوں کے جور و ستم اور جبر و تشدّد کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ جنہیں اپنے حکمرانوں کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی۔

مذہبی عقاید کے لحاظ سے رُومی سلطنت کے عیسائی تثلیث کے قائل تھے۔ باپ۔ بیٹا اور رُوح القدس کو الگ الگ بھی سمجھتے تھے اور انہیں ایک بھی قرار دیتے تھے۔ مسیحؑ کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ خدا کا بیٹا بھی ہے اور خدا بھی ہے۔ جو اپنے بندوں کو نجات دلانے کے لئے مسیح کی شکل میں ظاہر ہو کر مصلوب ہُوا اور ایمان لانے والوں کے گناہوں کا کفّارہ بن گیا۔ ایران کے زرتشتی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کائنات میں دو مستقل طاقتیں نور اور ظلمت ایک دُوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ نور کی طاقت نیکی کی عَلَم بردار اور ظُلمت کی طاقت بدی کی نقیب ہے۔ دونوں طاقتیں اہورہ مزدہ کی مظہر ہیں۔ نور کی طاقت کا مظہر اتم آگ ہے اس لئے انسان پر جو نیکی کا طلبگار ہے آگ کی پرستش لازم ہے۔ دینِ اسلام نے جہاں بُت پرستی۔ شرک اور

دہریت وغیرہ کو باطل قرار دیا وہاں اس نے عیسائیوں کے مروجہ عقائد اور مجوسیوں (پارسیوں) کے عقائد کو بھی چیلنج کیا۔ اور کہا کہ کائنات کا خالق۔ مالک اور پروردگار صرف ایک خدائے واحد ہے۔ اس کی قدرت میں کسی باپ۔ بیٹے۔ رُوح القدس۔ نُور ظلمت۔ دیوتا۔ انسان فرشتے یا رُوح کو دخل حاصل نہیں۔ وہ نوعِ انسانی کو ہدایت اور نجات کی سیدھی راہ دکھانے اور زندگی گزارنے کا صحیح طریق (دین) سکھانے کے لئے بندوں ہی میں سے پیغمبر مقرر کرتا رہا ہے۔ اور اب اس نے محمدؐ کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا ہے۔ جو انسانوں کو خدا کے دین اور قانون کی تعلیم دیتا ہے۔

عرب کے مسلمان دینِ اسلام کے اس پیغام سے سرشار تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ خدا نے انہیں سچے دین کی نعمت عطا کر دی ہے وہ اس نعمت کو دُور دراز کے ملکوں اور انسانوں تک پہنچانے کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔ تاکہ دُوسری قومیں بھی ان کی طرح عرفانِ الٰہی کی روشنی سے منوّر ہو جائیں اور خُدا کے کلام قرآن کو اپنی زندگیوں کا دستورالعمل بنا لیں۔ اس مقصد کو رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تبلیغ کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا۔ لیکن مخالفوں نے تبلیغ کی راہیں ان پر یکسر بند کر دیں۔ ان راہوں کو کھولنے کے لئے مسلمان زورِ بازو اور تلوار کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے۔ اور یہ سلسلہ کچھ ایسا شروع ہوا کہ اس کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ہر مخالف

قوّت نے اسلام پر تبلیغ کے دروازے بند کرنے کی کوشش کی اسلام کے پیرو تلوار کی نوک سے ان دروازوں کو کھولنے پر مجبور ہوتے چلے گئے۔ قیصر و کسریٰ کے ساتھ مسلمانانِ عرب کے جدال و پیکار کا اصلی سبب یہی تھا کہ مسلمان ان ملکوں میں دینِ اسلام کی تبلیغ کے خواہاں تھے جس کی اجازت انہیں صلح و مصالحت سے نہیں مل سکی تھی۔ مسلمانوں نے تلوار کو ہاتھ میں لیا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ تلوار کے بل پر دوسروں کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کریں۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ اس دین کی حفاظت جسے دنیا بھر کی طاقتیں مٹانے کے درپے ہو گئی تھیں تلوار سے کی جائے اور اس دین کی تبلیغ کی راہ میں جو موانع شمشیر بدست نظر آئیں انہیں شمشیر ہی سے دور کر دیا جائے ؂

رُوم و ایران کی جنگیں

رُوم اور ایران کی یہ عظیم سلطنتیں بسا اوقات آپس میں ٹکرا جاتی تھیں۔ ان کے باہمی تصادم کی مختصر سی کیفیت کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے جو اسلام کی طاقت کے ظہور سے کچھ عرصہ پہلے وقوع پذیر ہوا۔ رُوم اور ایران کے درمیان شام اور عراق کی سرزمین پر قبضہ جمانے کے لئے لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ حیرہ (عراق عرب) کے عرب بادشاہوں نے چھٹی صدی مسیحی میں عیسائیت کا دین قبول کر لیا تھا اور وہ دربارِ

ایران کے خلاف قیصرِ روم سے ساز باز کرتے رہتے تھے۔ یہ کیفیت ۶۱۸ء میں روم اور ایران کے درمیان جنگ پر منتج ہوئی۔ اس لڑائی میں ہرقل قیصرِ روم نے ایرانیوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اور اسے عراق اور شام کے بہت سے قلعات سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس لڑائی کے وقت پیغمبرِ اسلامؐ ابھی مکّہ ہی میں تھے۔ مسلمان روم کے عیسائیوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ لیکن مکّہ کے مشرکین کی ہمدردیاں دربارِ ایران کے شاملِ حال تھیں۔ مسلمان جنگ میں قیصر کی شکست کا حال سُن کر بہت غمگین ہوئے۔ اس پر اللہ کے رسول محمدؐ پر خدا کا کلام نازل ہوا جس میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ روم نے ایران سے شکست کھائی ہے لیکن چند ہی سال میں روم ایران پر غالب آجائے گا۔[۱] قرآن کی یہ پیش گوئی ۶۲۷ء میں یعنی اس شکست کے نو سال بعد پوری ہوئی اور قیصر ہرقل نے ایشیائے کوچک سے چل کر بحیرہ خزر

---

[۱] قرآن مجید کی سورۂ روم کی پہلی آیت اس پیش گوئی کی حامل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

المٓ غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۝

(روم کی سلطنت قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئی لیکن وہ اس شکست کے بعد چند ہی سال گزرنے پر پھر غالب آئے گی)

(کیسپئین) کے جنوب میں ایرانی مملکت کو کامیابی کے ساتھ تاراج کر ڈالا۔ اور نینوہ کے مقام پہ ایرانی لشکر کو شکست فاش دی۔ رومی جرنیل میروقیس ایران کے پایۂ تخت مداین تک پہنچ گیا۔ میروقیس نے خسرو ایران کو اس کے اٹھارہ لڑکوں سمیت قتل کرادیا۔ اس جنگ کے بعد روم اور ایران کے درمیان صلح ہو گئی اور ایران نے وہ تمام علاقے قیصر کو دیدیئے جو نو سال پہلے اس سے چھینے تھے۔ اس جنگ کے بعد تختِ ایران کے نو مدعی پیدا ہوئے جو دربار کی سازشوں کے باعث خنجر یا زہر سے ہلاک ہوتے رہے۔ ۶۲۷ء سے ۶۳۴ء تک یعنی مسلمانوں کی یلغار کے وقت تک ایران کا دربار اور اس کے شاہی خاندان کے افراد اسی نوعیت کی سازشوں میں مبتلا رہے۔ اور ایرانیوں کو اس انقلاب کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہ مل سکی جو ان سالوں میں عرب کی سرزمین میں پھل پھول رہا تھا۔

روم و ایران کی علمی بے مائیگی کی حقیقت اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ روم و ایران کے اس دور کے حالات صرف عرب اور مسلمان مؤرخوں کے آثارِ قلم ہی سے معلوم ہو سکے ہیں۔ ان کا اپنا تاریخی ریکارڈ کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رومی اور ایرانی محض جبر و طاقت کے بل پر حکومت کرنا جانتے تھے علمی سرگرمیوں سے انہیں دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ صدیوں سے یہ ملک جہالت کی ظلمتوں میں مبتلا چلے آ رہے تھے۔ روم و ایران کے حکمرانوں نے صدیوں برسرِ اقتدار رہنے کے باوجود علمی اور فنی تحصیل و ترقی کا کوئی ایسا سرمایہ فراہم نہ کیا جو مسلمانوں کے ہاتھوں

ان کی بربادی پر نوحہ خواں نظر آسکتا۔

عرب مسلمانوں کے حملے کے وقت رُوم اور ایران کی کیفیت یہ تھی۔ اب ان ملکوں میں مسلمانوں کی یلغاروں کا حال سنیئے۔

عراق کی مہمیں

سنہ ۱۲ ہجری مطابق سنہ ۶۳۳ء

خالد اور عیاض کا تقرر

بحرین میں ارتداد کا فتنہ فرد کرنے کے سلسلے میں وہاں کے ایک قبیلہ بنو بکر بن وائل کے ایک رئیس مثنیٰؓ نے بہت نام پیدا کیا تھا۔ یہ مثنیٰؓ اپنے قبائلی لشکر کو لے کر باغیوں کی سرکوبی کرتا ہوا دریائے فرات کے دہانہ کی سرزمین تک پہنچ گیا۔ جو سلطنتِ ایران کی املاک تھی۔ مثنیٰ نے اس سرزمین کے عرب قبائل کو نہایت آسانی سے اپنے حلقۂ اثر میں داخل کر لیا۔ دربارِ خلافت میں مثنیٰؓ کی کامیابیوں کی اطلاعیں پہنچنے لگیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نہ صرف مثنیٰؓ کو اسلامی لشکر کی سالاری کی باقاعدہ سند عطا کر دی بلکہ اس بات کے پیش نظر کہ مثنیٰؓ کی مہم ایران کی عظیم سلطنت کے ساتھ باقاعدہ اور مسلسل جنگ کی شکل اختیار کر لے گی۔ عراق کی مہم کے لئے دو مزید لشکر تیار کئے۔ ایک لشکر کی

قیادت سیف اللہ خالد کو سونپی گئی اور انہیں حکم ہوا کہ وہ دریائے فرات کے دہانے پر اُوبلہ کے مقام پر جا کر مثنیٰ سے جا ملیں اور اپنے اور مثنیٰ کے لشکر کی اعلیٰ کمان اپنے ہاتھ میں لے کر دریائے فرات کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف یلغار کرتے ہوئے عراق کے صدر مقام حیرہ تک پہنچ جائیں۔ دوسرا لشکر عیاض کی قیادت میں دومۃ الجندل کی راہ سے عراق کے شمالی خطہ کی طرف بھیجا گیا۔ اس کی ہدایات یہ تھیں کہ وہ دریائے فرات کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف کوچ کرتے ہوئے حیرہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے ان ہدایات کے ساتھ ہی اس امر کا اعلان بھی کر دیا کہ خالد اور عیاض میں سے جو جرنیل پہلے حیرہ پہنچے گا وہی عراق کا والی یعنی گورنر بننے کا مستحق سمجھا جائے گا۔

عیاض کے لشکر کو دومۃ الجندل کے علاقے میں جوف کے مقام پر سرکش قبائل کی سرکوبی کرتے ہوئے بہت دن لگ گئے۔ لیکن خالد رضہ اپنے لشکر کو لے کر کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر اوبلہ پہنچ گئے جہاں مثنیٰ کا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ مثنیٰ کے لشکر کی تعداد آٹھ ہزار تھی اور خالد رضہ کا لشکر اوبلہ پہنچتے پہنچتے دس ہزار کی تعداد تک پہنچ گیا تھا۔ وسطی عرب کی قبائلی آبادیوں میں فتنہ ارتداد کی جنگوں کے باعث جنگی مردوں کی تعداد گھٹ گئی تھی تاہم راستے میں بدوی قبائل کے افراد خالد رضہ کے لشکر میں شامل ہوتے گئے۔ خالد رضہ مدینہ سے بہت تھوڑی فوج لے کر چلے تھے اس کی وجہ

یہ تھی کہ خلیفہ نے فتنۂ ارتداد کے فرو کرنے کی مہموں میں شامل ہونے والے مجاہدین کو اپنے گھروں کو جانے کی عام اجازت عطا کر دی تھی۔ اور اسلامی سپاہ کے بہت سے افراد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔

جنگِ سلاسل

سنہ ۱۲ھ سنہ ۶۳۲ء

خالدؓ نے اوبلہ پہنچ کر دریائے فرات کے دہانہ کی سرزمین کے ایرانی گورنر ہرمز کو ذیل کے الفاظ میں جنگ کا الٹی میٹم بھیجا:۔

"دین اسلام قبول کر لو تمہارے جان و مال کو امان دی جائے گی۔ یا تم اور تمہاری رعایا خراج دینا مان لو۔ اگر تم نے انکار کیا تو اس کے نتائج کی ملامت کے سزاوار تم ہو گے۔ میں ایسی قوم کا لشکر لے کر آیا ہوں جو موت سے اتنا ہی پیار کرتی ہے جتنا تم زندگی کو چاہتے ہو۔"

ہرمز کو یہ عجیب و غریب پیغام ملا تو اس نے ایک قاصد مدائن کی طرف خسرو کو اطلاع دینے کے لئے روانہ کر دیا اور خود ایک لشکر لے کر خالدؓ کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ ہرمز کا لشکر بڑی شان و شوکت سے چلا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایرانی جنگ کے لئے نہیں بلکہ جشن منانے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ایک مقام پر پہنچ کر جہاں پانی کے چشمے تھے۔ ہرمز نے پڑاؤ ڈالا۔ فوج کی صفیں آراستہ کیں۔ بعض صفیں اس طرح بنائی گئیں

کہ ایران کے جنگی مردوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں منسلک کر لیا تاکہ کوئی سپاہی پیچھے ہٹنے کا قصد تک نہ کرنے پائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہُرمز ایسے لوگوں کو اپنے ہمراہ لایا ہو جن کے بھاگ جانے کا اسے خطرہ ہو۔ اس لئے اس نے انہیں ایک زنجیر میں منسلک کرنا مناسب سمجھا ہو۔ اُدھر خالدؓ کو ہُرمز کے اقدام کی اطلاع ملی تو وہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا۔ اسلامی فوج نے ایرانی لشکر کے سامنے پہنچ کر اُونٹوں پر سے سامان اُتارا۔ سوار پاپیادہ ہو گئے۔ خالدؓ نے کہا کہ "پانی کے چشمے اُسی کے ہوں گے جو دونوں میں زیادہ شجاع ہوگا"۔ اور ایرانی لشکر پر ہلّہ بول دیا ٭

اسلامی فوج کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہُرمز خالدؓ سے مبارزت کا طالب ہوا۔ دونوں سردار آمنے سامنے آئے۔ ہُرمز اپنے ساتھ اپنے کچھ آدمیوں کو بھی لگا لایا تھا۔ لیکن خالدؓ کی تلوار نے اسے غداری کرنے کی مُہلت نہ دی اور پہلے ہی وار میں ہُرمز کا کام تمام کر دیا۔ ہُرمز کے آدمی جو اِدھر اُدھر جھاڑیوں میں چھپے ہوتے تھے خالدؓ پر پل پڑے۔ اسلامی لشکر نے یہ حال دیکھا تو وہ بھی جست کر کے آگے بڑھا۔ ایرانیوں کے پاؤں پہلے ہی ہلّے میں اکھڑ گئے۔ وہ اپنا سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمانوں نے دریائے فرات کے کنارے تک تعاقب کیا۔ مثنیٰؓ کا رسالہ تعاقب کرتا ہوا دریا کو بھی عبور کر گیا۔ سامنے ایک ایرانی شہزادی کا قلعہ تھا۔ مثنیٰؓ نے اپنے بھائی معنیٰؓ کو اس قلعہ کا محاصرہ کرنے کے لئے چھوڑا اور خود آگے بڑھ کر

ایک دوسرے قلعے پر حملہ بول دیا جو اس شہزادی کے شوہر کا تھا۔ مثنیٰؓ نے قلعہ سر کر لیا محصورین کی زیادہ تعداد مقتول ہوئی باقی ماندہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب شہزادی نے اپنے شوہر کے اس انجامِ بد کی خبر سنی تو اس نے اطاعت قبول کر لی اور مثنیٰؓ کے حرم میں داخل ہو گئی۔

اس جنگ میں بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ ایک ایک مجاہد کے حصے میں ایک ایک ہزار درہم آئے اور بہت سا اسلحہ ہاتھ لگا۔ خمس یعنی پانچواں حصہ مدینہ بھیج دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہرمز کی کلاہ کا وہ مرصع طرّہ بھی تھا جس کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ درہم کیا گیا۔ خالدؓ نے ہرمز کا ایک ہاتھی بھی مدینہ بھیجا جسے دیکھ دیکھ کر مدینہ کے لوگ بہت حیران ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی ہاتھی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ چند دن کی نمائش کے بعد ہاتھی واپس بھیج دیا گیا۔

جنگِ مذار

ہرمز کا قاصد خسرو کے دربار میں اس وقت باریاب ہو سکا جب ہرمز اور اس کے لشکر کا خاتمہ ہو چکا تھا اور مثنیٰؓ کا رسالہ بقیۃ السیف ایرانیوں کا تعاقب کرتا ہوا بہت دور تک آگے بڑھ آیا تھا۔ خسرو نے اطلاع پا کر اپنے دربار کے ایک سردار قارین کو لشکر دے کر ہرمز کی امداد کے لئے بھیجا۔ قارین مداین سے چل کر مذار تک پہنچا تھا اسے ہرمز کی بھاگتی ہوئی فوج ملی۔ قارین نے اسے روکا اور مثنیٰؓ کا مقابلہ کرنے کے لئے وہیں پڑاؤ ڈال

دیا۔ مثنیٰؓ نے اس کیفیت کی اطلاع خالدؓ کو بھیجی۔ خالدؓ تیر کی طرح کمک لے کر آئے اور ایسے وقت پہنچے جب مثنیٰؓ اور قارین کے لشکر مصروف پیکار ہو چکے تھے۔ بڑے گھمسان کا معرکہ پڑا۔ قارین اور دو شہزادے مارے گئے۔ ایرانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہت سے ایرانی میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔ کچھ دجلہ کی اس شاخ میں ڈوب گئے جو دجلہ سے نکل کر فرات کی طرف آتی تھی۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا لیکن انہوں نے دریا کی شاخ کو عبور کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ خالدؓ نے مذار کو اپنا مرکز قرار دیکر اس علاقہ کو ایرانیوں سے پاک کرنے کی مہم شروع کر دی۔ اسلامی لشکر کو حکم تھا کہ وہ فلاحین یعنی کھیتی باڑی کرنے والے کسانوں کی حفاظت کریں اور صرف ان ایرانیوں کا صفایا کریں جو اسلحہ بردار ہوں۔ اس جنگ میں بھی مالِ غنیمت کی فراواں مقدار مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ بے سر و سامان عرب مجاہد ایرانیوں کے تمول و تعیش کا حال دیکھ دیکھ کر بہت حیران ہوئے ❊

جنگِ ولجہ

عرب کے مسلمانوں کی ان فتوحات سے خائف ہو کر خسرو ایران نے ایک مشہور ایرانی سردار بہمن کو سالارِ لشکر مقرر کیا۔ بہمن تازہ دم فوج لے کر بڑھا۔ اور اس نے بنو بکر کے وفادار عرب قبائل کو بھی لالچ دے کر اپنی امداد پر آمادہ کر لیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ عربوں کا مقابلہ

غرب ہی خوب کریں گے۔ بہمن کے لشکر نے ولجہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ خالدؓ نے مفتوحہ سرزمین کے انتظام کے لئے کچھ فوج متعین کی اور خود لشکر لے کر بہمن کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔ ولجہ کی جنگ بڑی شدید تھی لیکن ایرانیوں کو یہاں بھی شکست فاش کا سامنا ہوا مسلمانوں کو اس جنگ میں غنیمت کے طور پر ایرانیوں کا اتنا ساز و سامان ملا کہ خالدؓ نے مجاہدین سے مخاطب ہو کر یوں تقریر کی :۔

"تم دیکھتے ہو کہ ایران کی سرزمین کتنی خوش حال ہے۔ یہاں کے راستوں پر زر و مال اسی فراوانی کے ساتھ بکھرا پڑا ہے جس فراوانی کے ساتھ عرب میں پتھر بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں لیکن اگر ہمارا جنگی مقصد اتنا بلند نہ بھی ہوتا تو اس صورت میں بھی اس سرزمین کی خاطر جانیں لڑانا کچھ مہنگا سودا نہ تھا۔"

جنگِ الّیس

ولجہ کی شکست کے بعد ایرانی لشکر الّیس کے مقام پر جمع ہونے لگا جو ابلہ اور حیرہ کے درمیان دونوں شہروں سے یکساں فاصلے پر واقع ہے۔ الّیس میں ایرانیوں نے عیسائی مذہب رکھنے والے عرب بدوی قبائل کا ایک لشکرِ جرار بھی فراہم کر لیا۔ بنو بکر بن وائل کے بہت سے قبیلے مثنّٰی سے سخت بیزار تھے وہ سب جوق جوق اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ خالدؓ نے حفیر کے مقام پر اپنی ایک جمعیت

عقب کی حفاظت کے لئے متعین کی اور خود متحدہ ایرانی اور قبائلی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ پہلے بدوی قبائل نے خالدؓ کے لشکر پر حملہ کیا۔ خالدؓ نے ان کے سردار کو قتل کر دیا۔ پھر ایرانی لشکر آگے بڑھا۔ بڑی دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ دونوں پلڑے برابر نظر آ رہے تھے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کے دو دستوں کو الگ کر کے حکم دیا وہ دائیں اور بائیں سے چکر کاٹ کر ایرانی لشکر کے عقب پر حملہ کر دیں۔ یہ چال کارگر ثابت ہوئی۔ ایرانی لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ وہ سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ اور کھانوں سے بھرے ہوئے دسترخوان چھوڑتے گئے۔ جو عقب میں لشکر کے لئے بچھائے جا رہے تھے۔ عربوں نے ان دسترخوانوں پر بیٹھ کر ایران کے لذیذ کھانوں پر ہاتھ صاف کئے۔ حسب معمول فتح کی خوشخبری کیساتھ مال غنیمت کا خمس دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خالدؓ کی اسلامی فوج کے کارناموں کا حال سن کر بہت خوش ہوئے۔

حیرہ کی تسخیر

الیس کی جنگ نے ایران کے لشکر اور بدوی قبائل کی طاقت مزاحمت کی کمر توڑ دی۔ خالدؓ لشکر لے کر سرعت رفتار سے حیرہ کی طرف بڑھنے لگے۔ خالدؓ نے امغیشیہ کے شہر کو اچانک آن لیا۔ جو حیرہ کی طرح بادکلہ کی ندی پر واقع تھا اور ویسا ہی اہم شہر تھا۔ امغیشیہ

کے لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مالِ غنیمت میں ایک ایک سوار کے حصے میں پندرہ پندرہ سو درہم آئے۔ امغیشیہ کی فتح کی اطلاع دربارِ خلافت میں پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا: "یا معشرالقریش! تمہارے شیر، شیرِ اسلام نے ایرانی چیتے کو جنگ میں پچھاڑ دیا ہے اور اس کا شکار چھین لیا ہے۔ خالدؓ کی پیدائش کے بعد عورتوں کے رحم بانجھ ہو گئے کوئی ماں دوسرا خالدؓ نہیں جنے گی"۔

امغیشیہ میں خالد رضؓ نے اپنی فوج کو کشتیوں پر سوار کرایا تا کہ ندی کی راہ سے حیرہ کی طرف اقدام کریں۔ حیرہ کے ایرانی مرزبان (گورنر) آزادزویہ نے اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ وہ نہروں کے بند توڑ دے۔ ندی کا پانی پایاب ہو گیا۔ کشتیاں چلنے سے رک گئیں۔ خالد نے کشتی کے پانی کے پایاب ہو جانے کی وجہ دریافت کی اور موقع پر پہنچ کر آزادزویہ کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ بند از سرِ نو باندھے گئے۔ اور ندی کا پانی کشتی رانی کے لئے چڑھ آیا۔ خالد رضؓ کی فوج نے آگے بڑھ کر خوارنق اور نجف کے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور حیرہ کے سامنے صفیں آراستہ کیں ایرانی گورنر دریا پار بھاگ گیا۔ حیرہ کے لوگوں نے پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلے کی ٹھانی لیکن عیسائی راہبوں نے جن کی خانقاہ شہر پناہ سے باہر تھی لوگوں کو ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ شہر والوں کے نمائندے تحائف لے کر خالد رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معاہدہ لکھا گیا۔ خالد رضؓ نے معاہدہ

اور تحالیف دربارِ خلافت میں بھیج دیئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے معاہدہ کی شرطیں منظور فرمالیں۔ اور تحالیف اس شرط پر قبول کر کے بیت المال میں داخل کر دیئے کہ ان کی قیمت حیرہ والوں کے خراج سے وضع کر دی جائے۔ یہ پہلا معاہدہ تھا جو مسلمانوں نے عرب سے باہر غیر مسلموں کے ایک شہر سے کیا۔ اس معاہدہ کے الفاظ کا ترجمہ بصورت ذیل ہے:۔

"یہ وہ معاہدہ ہے جو خالدؓ نے ابن عدی، عمرو ابن عبدالمسیح۔ اور ایاث ابن قبیصہ سے جن کو اہل حیرہ نے اس مقصد کے لئے اختیار دیا ہے طے کیا۔ اہلِ حیرہ سال بسال ایک لاکھ نوّے ہزار درہم خراج دیا کریں گے۔ یہ خراج حیرہ کے پادریوں اور عام لوگوں پر یکساں طور پر عاید کیا جاوے گا۔ صرف وہ فقرا اس سے مستثنیٰ ہوں گے جو تارک الدنیا بن چکے ہیں۔ اس خراج کے صلہ میں مسلمان شہر کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اگر وہ حفاظت سے قاصر رہیں گے تو خراج معطل سمجھا جائے گا۔ اگر اہل شہر نے قول یا فعل سے اس معاہدہ کی کسی شرط کی خلاف ورزی کی تو معاہدہ منسوخ سمجھا جائے گا۔"

خالدؓ نے اہل حیرہ سے معاہدہ طے کرنے کے بعد اپنے لشکر سمیت عراق کی فتح پر آٹھ نفل نمازِ شکرانہ باجماعت ادا کی۔ اور اس

دن سے حیرہ کے در و دیوار پانچ وقت کی نمازوں کے لیے اذان کی آواز سے گونجنے لگے حیرہ کی تسخیر کی اطلاع پاکر گرد و نواح کے علاقوں کے دہقان اور دربار ایران کے کارندے جو فلاحین یعنی کسانوں سے مالیہ اور لگان وصول کیا کرتے تھے خالد کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت کا دم بھرنے لگے خالد رض نے سب کو ذمّی قرار دے کر امان دی۔ خراج ادا کرنے کے لئے پچاس دن کی مُہلت دی جاتی تھی اور اتنے دن ان کے کچھ آدمی بطور یرغمال رکھ لئے جاتے تھے۔ خراج کی وصولی پر باقاعدہ رسید دی جاتی تھی۔ جس کی تصدیق تو مسلمان افسر کیا کرتے تھے۔ ذمی بن جانے کے بعد کسی کے جان و مال سے تعرّض نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کی حفاظت کرنا سب سے مقدم فرض سمجھا جاتا تھا۔ اطاعت قبول کرنے والے شہروں۔ قصبوں اور محالوں کے ساتھ باقاعدہ معاہدے طے کئے جاتے تھے خراج کی رقم کا تعین باہمی گفت شنید سے ہوتا تھا۔ خالد رض اس بارہ میں اپنی فوج سے رائے لینا بھی ضروری سمجھتے تھے۔ اور عام رضا مندی کے بغیر کوئی معاہدہ طے نہیں کرتے تھے۔

خالد رض اس وقت تک عراق کی اس ساری زمین پر جو دریائے فرات کے مغرب میں واقع ہے قابض ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ دریائے فرات کے زیریں مثلثی خطہ پر بھی جو حیرہ کے جنوب میں دریائے فرات کے مشرقی کنارے سے لے کر دجلہ کے مغربی کنارے تک واقع ہے اپنا تسلط جما چکے تھے۔ خالد رض نے تسلط قائم رکھنے اور ذمیوں کی حفاظت کرنے کے لیے جا بجا چھاؤنیاں

ڈالیں اور چوکیاں قائم کیں۔ اس کے علاوہ اپنے لشکر کے پانچ متحرک کالم بنائے جو ہر وقت کوچ پر آمادہ رہتے تھے۔ خراج لینے اور حفاظت کرنے کے سوا اسلامی فوج مقامی انتظامات میں کسی قسم کا دخل نہیں دیتی تھی۔ ہر جگہ کا حکومتی اور عدالتی انتظام وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔

خالدؓ کو اُبلہ سے حیرہ تک کوئی چار سو میل طُول کا علاقہ سَر کرنے میں صرف تین ماہ صرف ہوئے دربارِ خلافت سے ایران کے دارالسلطنت مداین کی طرف پیش قدمی کرنے کے احکام صادر نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے خالدؓ اور مثنّیٰ کو انتظار کرنا پڑا۔ خالدؓ کہتے تھے کہ میرا وقت عورتوں کی طرح کھیلنے میں فضول گزر رہا ہے۔

جزیرہ میں یلغاریں

خالدؓ کو بیکار بیٹھے رہنا گوارا نہ تھا اس لئے انہوں نے جزیرہ کی سرزمین میں جو فرات اور دجلہ کے درمیان واقع ہے۔ سرگرمیاں شروع کر دیں جزیرہ کے علاقے میں حیرہ کے قریب انبار اور عین تمر کی ایرانی چھاؤنیاں واقع تھیں۔ خالدؓ نے پہلے انبار کی چھاؤنی پر چڑھائی کی جو حیرہ سے شمال میں دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر واقع تھی۔ خالدؓ نے انبار کا محاصرہ کر لیا۔ انبار کے گرد فصیل اور فصیل کے نیچے خندق تھی۔ خالدؓ نے بوڑھے اور بیکار اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی نعشیں خندق میں

ڈال دیں اور اس طرح فوج کے گذرنے کے لئے پل بنالیا۔ اور شہر پر حملہ کر دیا۔ انبار کے ایرانی گورنر مہران نے صلح کی درخواست پیش کی۔ اسے شہر سے جانے کی اجازت دے دی گئی اور انبار پر خالدرضؓ نے قبضہ جمالیا۔ مہران نے انبار سے نکل کر عین تمر میں جو انبار سے مغرب میں تین منزل کے فاصلے پر واقع تھا ایرانی اور قبائلی فوجیں اکٹھی کیں۔ خالدرضؓ نے عین تمر پر حملہ کر دیا۔ مہران کے قبائلی لشکر میں بجلاح متبنّیہ کے قبیلہ کے لوگ بنی تغلب بھی شامل تھے۔ بنی تغلب نے خالدرضؓ کے لشکر پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ خالدؓ نے ان کے ایک سردار کو اپنے ہاتھ سے گرفتار کیا۔ مہران جو قلعہ کے برج پر سے جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ قبائل کی شکست کا حال دیکھ کر بھاگ گیا۔ شہر والوں نے مقابلہ جاری رکھا اور خالدرضؓ کی فوج فاتحانہ حیثیت سے لڑتی بھڑتی شہر میں داخل ہوئی۔ ایک مکان سے چالیس نوجوان لڑکے برآمد کئے گئے یہ نسطوری کلیسا کے طالب علم تھے۔ خالدرضؓ نے انہیں امان دی۔ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ عین تمر کے اکثر جوان اس جنگ میں مارے گئے۔

دومۃ الجندل

خالدرضؓ ابھی اس معرکہ سے فارغ ہوئے تھے کہ انہیں عیاضؓ کا پیغام ملا کہ میں ابھی دومۃ الجندل کے قبیلوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔ خالدؓ حیرہ میں عیاضؓ کے لشکر کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ پیغام پاکر انہوں نے عیاضؓ کی مدد کے لئے جانے کی ٹھان لی۔ قاصد کو ذیل کے مضمون کا منظوم

پیغام دے کر دوڑایا "ٹھہرو دوست ذرا انتظار کرو تمہاری مدد کے لئے لشکر پہنچ رہا ہے۔ فوج کے پیچھے فوج چڑھی چلی آتی ہے جس کے نیزے اور تلواریں چمک رہی ہیں"۔

خالدؓ مختصر سی جمعیت لے کر دومۃ الجندل جا پہنچے جہاں دومہ کے رئیس اکیدر اور جودی بنی کلب اور بنی بحرہ کی امداد پا کر عیاض سے لڑ رہے تھے ادھر شمال کی طرف بنی غسان کا رئیس جبلہ ایک لشکر لے کر ان سرکش قبائل کی امداد کے لئے آرہا تھا۔ اکیدر کو خالدؓ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے کیونکہ وہ ایک سابق جنگ میں خالدؓ کے ہاتھ دیکھ چکا تھا۔ اکیدر خالدؓ کے سامنے تسلیم ہونے کے لئے جا رہا تھا کہ خالدؓ کے لشکر کی ایک جمعیت نے اسے راستے ہی پر جا لیا۔ اور اسے قتل کر دیا۔ خالدؓ نے عیاض کو بنی غسان کے مقابلے پر بھیجا اور خود دومۃ الجندل پر حملہ کر دیا۔ دومۃ الجندل کے قبائل خالدؓ کے حملوں کی تاب نہ لا کر قلعہ نشین ہو گئے۔ اُدھر عیاض نے بنی غسان کو شکست دی۔ لیکن ان کا سردار جبلہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ عیاض اپنا لشکر لے کر لوٹ آئے۔ ایک طرف سے خالدؓ نے دوسری طرف سے عیاض نے دومۃ الجندل کے قلعے پر حملہ کیا۔ بنی کلب کو مسلمانوں کے ایک حلیف بدوی رئیس عقہ نامی نے امان دے دی۔ لیکن دوسرے قبائلی جوان قتل کر دیئے گئے۔ دومۃ الجندل کی فتح کے بعد خالدؓ نے عقہ کی سرکردگی میں اپنے لشکر کا ایک حصہ واپس حیرہ بھیج دیا۔ اہلِ حیرہ نے اس لشکر کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور باجے بجاتے ہوئے

استقبال کو نکلے حیرہ کے انتظام کے لئے خالدؓ قعقاع نامی ایک شخص کو اپنا جانشین بنا گئے تھے۔ وہ بھی اپنی جمعیت کے ساتھ فاتح فوج کے خیر مقدم کے لئے شہر سے باہر آئے۔

شمالی عراق کی مہمیں

خالدؓ دومۃ الجندل کی طرف عیاض کی مدد کے لئے گئے تو جزیرہ کے ایرانی لشکر اور ایرانیوں کے حلیف عرب عیسائی قبائل نے موقع کو غنیمت جان کر پھر سر اٹھایا۔ قعقاع کے پاس کافی فوج نہ تھی اس لئے وہ خالدؓ کی غیر حاضری میں صرف انبار اور عین تمر کی چھاؤنیوں کی حفاظت بمشکل کر سکے۔ خالدؓ دومۃ الجندل کی مہم سے واپس لوٹے تو انہیں ایرانیوں کی تازہ سرگرمیوں اور بنی تغلب کی شورشوں کا حال معلوم ہوا۔ خالدؓ نے قسم کھائی کہ میں بنی تغلب کی آبادیوں پر حملہ کر کے سانپ کا سر اس کے بل کے اندر کچلوں گا۔ عین تمر کو مرکز بنا کر خالدؓ نے عیاض کو حیرہ کا فوجی حاکم مقرر کیا۔ قعقاع کو ایک جمعیت دے کر جزیرہ میں ایرانیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور خود بنی تغلب کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ قعقاع نے جزیرہ میں ایرانی سپاہ کو شکست دی اور خالدؓ نے بنی تغلب کا سر کچلا۔ خالدؓ نے ان کی بستیوں پر کئی شبخون مارے اور لڑنے والے مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔

جنگِ فراض

بنی تغلب کی سرکوبی سے فارغ ہو کر خالدؓ دریائے فرات کو عبور کر کے فراض کے مقام تک پہنچ گئے جو سلطنت رُدم کی سرحد سے بہت نزدیک واقع تھا۔ فراض سے رُدمیوں کی فوجی چوکیاں صاف نظر آرہی تھیں۔ خالدؓ نے رمضان سنہ ۱۲ ہجری کا مہینہ یہیں بسر کیا۔ رومیوں نے جب دیکھا کہ خالدؓ اس جگہ سے ٹلنے کا نام تک نہیں لیتے تو انہوں نے ایرانیوں کی سرحدی چوکیوں سے ساز باز کر کے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ٹھان لی کچھ بدوی بھی ساتھ ہو لئے۔ ایرانیوں، رُدمیوں اور عیسائی عربوں کا یہ متحدہ لشکر دریائے فرات کو عبور کر کے خالدؓ کے لشکر سے نبرد آزما ہوا۔ مسلمانوں نے اس متحدہ لشکر کو شکستِ فاش دی۔ اتحادیوں کے لشکر کا کثیر حصہ میدانِ جنگ میں کھیت رہا۔

خالدؓ اب شمالی عراق میں دریائے فرات کے دونوں طرف کے علاقے پر بھی قابض ہو چکے تھے۔ دشمن کا سر کچلا جا چکا تھا۔ بدوی قبائل بھی مطیع ہو گئے تھے۔ ابھی انہیں دربارِ خلافت سے سلطنتِ ایران کے پایۂ تخت مداین پر چڑھائی کرنے کے احکام موصول نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے خالدؓ نے فرصت کو غنیمت جان کر فریضۂ حج ادا کرنے کی ٹھان لی۔ لشکر کو حکم دیا کہ وہ منزل بمنزل حیرہ کی طرف جائے۔ خود وہ خفیہ طور پر تن تنہا مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سال خود حضرت ابوبکر صدیقؓ امیر حج تھے۔

انہیں بھی خالدؓ کے مکہ آنے کی خبر نہ مل سکی۔ خالدؓ کا لشکر جو حیرہ کی طرف جارہا تھا یہ سمجھ رہا تھا کہ خالدؓ ابھی مختصر جمعیت کے ساتھ فراض ہی میں مقیم ہیں۔ خالدؓ خفیہ طور پر فریضۂ حج ادا کر کے واپس حیرہ چلے گئے اور اس وقت وہاں پہنچے جب ان کے لشکر کے عقبی دستے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ خلیفہ کو بڑی دیر کے بعد خالدؓ کے اس اقدام کی اطلاع ملی۔

خالدؓ ابھی حیرہ میں تھے کہ ماہ صفر ۱۳ھ ہجری مطابق اپریل ۶۳۴ء میں انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فرمان ملا کہ وہ اپنی آدھی فوج کو مثنیٰؓ کی قیادت میں عراق چھوڑ کر اپنے نصف لشکر کے ساتھ ان مسلمان سالاروں کی کمک کے لئے روانہ ہو جائیں۔ جو شام کے ملک پر قیصر روم کی فوجوں کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ اس فرمان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ کو ضمناً یہ بھی لکھ دیا کہ "پھر ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کرنا کہ اپنے لشکر کو چھوڑ کر خود حج کے لئے روانہ ہو جاؤ"۔

جنگِ بابل

۱۳ھ ۔ ۶۳۴ء

خالدؓ آدھا لشکر لے کر شام کے محاذ پر چلے گئے۔ مثنیٰؓ کے پاس کل آٹھ نو ہزار فوج رہ گئی جس کے بل پر انہیں عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں امن قائم رکھنا اور سرحدات کی حفاظت کرنا تھا۔ خالدؓ نے اپنی روانگی کے

ساتھ ہی عورتوں۔ بچوں اور مریضوں کو عربستان میں جانے کا حکم دے دیا تھا کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ ان کی غیر حاضری میں ایرانی کچھ گڑبڑ مچائیں گے۔ خالدؓ کا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ ایران میں انہی دنوں ایک نیا شہزادہ شہرزادپور اردشیر تخت شاہنشہی پر متمکن ہوا تھا۔ اسے خالدؓ کے شام کی طرف جانے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے سپہ سالار ہرمز جاذرویہ کو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اور مثنیٰ کو ہتک آمیز خط بھیجا جس میں لکھا گیا تھا کہ "میں تمہارے مقابلے کے لئے بچوں لفنگوں اور خنزیر چرانے والوں کا لشکر بھیج رہا ہوں۔ جو تمہیں عراق کی سرزمین سے باہر نکال کر رہیں گے"۔ مثنیٰ نے جواب بھیجا "تو یا تو جھوٹا ہے یا لپاٹیا۔ اگر تو سچا ہے تو خدا کی شان کے قربان جائیے جس نے تجھے اس حال تک پہنچا دیا کہ تو بچوں لفنگوں اور خنزیر چرانے والوں کی پناہ لینے پر مجبور ہو رہا ہے"۔

مثنیٰ کے پاس بہت مختصر سی جمعیت تھی تاہم اس بہادر جرنیل نے ہرمز کا انتظار کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر اسے روکنے کا قصد کر لیا۔ مثنیٰ کی جمعیت برس نمرود کے کھنڈروں میں سے گزرتی ہوئی دریائے فرات کو عبور کر کے بابل کے کھنڈروں تک جا پہنچی وہیں مثنیٰ نے ڈیرا جمایا اور اپنے دو بھائیوں کو میمنہ اور میسرہ کی کمان دی۔ ہرمز نے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ ایرانی اپنے ساتھ ایک جنگی ہاتھی لائے تھے۔ جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر رہا تھا۔ مثنیٰ نے اپنے چند ساتھیوں کو لے کر اس جانور کو گھیر لیا اور خود مثنیٰ نے ایسی جگہ نیزہ

مارا کہ ہاتھی چنگھاڑ کر گر پڑا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں پر ہلہ بول دیا۔ ایرانیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ مداین کی طرف ایسے بھاگے کہ پیچھے کی طرف دیکھنے تک کی جرأت نہ کی۔ مسلمان تعاقب کرتے ہوئے مداین کے دروازوں تک پہونچ گئے۔

مثنیٰؓ نے ایرانیوں کے مزید حملوں کے خیال سے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خدمت میں کمک کے لئے درخواست بھیجی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ اگر آپ ان مرتدین کو جواب تائب ہو چکے ہیں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت دے دیں تو عرب کے بہت سے لوگ جوش و خروش سے میدانِ جنگ کی طرف ٹوٹ پڑیں گے۔ مدینہ سے اس درخواست کا جواب آنے میں دیر ہو گئی تو مثنیٰؓ خود مدینہ پہونچے۔ اور ایسے وقت پہونچے جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مرض الموت میں مبتلا تھے اور ایک دن پہلے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر چکے تھے۔ مثنیٰؓ نے حاضر ہو کر عراق و ایران کی صورت حالات پیش کی۔ اور کہا کہ مزید لشکر کے بغیر وہاں کی پوزیشن کا سنبھالنا بہت کٹھن کام ثابت ہو گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مثنیٰؓ کا بیان سُن کر حضرت عمر رضؓ کو بُلایا اور انہیں حسبِ ذیل وصیت کی :-

"ایک لشکر نی الفور مثنیٰؓ کی کمان میں دے دینا۔ اس میں ذرہ بھر تاخیر سے کام نہ لینا۔ اگر میں جیسا کہ میرا خیال ہے آج ہی اِس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو شام سے پہلے پہلے ایک لشکر ان کی تحویل میں دے دینا۔ اگر میں رات تک جیتا رہوں تو صبح ہونے کا انتظار نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ میری موت کا غم تمہیں دین کی خدمت اور فریضۂ الٰہی کی طرف سے غافل کر دے۔ تم نے دیکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کس ہمت سے کام لیا تھا۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑھ کر عالم کے لئے اور کوئی صدمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میں اس وقت اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عاید ہونے والے فرض کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا اور اسی وقت کمرِ ہمت نہ باندھ لیتا تو دین پر آفت آجاتی۔ شہر میں بغاوت پھوٹ پڑتی۔ اور عمرؓ سن لو جب خدا ملک شام میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے تو عراق کی فوجیں واپس عراق بھیج دینا۔ کیونکہ وہی فوج اِس جگہ کے لئے موزوں ہے اور وہی اس کا بہتر انتظام کر سکتی ہے"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس آخری وصیت کے مطابق ان کے

جانشین حضرت عمر فاروق رضؓ نے جو لشکر عراق کی مہموں کے لئے بھیجا اس کا حال ہم اگلے باب میں جاکر بیان کریں گے۔ اب سرزمین شام کے ان معرکوں کا حال سنئے جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ خلافت میں اسلام کے لشکروں نے اس ملک میں سر کئے۔

شام پر لشکر کشی

سنہ ۱۲ ہجری مطابق سنہ ۶۳۳ء

خالدؓ بن سعید

سنہ ۱۲ ہجری کے آغاز میں جب خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیق رضؓ نے خالد رضؓ بن ولید سیف اللہ کو عراق کی مہم کے لئے متعین کیا تو ایک اور مقتدر صحابی خالدؓ بن سعید کو ایک عسکری جمعیت کا کمانڈر بنا کر شام کی سرحد کی طرف بھیجا۔ خالدؓ بن سعید کی ہدایات یہ تھیں کہ وہ سرحدات کی حفاظت کریں اور رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے بارے میں پیش دستی سے کام نہ لیں۔ اگر رومی سپاہ اور رومی دربار کے زیر اثر رہنے والے قبائل ان سے لڑیں تو وہ بھی مقابلہ کریں لیکن دشمن کے تعاقب میں اس ملک کے اندر بہت دور تک آگے نہ نکل جائیں۔ ان ہدایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کسریٰ اور قیصر کے خلاف بہ یک وقت جنگی معرکے جاری کرنے کے خواہاں نہ تھے۔ اور چاہتے تھے کہ عراق کی مہم کے

دوران میں شام کی سرحد پر محض احتیاطی دفاعی تدابیر اختیار کی جائیں۔

خالدؓ بن سعید نے بارگاہِ خلافت کے حسب فرمان شام کی سرحد پر پہنچ کر وادی تیما میں چھاؤنی ڈال لی۔ اور وہاں بیٹھ کر گرد و پیش کے حالات کی رفتار کا جائزہ لینے لگے۔ شام کے رومی سرحداروں نے جب وادی تیما میں اسلامی فوج کے اجتماع اور قیام کی خبریں سنیں تو انہوں نے بھی اپنی جانب بنی غسان کے عیسائی عربوں اور دیگر قبیلوں کا لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ رومیوں کی ان جنگی تیاریوں کو دیکھ کر خالدؓ بن سعید نے بارگاہِ خلافت سے رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت حاصل کر لی اور لڑائی چھیڑ دی۔ رومی پیچھے ہٹنے لگے۔ خالدؓ آگے بڑھتے گئے تا آنکہ خالدؓ نے بحیرہ مردار کے مشرق میں رومیوں کے ایک کالم کو جا لیا اور اسے مار کر تتر بتر کر دیا۔ خالد بن سعید کی فوج ملک شام میں بہت دور تک آگے بڑھ گئی تھی۔ اور شامی قبائل ہر طرف آمادۂ پیکار نظر آتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مدینہ سے کمک طلب کی۔ کچھ فوج یمن کی مہم کو سر کرنے کے بعد ابھی واپس آئی تھی۔ عکرمہؓ بن ابوجہل اور یمن کے ایک حمیری سردار ذوالکلاع اس فوج کے کماندار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان دونوں کو شام کی مہم پر روانہ کر دیا تاکہ خالدؓ بن سعید کی مدد کریں۔ اس کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بنی قضاعہ کے سرداروں عمرو اور ولید کے نام فرمان بھیجا کہ "اگر وہ چاہیں تو ایسے کارِ خیر میں شریک

دشامل ہوجائیں جس میں دنیا اور آخرت کی دونوں زندگیوں کی بھلائی ہے"۔
عمرو نے جواب بھیجا کہ "آپ کے خادم تو اسلام کی کمان میں استعمال ہونے والے تیر ہیں اور آپ تیر انداز ہیں۔ یہ آپ کی رضا ہے کہ جس تیر کو چاہیں کمان کے چلّے پر چڑھا کر جس طرف چاہیں چلا دیں" یہ جواب پاکر خلیفہ نے ولید کو خالد بن سعید کے ساتھ جاملنے کا حکم بھیجا اور عمرو کو فرمان دیا گیا کہ وہ ایلہ کے راستے مقدس سرزمین کے جنوب کی طرف بڑھے۔

مرج الصفر کی جنگ

خالدؓ بن سعید کو جب یہ اطلاع ملی کہ ان کی مدد کے لئے کمک پر کمک آرہی ہے تو وہ دربارِ خلافت کی ہدایات سے بے پرواہ ہو کر اور آگے بڑھ گئے۔ رومی جرنیل باہان نے خالد بن سعید کے لشکر کو دمشق کی جانب دھکیل کر اس کے عقب کی راہیں بند کر دیں۔ بحیرہ طبریہ کے مشرق میں مرج الصفر کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ خالد بن سعید نے شکست کھائی ان کا بیٹا جنگ میں مارا گیا۔ اور خالد سراسیمگی کے عالم میں پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ تاآنکہ انہوں نے وادی القریٰ میں آکر دم لیا۔ رومی فوج تعاقب کر رہی تھی۔ اسے عکرمہؓ نے سرحد پر روکا۔ اور خالد کی فوج کے منتشر افراد کو جمع کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب خالدؓ بن سعید کی شکست اور ان کے فرار کی اطلاع ملی تو وہ سخت برہم

ہوئے۔ انہوں نے خالدؓ کو حکم بھیجا کہ تمہیں ادھر آنے کی اجازت نہیں تم امن کی حالت میں تو بڑھ بڑھ باتیں بناتے ہو لیکن جنگ میں نامردبن جاتے ہو۔ میں تمہاری شکل تک دیکھنے سے بیزار ہوں" حضرت صدیقؓ نے اپنے اہلِ دربار سے یہ بھی کہا کہ" البتہ عمرؓ اور علیؓ اس شخص کو مجھ سے بہتر جانتے تھے اگر میں ان کا کہنا مان لیتا اور اسے اس مہم پر نہ بھیجتا تو اسلامی لشکر کو اس ذلّت کا سامنا نہ ہوتا"۔

شام کے لئے لشکر کا اجتماع

مرج الصفر کی شکست نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو شام کی سرزمین پر عام لشکر کشی کرنے کے لئے آمادہ کر دیا۔ دربارِ خلافت سے مسلمانوں کے نام فرمان صادر کیا گیا کہ وہ شام کی مہم میں شامل ہونے کے لئے مدینہ پہنچ جائیں۔ فرمان کے الفاظ یہ تھے :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" عبداللہ بن ابوقحافہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام سلام اور دعائے حفاظت کے بعد واضح ہو کہ میں مسلمانوں کو شام کی مہم پر بھیجنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ تاکہ اس ملک کو کافروں سے نجات دلائیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دین کیلئے لڑنا اللہ کی بہترین عبادت ہے"۔

خلیفۂ اسلام کے اس نفیرِ عام کے جواب میں مدینہ، مکہ، طائف، نجد،

یمن۔ یمامہ اور دوسرے اقطاعِ عرب کے مسلمان مدینہ کی طرف چل پڑے اور مدینہ کے قریب جورف کے میدان میں لشکر جمع ہونے لگا ایک ہزار سے زاید صحابۂ کرام تھے جن میں ایک سو اصحابِ بدر بھی شامل تھے۔ اس مہم کے ستے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کردیں مکہ سے ابوسفیان رضؓ اور سہیل ایسے رؤساء اور شیوخ تک بھی حاضر ہو گئے یمن اور نجد کے شریف و نجیب رئیسوں نے عام سپاہیوں کی طرح اپنی جنگی خدمات پیش کیں۔ اصحاب بدرؓ سے لے کر قبائلی رئیسوں تک مقتدر اور ممتاز حیثیتیں رکھنے والے افراد ہر اس کماندار کے جھنڈے تلے لڑنے پر آمادہ ہو گئے جسے خلیفۃ الرسول نے مقرر کرنا مناسب خیال کیا۔ یہ لشکر جورف کے میدان میں جمع ہو رہا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اس لشکر کے کالم یکے بعد دیگرے تیار کر کے مناسب ہدایات کے ساتھ شام کی سرحد کی طرف روانہ کرتے جاتے تھے۔ عساکر کی روانگی کی کیفیت وہی تھی جو خلیفۃ الرسول نے اسامہ رضؓ کے لشکر کو روانہ کرتے وقت دو سال پہلے اختیار کی تھی آپ کماندار کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پاپیادہ دور تک چلتے تھے۔ اور اسے مناسب ہدایات اور آخر میں دعائے نصرت دے کر واپس آجاتے تھے حضرت صدیق رضؓ ہر کماندار کو اس قسم کی نصیحتیں کرتے تھے کہ "عمل و ہنر ایمان کے بغیر کسی مصرف میں آنے کی چیز نہیں ہر کام کی خوبی نیت کی درستی پر موقوف ہے۔ قرآن مجید میں جہاد فی سبیل اللہ کا ثوابِ عظیم بتایا گیا ہے۔ ان باتوں کو خود

بھی ذہن نشین کرلو اور اپنے سپاہیوں کو بھی یاد کراؤ جب تم انہیں قتال کے لئے ابھارو تو مختصر سے الفاظ استعمال کیا کرو کیونکہ لمبی تقریروں میں حرفِ مطلب فوت ہو جاتا ہے جس کارِ خیر پر تم جا رہے ہو یہ تمہارے لئے دنیا میں عزت و کامرانی۔ فتح و نصرت اور مال و دولت کے انعام لائے گا اور آخرت میں تم اس کی بدولت نجات پاؤ گے"۔

غرض ۱۳ سنہ ہجری کے آغاز میں خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے شرجیل کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا اور ہدایات دی گئیں کہ وہ ولید کی جگہ لے جو خالدؓ بن سعید کے ساتھ شکست کی ذلت کا شریک تھا اس کے بعد یزید ابن ابوسفیانؓ کی قیادت میں دوسرا کالم روانہ کیا جس میں قریش مکہ کے بہت سے سردار شامل تھے۔ یزید کے پیچھے معاویہؓ بن ابوسفیانؓ ایک اور لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ایک اور لشکر حضرت ابوعبیدہؓ کی قیادت میں چلا۔ عکرمہؓ اور عمروؓ شام کی سرحد پر اپنے اپنے مورچوں پر پہلے سے ڈٹے ہوتے تھے۔ شرجیل کا کالم حسب ہدایت عکرمہؓ کی چھاؤنی سے آگے بڑھ کر خیمہ زن ہوا۔ یزید اور معاویہ کا لشکر الگ محاذ پر بڑھنے لگا۔ ابوعبیدہؓ کا کالم عمروؓ کے کیمپ کے قریب فروکش ہوا۔ جو وادیٔ عرابہ میں چھاؤنی ڈالے پڑے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر نے شام پر چڑھائی کرنے کے لئے چار جنگی محاذ قائم کر لئے۔ عکرمہؓ کی کمان میں چھ ہزار فوج تھی جسے ریزرو قرار دیا گیا اور باقی چار کالموں کے لشکر کی کل تعداد تیس ہزار سے اوپر تک پہنچ گئی۔

عرب کے بدوی قبیلے اپنے بال بچوں کو بھی ہمراہ لے آئے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ہم فتح حاصل کر کے شام و فلسطین کی زرخیز و شاداب سرزمین میں آباد ہو کر رہیں گے۔

ملکِ شام میں اقدام

ملک شام پر چڑھائی کا جنگی نقشہ خود حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تیار کیا تھا۔ اور اسی کے مطابق ہر کالم کے سالار کو ہدایت دی گئی تھیں۔ ابو عبیدہؓ کو حمص کی ولایت میں۔ یزیدؓ کو دمشق کی ولایت میں شرجیلؓ کو وادی یردون میں اور عمروؓ کو فلسطین میں یلغاریں کرنے کے احکام مل چکے تھے۔ محرم ۱۳ھ ہجری مطابق مارچ ۶۳۴ء میں اسلامی لشکر کے ان چاروں کالموں نے اپنی اپنی منزلِ مقصود کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ابو عبیدہؓ بلقاء سے ہوتے ہوئے جابیہ کی طرف بڑھے۔ راستے میں موآب کے عرب قبائل نے قدرے مزاحمت کی لیکن وہ جلد رام ہو گئے یزید ابن ابو سفیان کا لشکر دمشق کی ولایت میں گھس گیا بحیرہ مردار کے جنوب میں وادی عرابہ میں ایک رومی لشکر نے مقابلہ کیا۔ اور شکست کھائی۔ یزید کا کالم داثن کے مقام تک بڑھ گیا۔ ابو عبیدہ کا کالم سب سے مشرق میں تھا۔ شرجیلؓ کا لشکر دریائے یردون اور دریا سے طبریہ کی وادی میں غور کے نشیبوں تک پہنچ گیا۔ اب شام و فلسطین کی مستقل رومی چھاؤنیاں ان اسلامی لشکروں کے سامنے تھیں۔ یزید

کا کالم بصریٰ کو اور عمروؓ کا کالم جبرئیل کو تہدید کر رہا تھا۔

رُومی فوجوں کا اجتماع

شام و فلسطین میں اسلامی لشکر کے اقدام کی اطلاعیں پاکر ہرقل قیصر رُوم خوابِ غفلت سے بیدار ہوا اسے سان گمان بھی نہ تھا کہ عرب کے مسلمان اس طرح کے جنگی اقدام کی باقاعدہ مہم شروع کر دیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ عرب سرحداتِ شام پر چھاپے مارنے کے سوا اور کوئی جنگی اقدام نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ ہرقل قسطنطنیہ سے چل کر حمص پہنچا۔ جہاں اس نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے فوجیں جمع کیں اور مسلمانوں کے چاروں کالموں کی پیش قدمی روکنے کے لئے چار جرار لشکر تیار کر لئے۔ رُومی فوجوں کا سپہ سالار ہرقل کا بھائی تھیوڈورک تھا جس کی رکاب میں نوّے ہزار فوج تھی۔ عرب مورخین کے ریکارڈ میں ایک رُومی افسر کا نام جرجہ بھی آیا ہے جو غالباً جارج کی تعریب ہے۔

رُومی فوجوں کے اس اجتماعِ عظیم کی اطلاع پاکر اسلامی لشکر کے سالاروں نے باہم مشورہ کیا کہ اس کے مقابلے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ عمروؓ کی تجویز یہ تھی کہ اسلامی لشکر کے چاروں کالموں کو ایک مقام پہ جمع کر لیا جاتے اور اس طرح متحد اور یک مُشت ہو کر دشمن کی بھاری جمعیت کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ تجویز سب کو پسند آئی۔ قاصد

بھیج کر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے بھی اِس تجویز پر صاد کر دیا اور لکھا :-

"جملہ کمانڈر اپنی اپنی فوجیں لے کر دریائے یرموک کے کنارے مناسب مقام پر اکٹھے ہو جائیں۔ تم خدا کا لشکر ہو اس لئے تم یقیناً دشمن کو مار بھگاؤ گے تمہیں اپنی تعداد کی قلت پر ہراساں نہیں ہونا چاہیئے۔ لاکھوں کی تعداد میدانِ جنگ میں اپنے گناہوں کے باعث شکست کھا جاتی ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ گناہ سے بچے رہو۔ ہر مجاہد اپنے رفیق کے دوش بدوش ہو کر لڑے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے۔ فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی"۔

خلیفۃ الرسول کا یہ حکم آنے پر چاروں کمانڈر دریائے یرموک کے جنوب میں ایسے نقطہ پر جمع ہو گئے جہاں سے دمشق کو جانے والی شاہراہ دریا پر سے گزرتی تھی۔ اُدھر رومی لشکر کے بکھرے ہوئے کالم بھی دریائے یرموک کے شمال میں اکٹھے ہونے لگے۔ رومیوں نے اپنے کیمپ کے لئے واقوصہ کا وسیع میدان تجویز کیا جو ندی کے کنارے واقع تھا اور دریا نے یُوں گھیر رکھا تھا کہ تین اطراف سے اس میدان کا احاطہ کر رکھا تھا۔ چوتھی جانب ایک عمیق کھڈ تھا جس پر صرف ایک جگہ ایسی تھی جہاں سے گزر کر میدان میں داخل ہونا آسان تھا۔ رومی فوجوں نے میدانِ واقوصہ میں اپنے قدم جما لئے تو اسلامی لشکر بھی دریا کو عبور کر کے شمالی کنارے پر جا پہنچا۔ اور واقوصہ کے قریب ایک اور کھلے میدان میں ایسے مقام

پر خیمہ زن ہوا۔ جو میدان دقوسہ تک پہنچنے کی واحد گزرگاہ کو تہدید کر رہا تھا۔ عمرو ابن العاص نے دونوں کیمپوں کے محل وقوع کا جائزہ لینے کے بعد اپنے ساتھی جرنیلوں سے کہا "مرحبا دوستو! رومی خود ہی نرغے میں آ گئے ہیں۔ اب ان میں سے بہت کم بچ کر نکل سکیں گے"۔

دریائے یرموک کے کنارے اسلامی اور رومی فوجوں کے اس اجتماع کی تاریخیں ماہ صفر المظفر ۱۳ سنہ ہجری مطابق اپریل ۶۳۴ء میں پڑیں جس کے بعد دونوں فوجوں کے درمیان جھڑپوں اور چپقلشوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔

خالد بن ولید کا ورود

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو میدانِ جنگ کے کوائف کی اطلاعیں برابر پہنچ رہی تھیں۔ رومی فوجوں کے اجتماع عظیم کے پیش نظر اسلامی فوج کے سالار مدینہ سے کمک بھیجنے کے لئے لکھ رہے تھے۔ خلیفۃ الرسول جانتے تھے کہ ابو عبیدہ رضؓ بہت نرم دل شخص ہیں۔ عمرو ابن العاص ہشیار مشیر ہیں لیکن وقت پر دلیرانہ اقدام کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ معرکہ بہت سخت اور اہم ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی نظر خالد رضؓ پر جا پڑی اور آپ پکار اٹھے" اس مہم کو سر کرنے کے لئے خالدؓ ہی موزوں جرنیل ہے۔ وہی اللہ کی مدد کے طفیل شیطانِ لعین اور رومیوں کی سازباز کو شکست دے گا"۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خالد رضؓ کے نام حسب

ذیل فرمان لکھ بھیجا :-

" مسلمانوں کے عساکر کی امداد کے لئے جو دریائے یرموک کے کنارے جمع ہو رہے ہیں فوراً روانہ ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ بددل سے ہو رہے ہیں۔ اپنی آدھی فوج مثنیٰؓ کی قیادت میں عراق میں چھوڑ دو اور آدھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ انشاء اللہ عراق سے تمہاری غیر حاضری بقیہ فوج کو بددل نہیں کرے گی۔ پس اے ابوسلیمان! اٹھو اور روانہ ہو جاؤ۔ فتح و نصرت تمہارا ساتھ دے۔ خلق خدا کو اللہ کے انعامات سے معمور کر دو۔ اللہ تمہیں اپنے انعامات سے سرفراز کرے گا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ دنیا اور اس کی لذتیں کہیں تم پر قابو نہ پالیں اور تم ٹھوکر کھا جاؤ اور تمہارے اعمال ضایع ہو جائیں۔ اور اس بات کا بھی خیال رہے کہ تم کسی وجہ سے لوٹ نہ آنا جیسا کہ تم پہلے کر چکے ہو"۔

اس آخری فقرے میں خالدؓ کے اس خفیہ حج کی طرف اشارہ تھا جس کا ذکر ہم مہمات عراق کے سلسلے میں کر آئے ہیں۔ خالدؓ نے یہ فرمان پڑھا تو فی الفور مثنیٰؓ کے ساتھ فوج کی تقسیم کا کام شروع کر دیا۔ خالدؓ اپنے لشکر میں صحابۂ کرامؓ کی زیادہ تعداد اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے تھے لیکن مثنیٰؓ نے اصرار کیا کہ تقسیم کیفیت اور کمیت دونوں کے اعتبار سے مساوی ہونی چاہئیے۔ مثنیٰؓ کی بات مان لی گئی۔ خالدؓ آدھا لشکر

لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ مثنیٰ نے صحرائے شام کے کنارے تک
مشایعت کی اور پھر واپس حیرہ چلے گئے۔

خالدؓ کے سامنے شام کا لق و دق صحرا تھا جسے لشکر کے ساتھ عبور
کرنا امرِ محال تھا۔ شمالی راستے میں رومیوں کی چھاؤنیاں پڑتی تھیں جنوبی راستے
سے خالدؓ ریگ ِ سُرخ کے سمندر کو جو نفود کہلاتا ہے عبور کر کے دومۃ الجندل
تک پہنچے۔ آگے راستہ وادیٔ سرحان میں سے گذر کر شام کو جاتا تھا۔
لیکن اس راستے پر بصریٰ کی رومی چھاؤنی تھی جس پر حملہ کرنے کے معنی یہ
تھے کہ خالدؓ کو کمک لے کر یرموک پہنچنے میں دیر لگ جاتی۔ اس لئے
عزم بلند رکھنے والے اس جنگی سردار نے صحرا کو عبور کر کے منزلِ مقصود
تک پہنچنے کی ٹھان لی۔ بدرقہ نے بتایا کہ اس صحرا میں سے صرف ایک پگ
ڈنڈی گزرتی ہے۔ ابتدائی پانچ دن کی مسافت میں پانی کا کہیں نام و نشان
نظر نہیں آتا۔ خالدؓ بولے "ہم اسی راہ سے جائیں گے"۔ بدرقہ حیران ہوا لیکن
جب اس نے دیکھا کہ خالدؓ کا عزم راسخ ہے تو اس نے صلاح دی کہ
بہت سے اُونٹوں کو خوب پانی پلائیں اور پھر ان کے ہونٹ باندھ دیں
تاکہ وہ جگالی کر کے پانی کو ہضم نہ کر سکیں۔ پانی کا ذخیرہ ساتھ لے جانے
کے لئے اسی تجویز پر عمل کیا گیا۔ ہر منزل پر سو سواروں کے لئے دس دس
ایسے اُونٹ ذبح کئے جاتے تھے اور ان کے معدوں سے پانی نکالا جاتا
تھا۔ گھوڑوں کو یہ پانی دودھ ملا کر پلایا جاتا اور جنگی مرد صرف ایک ایک
گھونٹ سے پیاس بجھاتے۔ پانچویں دن پانی کا یہ ذخیرہ (یعنی اُونٹ) ختم

ہوگیا اور لشکر دو پہاڑوں کے درمیان ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے پانی ملنے کی توقع تھی۔ اِدھر اُدھر تلاش کرنے سے بھی پانی نہ ملا۔ بدرقہ نے کہا کہ اب ہم مارے گئے پانی کا نام ونشان کہیں نظر نہیں آتا۔ بدرقہ نے کہا کہ اہل لشکر اس ریگستان میں جھاڑی کی تلاش کریں۔ جھاڑی کی موجودگی پانی کا سراغ ثابت ہوگی۔ ایک مقام پر ریت میں دبی ہوئی جھاڑی کی جڑیں نظر پڑ گئیں۔ لشکریوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ وہاں سے زمین کھودی گئی تو پانی کا چشمہ برآمد ہوا جس سے انسانوں اور جانوروں سب نے سیر ہو کر پیاس بجھائی۔

اگلے دن خالدؓ کا لشکر صحرا کو عبور کر کے شام کی سرزمین میں داخل ہوگیا۔ قبائل اس نئے اسلامی لشکر کے ورود پر بہت حیران ہوئے۔ جن قبیلوں نے مزاحمت کی انہیں سزا ملی۔ اور خالدؓ مارچ کرتے ہوئے اسلامی عساکر کے قریب پہنچ گئے۔ ربیع الاوّل یا ربیع الثانی ۱۳ھ ہجری مطابق جون یا جولائی ۶۳۴ء میں خالدؓ کی فوج دریائے یرموک کے کنارے اسلامی کیمپ میں پہنچ گئی اور بارگاہِ خلافت میں اطلاع دینے کے لئے قاصد روانہ کر دیا گیا۔

یرموک کی جنگ

۱۱ رجب ۱۳ھ = ۱۱ ستمبر ۶۳۴ء

اُدھر ایک ارمنی جرنیل باہان تازہ دم فوج لے کر رُومی کیمپ میں آگیا۔ خالدرضؓ کے آنے پر لشکرِ اسلام کی کل تعداد چالیس ہزار نفوس تک پہنچ گئی۔ اور رُومی فوج دو لاکھ چالیس ہزار سے اُوپر تھی۔ بعض مؤرخوں نے رُومیوں کی تعداد کا اندازہ تین لاکھ کے لگ بھگ لکھا ہے۔ خالدؓ کی آمد کے بعد ایک ماہ تک معمولی جھڑپوں اور چپقلشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ رُومیوں نے کئی دفعہ اپنے کیمپ سے نکل نکل کر مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ لیکن خالدرضؓ کی سرگرمیوں نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام کر دیا۔ فریقین فیصلہ کُن جنگ کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔ اگست کے اخیر یا ستمبر کے شروع میں یہ دن بھی آگیا۔ رُومی کیمپ میں جنگ کی تیاریوں کی اطلاع پاکر لشکرِ اسلام کے سالاروں نے مشورہ کیا۔ اور باہمی رضامندی سے خالدرضؓ کو تمام عساکر کی اعلیٰ کمان سونپی گئی۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ خالدؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نے عساکرِ شام کا اعلیٰ کمانڈر مقرر کر دیا تھا۔ اور میدانِ جنگ کی مجلسِ مشاورت محض فیصلہ کُن لڑائی کے لئے عساکر کی

ترتیب دینے کے خیال سے منعقد ہوئی تھی۔ خالدؓ نے چالیس ہزار فوج کو ایک ایک ہزار کے چالیس ڈویژنوں میں تقسیم کیا۔ اور ہر ڈویژن پر ایک معتبر کمانڈر مقرر کر دیا۔ بیس ایسے دستے ابو عبیدہؓ کی کمان میں دیئے گئے اور وہ قلب کی فوج مقرر ہوئی۔ دس دستے عمروؓ ابن العاص کی کمان میں میمنہ پر اور دس دستے شرجیلؓ کی کمان میں میسرہ پر متعین کر دیئے گئے۔ عساکر کی ترتیب اور صف آرائی کے بعد خالدؓ نے ابوسفیان سے کہا کہ وہ ہر دستے کے سامنے جاکر مجاہدوں کا حوصلہ بڑھائیں۔ ابوسفیانؓ سفید ریش شیخ تھے۔ انہوں نے ہر دستے سے مخاطب ہو کر مختصر اور برجستہ تقریر کی اور ہر تقریر کو حسب ذیل دعائیہ کلمات پر ختم کرتے رہے:۔

"اے خدا! یہ عرب کے بہادر ہیں جو تیرے دین کے لئے لڑنے کو آئے ہیں۔ وہ سامنے رومی ہیں جو شرک اور بت پرستی کی خاطر جنگ کر رہے ہیں۔ اے خدا! آج کا دن تیرے قابل یادگار ایام میں سے ہے۔ یہ یوم عظیم ہے۔ اس لئے اے پروردگار تو اپنے بندوں کی مدد کر اور انہیں فتح و نصرت عطا فرما"!

رومیوں کے کیمپ میں بھی آخری اور فیصلہ کن معرکہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں ارمنی جرنیل باہان اپنے ساتھ پادریوں اور راہبوں کی ایک بھاری جمعیت لایا تھا۔ یہ راہب اور پادری سونے کی صلیبیں دائیں ہاتھ

سے بلند کر کے عیسائیوں کو مسیح کی خاطر جنگ کرنے پر اکسا رہے تھے۔ دو لاکھ چالیس ہزار کے رومی لشکر میں اسّی ہزار مجرم قیدی تھے جن کو جیل خانوں سے نکال کر میدانِ جنگ میں جھونک دیا گیا تھا۔ یہ قیدی دس دس بیس بیس کی ٹولیوں میں زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ تاکہ بھاگ نہ جائیں۔ چالیس ہزار ایسے رومی بہادر تھے جنہوں نے آپس میں پامردی کی قسمیں کھائی تھیں اور ان قسموں کو پختہ کرنے کے لئے زنجیروں میں بندھا ہونا پسند کر لیا تھا۔ چالیس ہزار کے ایک لشکر میں سپاہیوں کی ٹولیوں نے اپنی پگڑیوں کے پلّے ایک دوسرے سے باندھ رکھے تھے تاکہ جنگ کی گھما گھمی میں ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکیں۔ مزید اسّی ہزار آزاد تھے۔ جو غالباً رومیوں کی باقاعدہ فوج کے تجربہ کار جوانمرد ہوں گے۔ رومیوں کے اس لشکر میں چالیس ہزار کے قریب شام کے عیسائی عرب قبائل کے لوگ بھی شامل تھے ؛

رومی لشکر نہ صرف تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں سے چھ گنا تھا۔ بلکہ ساز و سامان کے اعتبار سے بھی عرب کے مسلمان فاقہ کشوں پر بہت فوقیت رکھتا تھا۔ ان کے لشکر میں زرہ پوش سپاہیوں کی بھاری تعداد موجود تھی۔ اسلحہ کے لحاظ سے دونوں لشکر مساوی حیثیت رکھتے تھے یعنی جس قسم کے ہتھیار رومیوں کے پاس تھے وہی مسلمانوں کے پاس بھی تھے۔ رومی لشکر میں قیدیوں کی جمعیت زبردستی لائی گئی تھی اس لئے ان پر جانیں لڑانے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ شام کے عرب بدوی قبائل

بھی رومیوں کی فتح سے پوری دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر فاتح فریق کے ساتھ اپنے معاملات استوار کر سکتے تھے۔ ادھر مسلمانوں کا ہر جوان فداکاری جوشِ جہاد۔ اور عسکری نظم کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ عراق کی فتح کے باعث مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے اور ان کے لئے جنگ میں شہید ہو جانے کی سعادت حاصل کرنا بھی فتح حاصل کرنے کے برابر تھا۔ فاتح ہونے کی حیثیت میں غازیوں کو اللہ کی رضا کے علاوہ غنیمت کا بے شمار مال ملنے کی توقع تھی اور شہید ہو جانے کی حالت میں انہیں ابدی زندگی کے ساتھ جنت کی ہر گونہ نعمتیں ملنے کا پورا پورا یقین تھا۔ ان کا ایمان یہ تھا کہ آخرت کی زندگی میں شہیدوں کا رتبہ غازیوں کے رتبے سے بلند تر ہو گا۔ اس روحانی کیفیت نے ان میں شجاعت کے وہ جوہر پیدا کر دیتے تھے جو کسی دوسرے جذبہ سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کے علاوہ بدوی عرب رومیوں کی بہ نسبت بہتر شہسوار تھے۔ ان کا رسالہ ایسی تیزی سے حملہ کرتا تھا کہ دشمن کے سنبھلتے سنبھلتے وہ کشتوں کے انبار لگا کر نکل جاتا تھا۔

رومی کیمپ میں طبلِ جنگ پر چوٹ پڑی اور ڈھائی لاکھ نفوس کا بحرِ مواج حرکت میں آ گیا۔ رومی مسلمانوں کی صفوں کی طرف بڑھنے لگے۔ خالدؓ نے عکرمہؓ اور قعقاعؓ کو حکم دیا کہ اپنے دستے لے کر آگے بڑھیں اور دشمن کے اقدام کو روکیں۔ کسی نے پاس ہی سے آواز دی "مسلمان کتنے کم اور رومی کتنے زیادہ ہیں"۔ خالدؓ چمک کر بولے "تم غلط کہتے ہو یوں

کہو کہ مسلمان زیادہ اور رومی کم ہیں کیونکہ خدا مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اگر میرے اسپ تازی کے سُم گِھسے ہوئے نہ ہوتے تو رومی خواہ اس سے دُگنا لشکر لے آتے میں انہیں شکست دیتا۔"

اتنے میں رومی لشکر سے ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا خالدؓ کے پاس پہنچا۔ جو دونوں لشکروں کے درمیان آگے بڑھ آتے تھے۔ "لشکروں نے خیال کیا کہ مبارزت ہے۔ لیکن اس سوار نے خالدؓ کے قریب آکر کچھ بات چیت کی۔ اس کا نام جبرجہ یا جارج تھا۔ گفت وشنید کے بعد جارج نے مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ خالدؓ نے اسے کلمہ پڑھایا اور اسے مُقتدی بنا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ رومی لشکر کی ایک جمعیت یہ حال دیکھ کر گھوڑے دوڑاتی ہوئی مسلمانوں کی طرف آگئی۔ یہ اس جارج کے ساتھی تھے۔ جو رومیوں سے کٹ کر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لئے آرہے تھے۔ عام رومی لشکر نے یہ خیال کیا کہ وہ حملے کے لئے سبقت کر رہے ہیں چنانچہ رومی لشکر کی ایک بھاری جمعیت مسلمانوں پر پل پڑی اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی اس عام حلے میں عکرمہؓ کے دستے میں افراتفری کے آثار نمودار ہونے لگے لیکن عکرمہؓ اپنی جگہ سے نہ ہلے عکرمہؓ نے کہا "وہ جس نے دورِ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کیا ہے اسلام لانے کے بعد ان کافروں کے سامنے سے کس طرح بھاگ سکتا ہے!" عکرمہؓ نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا۔ "کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتا ہے؟" چار سو جوانمرد

عکرمہؓ کے گرد جمع ہو گئے ان میں حضرت ضرارؓ اور عکرمہؓ کا ایک بیٹا بھی شامل تھے۔ عکرمہؓ نے آگے بڑھتے ہوئے رومیوں پر حملہ کیا۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹ کر اپنے کیمپ میں چلے گئے۔ اب خالدؓ نے اپنی فوج کو ترتیب کے ساتھ آگے بڑھایا۔ رومی بھی سارے کے سارے آگے بڑھے۔ شمشیر و سنان کی جنگ ہونے لگی۔ عکرمہؓ اور ان کے چار سو ساتھی اپنی جگہ پر چٹان کی طرح جمے رہے تاآنکہ ان میں سے اکثر یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کرتے ہوئے جنت کی حوروں کے آغوش میں چلے گئے۔ مسلمان خواتین بھی اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ ہوکر دادِ شجاعت دینے لگیں اور ہویریہ بنت ابوسفیان شدید طور پر زخمی ہوئیں۔ دن بھر گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ سرِ شام رومیوں کے قدم اکھڑنے لگے۔ خالدؓ نے دیکھا کہ رومیوں کا رسالہ ان کی پیادہ فوج سے دور ہو چلا ہے تو انہوں نے قلب کی فوج دونوں کے درمیان ڈال دی۔ رومی رسالہ نے دیکھا کہ ان کے سامنے مسلمان ہیں اور ان کے پیچھے کھڈ ہے۔ رسالہ نے گھیری ہوئی بلی کی طرح مسلمانوں پر ہلہ بول دیا تاکہ لڑتے بھڑتے اس پھندے سے باہر نکل جائے۔ مسلمانوں نے خالدؓ کے حکم سے رسالہ کو گزرنے کی راہ دے دی۔ اور رومی شہسوار اس راستے سے ایسے گزرے کہ پھر ان کی رسید تک نہ ملی۔ مسلمانوں نے رومی کیمپ پر ہلہ بول دیا اور دائیں بائیں مار کرتے ہوئے رومیوں کو دریا اور کھڈ تک دھکیل لے گئے۔ رومی سپاہی جو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں

سے بندھے ہوتے تھے۔ کھڑی دیواروں کی طرح دریا اور کھڈ میں گرنے گئے۔ مؤرخوں کا بیان ہے کہ ایک لاکھ رومی اس طرح دریا کی نذر ہو گئے۔ اتنے ہی رومی جنگ میں مارے گئے۔

اگلی صبح کو اسلامی لشکر نے اُجڑے ہوئے رومی کیمپ کا جائزہ لیا اور مال غنیمت سمیٹا۔ خالدؓ رومی جرنیل تھیوڈورک کے خیمہ میں فروکش ہوئے۔ خمس نکالنے کے بعد ایک ایک سوار کے حصے میں پندرہ پندرہ سو درہم آئے۔

مسلمانوں کا جانی نقصان بھی کافی ہوا۔ تین ہزار شہدا کی نعشیں میدان جنگ میں دفن کی گئیں۔ ہزاروں مسلمان زخمی ہوئے۔ جن میں عکرمہؓ۔ اُن کا بیٹا اور ضرارؓ بھی شامل تھے۔ صبح کے وقت خالدؓ نے زخمیوں کا معاینہ کیا۔ عکرمہؓ کا سر اپنے سینے پر اور اُن کے بیٹے کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ زخموں کی مرہم پٹی کی۔ پانی پلایا۔ لیکن دونوں باپ بیٹا جانبر نہ ہو سکے اس جنگ میں ابوسفیانؓ بھی زخمی ہوئے جن کی آنکھ میں تیر پیوست ہو گیا تھا۔ ان کے علاوہ اور کئی ممتاز صحابیؓ شہید اور زخمی ہوئے۔

اس جنگ نے ملک شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ رومی قیصر کے دربار کے حوصلے بہت پست ہو گئے۔ اس کے بعد کے معرکوں میں رومیوں کی طرف سے مزاحمت کی کوششیں کافی سرد پڑ گئیں۔

گھمسان کا دن ابھی شروع ہوا تھا۔ اور خالدؓ، عکرمہؓ اور قعقاع کو رومی فوج کو روکنے کا حکم دے رہے تھے کہ مدینہ سے ایک قاصد

آیا۔ کچھ لوگ دریافتِ احوال کے لئے آگے بڑھے۔ قاصد نے "ہمہ بخیر" کہتے ہوئے جواب دیا کہ مدینہ سے مزید کمک آرہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خالدؓ کے کان میں چپکے سے کچھ بات کہی۔ خالدؓ نے مکتوب کھولا۔ پڑھا اور جیب میں رکھ لیا۔ قاصد کو حکم دیا کہ وہ دن بھر اُن کے ساتھ رہے ۔

اگلے دن خالدؓ نے لشکر کو بتایا کہ بیس دن ہوئے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات پا چکے ہیں اور اب اُن کی جگہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب امیر المومنین مقرر ہوئے ہیں ۔

خلیفۃ الرسولؐ کی وفات

خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کے آغاز میں تپ کا شکار ہو کر صاحبِ فراش ہو گئے چند ہی دن میں نقاہت اتنی بڑھ گئی کہ آپ نے مسجد نبوی میں نماز کی اقامت کے لئے حضرت عمرؓ کو امام مقرر کر دیا۔ دو ہفتہ بیمار رہنے کے بعد جب لوگوں نے دیکھا کہ مرض شدت اختیار کر رہا ہے تو آپ سے طبیب کو بلانے کے لئے استفسار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا "طبیب! طبیب تو ابھی میرے پاس سے ہو کر گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ میں تیرے ساتھ وہی کچھ کرنے والا ہوں جو کرنے والا ہوں"۔ لوگ مطلب سمجھ کر خاموش ہو گئے ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھ چکے تھے کہ یہ مرض الموت ہے لہذا

انہیں اپنا جانشین مقرر کرنے کی فکر ہوئی۔ وہ حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ تاہم حسبِ معمول انہوں نے متعدد اکابر صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینا ضروری خیال کیا۔ عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور کہا بلاشبہ وہ اس منصب کے لئے اہل ترین شخص ہیں لیکن ان کی طبیعت ذرا سخت واقع ہوئی ہے۔ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا کہ وہ اس لئے سخت تھے کہ میں نرم طبیعت رکھتا تھا جب خلافت کا بارِ گراں ان کے اپنے کندھوں پر آن پڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ میں نے عمرؓ کو اچھی طرح جانچ لیا ہے۔ اگر میں کسی کے ساتھ معمول سے زیادہ سختی سے ساتھ پیش آتا تھا تو وہ اس کی سفارش کرتے تھے لیکن جہاں میں نرمی برتتا تھا وہ سخت گیر ہو جاتے تھے۔ عثمانؓ نے بھی حضرت عمرؓ کے متعلق خلیفۃ الرسول کی نگاہِ انتخاب کی داد دی اور کہا کہ "عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے بھی اچھا ہے ان جیسا کوئی شخص ہمارے درمیان موجود نہیں۔" طلحہؓ نے کہا "عمرؓ تو آپ کی موجودگی میں ہمارے ساتھ ضرورت سے زیادہ سخت گیری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ آپ خدا کے ہاں جا کر اس سوال کا کیا جواب دیں گے کہ آپ نے اس کے بندوں کو ایسے سخت مزاج شخص کی تحویل میں دے دیا؟"

یہ جواب سن کر حضرت ابوبکر صدیق کو جوش آ گیا بولے "مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ طلحہ! تو مجھے ڈرانا چاہتا ہے۔ اس پروردگار کی قسم جب میں اس سے ملاقی ہوں گا تو کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر ایسے

شخص کو امیر مقرر کیا جو ان سب میں اس منصب کے لئے اہل تر تھا"۔

اس مشورت کے بعد خلیفۃ الرسول نے حضرت عثمان رضؓ کو وصیت لکھنے کے لئے بلایا اور عمر رضؓ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے متعلق فرمان لکھوا دیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو غش آگیا۔ چند لمحات کے بعد ہوش میں آئے تو عثمان رضؓ سے کہا کہ وہ فرمان پڑھ کر سنائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر میں غشی کے عالم میں مر جاتا تو معاملہ مشتبہ رہ جاتا۔ وصیت کے الفاظ یہ تھے :-

"میں عمر ابن الخطاب کو ان کی صلاحیتوں کی بناء پر اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ عدل سے کام لیں گے۔ اگر عدل نہ کریں گے تو خدا کے ہاں سے اس کی سزا پائیں گے میں نے اپنی دانست میں بہترین شخص کو چنا ہے۔ لیکن میں دوسرے کے مافی الضمیر کو نہیں جان سکتا۔ آخری بات یہ ہے کہ برا کرنے والے کو اس کی سزا مل کر رہے گی۔ راستبازی سے کام لو۔ خدا کی رحمت تمہارے شامل حال رہے"۔

اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ مسلمان وصیت سننے کے لئے مسجد میں جمع ہوں۔ آپ کی بیوی اسماءؓ نے آپ کو سہارا دے کر کھڑکی میں بٹھایا جس کے پٹ مسجد کے صحن کی طرف کھلتے تھے آپ نے جانشین کے تقرر کے متعلق فرمان پڑھا۔ اور پوچھا "اے لوگو! کیا تم اپنے امیر کے اس

تقرر پر مطمئن ہے۔ وہ میرا کوئی عزیز یا رشتہ دار نہیں۔ بلکہ وہ عمر ابن الخطابؓ ہے۔ میں نے اپنی دانست میں بہترین شخص کو مقرر کر دیا ہے۔ تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔" لوگوں نے پکار کر کہا "ہم اطاعت کریں گے"۔

وفات سے ایک دن پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مثنیؓ کو شرف باریابی بخشا اور حضرت عمرؓ کو تاکید کی کہ انہیں عراق کے لئے کمکی فوج دینے کا کام سب سے پہلے کریں۔ آخری دن حضرت ابوبکر صدیقؓ زندگی کے بے ثباتی کے متعلق اشعار پڑھتے رہے۔ کسی نے زمانۂ جاہلیت کے ایک شاعر کا شعر جو حسب موقع تھا پڑھا آپ نے منع کیا اور کہا کہ اس کے بجائے قرآن پاک کی آیات پڑھو جن میں موت اور نزع کا ذکر ہے۔

نزع کے وقت آپ نے حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلایا اور انہیں وصیت کی کہ اپنے مزاج کی درشتی کی اصلاح کریں۔ تکفین و تدفین کے متعلق وصیت فرمانے کے بعد سلامتیؑ ایمان کی دعا کرتے ہوئے اور "اللّٰھم برفیق الاعلیٰ" کہتے ہوئے جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

تاریخ وفات ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء تھی دن دوشنبہ کا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ عام الفیل کے دو سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ تریسٹھ سال کی عمر پائی۔ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفن کے پہلو میں قبر کھود کر دفن کئے گئے۔ کفن حسب وصیت انہی کپڑوں کا بنایا گیا جو آپ نے مرض الموت میں پہن رکھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا تھا

کہ نئے کپڑے زندوں کے کام آنے چاہئیں ۔

خلیفۃ الرسول کا اندازِ حکومت

کردار اور طرزِ عمل

دینِ اسلام کی خوش بختی تھی کہ اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ایسی عظیم اور جامع الاوصاف شخصیت نگہبان کے طور پر مل گئی جس کے پیشِ نظر محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے دین کی خدمت کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ دین اسلام کی خدمت اور اس کی نگہبانی اور اشاعت کا یہ جذبہ خلقِ خدا کی دینوی صلاح اور اخروی نجات کی خواہش کے مترادف تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس نیک اور پاک جذبہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بہ نسبت اس نکتہ کو اور کون شخص جانتا اور بوجھتا تھا کہ خلافتِ رسولؐ کا منصب بہت بڑی ذمہ داریوں کا منصب ہے۔ یہ حکمرانی اور فرماں فرمائی نہیں بلکہ خلقِ خدا کی بے غرض اور بے لوث خدمت ہے جس کے لئے وہ دنیا میں مسلمانوں کے سامنے اور آخرت میں خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ دربارِ خلافت کی جو مہر آپ نے بنوائی اس پر

خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے الفاظ کے بجائے "نعم القادر اللہ" کے الفاظ کندہ کرلئے جن کا اُردو ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ ہی سب سے بہتر با اختیار حاکم ہے۔"

خلافت کے مہمات امور میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ اکابر صحابہ کرام رضؓ سے مشورہ کرلینا ضروری سمجھتے تھے اور مشورہ کے بعد جس بات کا عزم فرما لیتے تھے اس کے بروئے کار لانے سے انہیں دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی یہ عدیم النظیر اولوالعزمی ہی تھی کہ آپ نے منصب خلافت پر متمکن ہوتے ہی عام رائے کے علی الرغم اسامہ رضؓ کی سرکردگی میں شام کی مہم بھیجی اور جنگی طاقت کے اس طرح مرکز سے دُور چلے جانے کے باوجود مُرتدین کے ساتھ مساحت کا برتاؤ کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ حالانکہ ان کے اکثر مشیران دونوں مہمات کے متعلق متامل اور متذبذب نظر آتے تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ صحابہ کرام رضؓ اور اس دورِ اوّل کے مسلمانوں کی قوت ایمانی ہی کے معجزات ہیں کہ پہلے سال میں مسلمان عام فتنۂ ارتداد کو بزورِ شمشیر فرو کرنے میں کامیاب ہوگئے جس کی آگ عرب کے اکثر قبائل میں پورے زور سے بھڑک اُٹھی تھی۔ نبوت و رسالت کے جھوٹے دعوے داروں کے فتنے کا استیصال کیا جن میں سے کسی ایک کی معمولی سی کامیابی

دینِ اسلام کی صداقت و حقانیت کو معرضِ شک میں ڈال دیتی۔

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی کی بلند عزیمت تھی کہ فتنہ ارتداد کو فرو کرنے کے ساتھ دُنیائے حاضر کی دو عظیم ترین سلطنتوں یعنی رُوم و ایران سے بیک وقت جنگ چھیڑ دی اور ایک سال تین ماہ کی مدّت میں عراق کی سرزمین کسریٰ سے چھین لی اور شام کی مہموں کو کامیابی کے اس درجے تک پہنچا دیا کہ حضرت صدیق رضؓ کی وفات کے تھوڑی مدّت بعد قیصر بھی شام کی سرزمین سے اپنے اقتدار کا بوریا بستر لپیٹ کر رخصت ہونے پر مجبور ہو گیا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کا اجتماعی نظام وہی رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی رسُول اکرمؐ کی طرح بیت المال کی آمدنی کو جمع رکھنا عیب سمجھتے تھے اور غنیمت خراج جزیہ اور زکوٰۃ کا جو مال وقتاً فوقتاً وصول ہوتا تھا اسے فی الفور ان مدات پر خرچ کر دیتے تھے جو ان کے لئے شرعِ اسلام اور اسوۂ رسُولؐ نے مقرر کر دی تھیں۔ وفات کے بعد بیت المال کی ایک تھیلی سے صرف ایک طلائی دینار برآمد ہوا جو کسی گوشے میں پڑا رہ گیا تھا۔ وفات کے وقت بیت المال کی ایک چادر۔ ایک اُونٹنی اور ایک غلام انکی تحویل میں تھے جو حسبِ وصیّت حضرت عمر رضؓ کے حوالے کر دیئے گئے۔ خلیفۃ الرسول بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور عہدِ خلافت میں اپنے تجارتی کاروبار کو دیکھنے کی فرصت نہ پانے کے باعث بیت المال سے صرف گزارا لینے لگے جس کی مقدار

مختلف روایتوں میں مختلف آئی ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بیوی اسماءؓ نے روزانہ معاش کی رقم سے کچھ روز تھوڑا تھوڑا پس انداز کیا تاکہ کسی دن پُرتکلّف کھانا تیار کریں حضرت صدیق رضؓ کو حال معلوم ہوا تو روزانہ معاش سے جو وہ بیت المال سے لیتے تھے اتنی مقدار کم کردی جتنی اسماءؓ نے ہر روز پس انداز کی تھی ؁

قانونِ شریعت نافذ کرنے کے معاملہ میں آپ اتنے پابند تھے کہ آپ نے رسول اللہ صلعم کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کے ناراض ہو جانے کی بھی پروا نہ کی۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اپنے شوہر حضرت علیؓ کو لے کر دربارِ خلافت میں دعوے لے کر آئیں اور کہنے لگیں کہ مجھے اپنے باپ کے ترکہ میں سے اسی طرح حق دلایا جائے جس طرح آپ کی بیٹیاں آپ کے ترکہ میں سے حق پائیں گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جواب دیا کہ "بلاشبہ آپ کے والد مجھ سے بہتر تھے اور آپ میری بیٹیوں پر فضیلت رکھتی ہیں لیکن آپ کا مطالبہ کیا ہے۔ کیا آپ رسول اللہ صلعم کے گھر کی اشیا اور سامان میں سے اپنا حصّہ چاہتی ہیں"؟ حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ نے کہا "نہیں میں باغ فدک، نخلستانِ خیبر اور مدینہ کی وقف اراضی میں سے جو میرے باپ کی تحویل میں تھیں اپنا حق چاہتی ہوں"۔ حضرت صدیق رضؓ نے کہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ تھا کہ میری جائداد کا کوئی وارث نہ ہوگا اور وہ ساری کی ساری تمام مسلمانوں پر صدقہ ہوگی۔ اس لئے میں اس ارشاد کے خلاف عمل نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر آپ یہ کہیں کہ رسول اکرم صلعم نے آپ کو یہ جائداد دے دی تھی تو میں

آپ کے کہنے پر عمل کروں گا" حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ نے کہا کہ میرے باپ نے ایک دفعہ باغِ فدک مجھے دینے کو کہا تھا۔ لیکن اُمّ ایمن کے سوا میں کوئی گواہ پیش نہیں کر سکتی۔" حضرت صدیق رضؓ نے دعویٰ خارج کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو اس بات کا بہت رنج ہوا۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد حضرت فاطمہ رضؓ فوت ہو گئیں۔

حضرت صدیق رضؓ بہت نرم دل شخص تھے۔ دین کے معاملات میں سخت گیری کے لئے وہ شرعاً مکلّف تھے لیکن قصور وار تائب ہو جاتا تو آپ فوراً معاف کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو رپورٹ ملی کہ حضرت مہاجر رضؓ نے یمن میں دو گانے والیوں کو جن میں سے ایک رسول اکرمؐ کی شان میں اور دوسری مسلمانوں کے متعلق گستاخانہ اور ہجویہ اشعار گایا کرتی تھی ہاتھ کاٹنے اور سامنے کے دانت اکھڑوا دینے کی سزائیں دی ہیں۔ آپ نے کہا کہ شاتم رسولؐ کی سزا قتل ہے اگر مقدمہ میرے پاس آتا تو میں اسے جلاد کے حوالے کر دیتا۔ لیکن دوسری کو اتنی سخت سزا نہیں دینی چاہیئے تھی۔

حضرت صدیق رضؓ نے نجاءہ نامی ایک ڈاکو جس نے بدعہدی کی تھی جوشِ غضب میں زندہ جلانے کی سزا دی تھی لیکن بعد میں وہ اس فعل پر بہت پچھتائے اور اس پر اظہارِ افسوس کرتے رہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے تین کاموں پر بہت نادم ہوں ان میں سے ایک یہ نجاءہ کی سزا ہے۔ دوسرے دو کام روایات میں یہ بتائے گئے ہیں ایک یہ کہ "میں نے اشعث کا قصور کیوں معاف کر دیا" دوسرے یہ کہ میں نے جب خالد رضؓ

کو شام کے اسلامی عساکر کا سپہ سالار مقرر کیا تھا تو عمرؓ کو عراق کی مہم کا سپہ سالار بنا کر کیوں نہ بھیجا اگر میں ایسا کرتا تو میرے دونوں بازو کفر کی طاقت کے خلاف حرکت میں آجاتے"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمرؓ ان کے خاص مشیر اور سٹیٹ کے چیف جسٹس تھے۔ لیکن اس دور کے مسلمانوں میں مقدمہ بازی اس قدر کم تھی کہ سال بھر میں بمشکل دو دعوے دائر ہوتے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ مشیر ہونے کے علاوہ خلیفہ کے کاتب یعنی سکرٹری بھی تھے۔ جو فرامین اور مکاتیب لکھا کرتے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے اپنے سوا دو سالہ عہدِ خلافت میں صرف ۱۲ھ ہجری کا حج کیا۔ طواف کعبہ سے فارغ ہو کر آپ دار الندوہ (کونسل ہال) کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے اور کہا کہ جس کو کوئی شکایت ہو پیش کرے۔ لیکن کسی نے کوئی شکایت پیش نہ کی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر اہلِ مکہ اور حاکمِ مکہ عتابؓ کی تعریف کی۔

اسی موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بوڑھے اور نابینا والد ابوقحافہ نے سرداران قریش کی طرف جو باپ بیٹے کی ملاقات کے وقت موجود تھے اشارہ کر کے کہا کہ "یہ مکہ کے شرفا ہیں۔ بیٹا ان کی عزت کرنا اور ان سے اچھا سلوک روا رکھنا"۔ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا "میں ان سے اچھا سلوک تو کر رہا ہوں لیکن عزت وہی ہے جو خدا کے ہاں سے حاصل ہو"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ دینِ اسلام اور خلقِ خدا کے بےنفس اور بےغرض خادم تھے اور تمام مسلمانوں کو اسی پاک جذبہ سے معمور دیکھنے کے متمنی رہتے تھے۔ بیت المال کی آمدنی مسلمانوں پر یکساں طور پر صرف کرتے تھے۔ ہر مرد، عورت، بچے، بوڑھے، آزاد اور غلام کو برابر برابر حصّہ ملتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ جن لوگوں کو اسلام لانے میں اولیت کا شرف حاصل ہے یا جن کی خدمات (مثلاً اصحاب بدر) دوسروں سے ممتاز اور افضل ہیں انہیں بیت المال سے زیادہ حصّہ ملنا چاہیئے۔ اس سوال کے جواب میں آپ نے جو کچھ کہا وہ دنیوی زندگی کے متعلق آپ کے سچّے اسلامی زاویۂ نگاہ کا ایک کھلا اعلان ہے۔ آپ نے فرمایا :-

"اولیتِ اسلام اور ممتاز خدمات کا صلا دینا اللہ کا کام ہے۔ جو لوگ اسلام لانے اور خدمتِ اسلام بجالانے میں سابقون الاولون ہیں انہیں آخرت کی زندگی میں خدا کے ہاں سے اجرِ عظیم ملیگا۔ یہ دنیوی غنیمتیں اور اموال تو تو اس زندگی کے معمولی حادثات ہیں جن سے دِل نہیں لگانا چاہیئے"۔

نقشہ ملک عراق

جس میں عہد شیخین کی مہموں کے اہم مقامات دکھائے گئے ہیں

پیمانہ $\frac{3}{4}$ انچ ۲۰۰ میل

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفۃ الرسول کا جانشین

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات کے بعد اُمّت مسلمہ کے نفع و نقصان کی ذمّہ داری کا بارِ گراں حضرت عُمر فاروق رضؓ نے اپنے کندھوں پر سنبھالا۔ جو رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ممتاز صحابی اور خلیفۃ الرّسول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مشیرِ خاص تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی تکفین و تدفین سے فارغ ہونے کے بعد مسجدِ نبوی میں مسلمانوں کے اجتماع کے سامنے خطبہ دیا جس میں یہ کہا:۔

"عرب کے لوگ باغی اُونٹ کی مانند ہیں جس کو ہانکنے کے لیے سار بان کی ضرورت ہے۔ یہ ساربان

کا کام ہے کہ اُونٹ کو جس راہ پر چاہے لے جائے۔
کعبہ شریف کے پروردگار کی قسم! میں تم کو اسی طرح
سیدھی راہ پر چلاؤں گا جس طرح ساربان اُونٹ کو
سیدھی راہ پر چلاتا ہے"۔

خُطبہ کے بعد اجتماع کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ نئے قاید اور سردار کو کس لقب سے پکارا جائے حضرت عمرؓ خلیفہ خلیفۃ الرسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کے جانشین تھے لیکن یہ لقب خلیفہ کے لفظ کی تکرار کے باعث بہت ثقیل تھا۔ یہ بات جاری تھی کہ مجمع میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے عمرؓ ہم مومنین ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں اس لئے آپ کو ہم امیرالمومنین کے لقب سے یاد کیا کریں گے۔ اس لقب کو سب نے پسند کیا۔ اور حضرت عمر فاروق رضؓ تاریخ اسلام میں پہلے امیرالمومنین قرار پائے۔

شام اور عراق کی مہمیں

حضرت عمرؓ کو شام اور عراق کی جنگی مہمیں اپنے پیش رو سے ورثہ میں ملی تھیں۔ شام کی سرزمین میں جیسا کہ ہم گذشتہ فصل میں بیان کر آئے ہیں رومیوں کے ساتھ کنارِ یرموک کی فیصلہ کن جنگ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات سے بیس[۲۰] یا بائیس[۲۲] دن بعد لڑی گئی۔ اس جنگ کے خوشگوار نتیجہ کی اطلاع حضرت عمرؓ کو مزید بیس[۲۰] دن کے بعد پہنچی اور انہوں نے خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کو دمشق پر چڑھائی کرنے کے احکام صادر کر دیئے۔ عراق کی مہم کی طرف حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وصیت کے مطابق فوری توجہ مبذول کی پہلے خطبہ کے بعد ہی مسجد نبوی میں لشکر کے اجتماع کے لئے علَم نصب کر دیا اور مثنیٰؓ کو ہدایت کی گئی کہ وہ میدانِ جنگ میں پہنچ کر صورتِ حال کو سنبھالیں اور مدینہ سے تازہ لشکر کی کمک کا انتظار کریں۔ پہلے دو تین دن عام مسلمانوں نے ایران کی مہم پر جانے کے لئے کسی قسم کے جوش کا اظہار نہ کیا۔ تیسرے دن پہلے مثنیٰؓ نے اور پھر حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا۔ سب سے پہلے ابو عبید ثقفی اس مہم کے لئے بھرتی ہونے کی خاطر آئے پھر اور مسلمان بھی آنے لگے۔ جمعیت ایک ہزار تک پہنچ گئی تو اس لشکر کا امیر یا سالار بننے کا سوال سامنے آیا۔

بعض لوگوں نے مقتدر اشخاص کے نام تجویز کیے لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چونکہ اس مہم پر جانے کے لیے ابو عبید نے سبقت کی ہے اس لیے اسی لشکر کا سالار انہیں کو بنایا جائے گا۔ مدینہ میں حسب معمول جورف کے میدان میں لشکر کا اجتماع ہونے لگا اور مثنیٰؓ عراق کو چلے گئے تاکہ کمک پہنچنے تک وہاں کی صورت حال کو سنبھالیں۔

عراق کی تسخیر

عراق اور دربار ایران

مثنیٰؓ جنگِ بابل فتح کر کے عراق کے ایرانی مرکز مداین کے دروازوں تک یلغار کرنے کے بعد مدینہ گئے تھے تاکہ خلیفہ کو حالات کی اطلاع دے کر عراق میں مزید لشکر بھیجنے کے لئے آمادہ کریں۔ عراق کی نصف اسلامی فوج خالدؓ کی سرکردگی میں شام کو جا چکی تھی۔ اور ایرانی عرب مسلمانوں کو عراق سے نکالنے کے لئے تدبیر کے گھوڑے دوڑا رہے تھے مثنیٰؓ جب مدینہ کو گئے تو سیاوخش نامی ایک ایرانی سردار نے ایران کے کسریٰ شاپور اور اس کے ایک معاون فرخ زاد کو قتل کر کے آذرمی دخت نامی شہزادی کو جو خسرو پرویز کی بیٹی تھی ایران کی ملکہ بنا دیا تھا۔ شاپور پسر شہریار چاہتا کہ آذرمی دخت شہزادی کی شادی فرخ زاد سے کر دے فرخ زاد شاہی خاندان سے نہ تھا آذرمی دخت اس توہین کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھی اس لئے اس نے سیاوخش کی مدد سے شاپور اور فرخ زاد دونوں کو قتل کرا دیا۔ آذرمی دخت ملکہ بن گئی تو خسرو پرویز کی ایک دوسری بیٹی بوران دخت نے خراسان سے ایک اور ایرانی سردار رستم

کو بلایا جس نے فوج کو لاکر سیاوخش سے جنگ کی اور اسے قتل کر دیا۔ رستم نے آذرمی دخت کی جگہ بوران دخت کو سلطنت کی مدار المہام بنایا اور خود وزیر اعظم بن گیا۔ رستم بہت طاقتور اور بارسوخ سردار تھا۔ ایران کے دوسرے سردار اس کی اطاعت کا دم بھرنے لگے۔ بوران دخت کی مدار المہامی بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی کیونکہ شاہی خاندان کی خواتین نے بائیس سال کا ایک نوجوان شہزادہ یزدجرد تلاش کر لیا جس کے سر پر کسرائی کا تاج رکھ دیا گیا مثنیٰ مدینے سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یزدجرد کا وزیر اعظم رستم مسلمانوں کو عراق سے نکالنے کے لئے لشکر تیار کر رہا ہے اور عراق کے ایرانی جاگیرداروں۔ زمینداروں۔ دہقانوں اور قبائلی سرداروں کو پیغامات بھیج بھیج کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت اور شورش برپا کرنے کے لئے بھڑکا رہا ہے۔

جنگ نمارق

۱۳ھ ۶۳۴ء

رستم کی ریشہ دوانیوں کے باعث عراق عرب میں جابجا مسلمانوں کے اقتدار کے خلاف شورشیں رونما ہونے لگیں۔ جزیرہ سواد اور زیریں خطہ کے لوگ باغی ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر رستم نے ایرانی فوج کا ایک کالم جابان کی سرکردگی میں ان اطراف کو روانہ کیا اور دوسرا

کالم نرسی نامی ایک سردار کے ماتحت دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ میں کسکر کی طرف بھیجا۔ مثنیٰؓ نے یہ حال دیکھ کر اپنی عسکری جمعیتوں کو غیر محفوظ مقامات سے نکالا اور حیرہ کا مرکز چھوڑ کر خفّان میں ڈیرے جما لئے جو حیرہ سے جنوب مغرب میں صحرا کے کنارے واقع تھا۔ یہاں بیٹھ کر مثنیٰؓ ابو عبیدؓ کا انتظار کرنے لگے ایرانی سردار جابان نے کسی قسم کی مزاحمت نہ پائی تو وہ حیرہ میں آگیا۔ جب ابو عبیدہ مدینے سے کمک لے کر خفّان پہنچے تو مسلمانوں کے لشکر نے ابو عبیدؓ کی سرکردگی میں جابان کے لشکر پر حملہ کیا۔ بادکلہ ندی کے کنارے جنگ ہوئی۔ ایرانی لشکر نے شکست کھائی۔ ایرانی افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے کہ جابان نے ایک مسلمان مجاہد سے جان کی امان کا وعدہ لے کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا مجاہد کو علم نہ تھا کہ جس کو وہ امان دے رہا ہے وہ ایرانی فوج کا سردار جابان ہے۔ مجاہد جابان کو اپنے سپہ سالار ابو عبید کے پاس لے گیا اور کہا کہ میں اسے امان دے چکا ہوں۔ عین اس حال میں بعض لوگوں نے جابان کو پہچان لیا۔ اور اس کے قتل کا مشورہ دینے لگے ابو عبیدؓ نے کہا کہ ہمارا ایک مسلم بھائی جب اسے امان دے چکا ہے تو ہم سب پر اس کے وعدے کا ایفا لازم ہے۔ ابو عبیدہ نے اس دلیل کی بنا پر جابان کو رہا کر دیا اور وہ ایران کی طرف چلا گیا۔ اس جنگ میں بہت سے ایرانی قالین مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے اس لئے اسے جنگِ نمارق کا نام دیا گیا۔

اس کے بعد ابو عبیدہ کا لشکر دریائے فرات کو عبور کر کے کسکر کی طرف بڑھا جہاں ایرانی سردار نرسی ڈیرے جما کر بیٹھا تھا۔ کسکر کے مقام پر ایک اور شدید جنگ ہوئی۔ ایرانیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی کے مالِ غنیمت میں اعلیٰ قسم کی نفیس کھجوروں کا ایک ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ یہ کھجوریں ایران کے شاہی خاندان کے لئے مختص ہوا کرتی تھیں جو عام مسلمان سپاہیوں نے کھائیں۔ ابو عبیدہ نے مالِ غنیمت کے خمس کے ساتھ ان کھجوروں کا نمونہ بھی بارگاہِ خلافت میں ارسال کیا اور لکھا کہ "امیر المومنین! خدائے تعالیٰ نے فتح و نصرت کے ساتھ ہمیں ایسی عمدہ کھجوریں بھی عطا کیں جنہیں ایران کے شہزادے اور شہزادیاں کھاتے تھے۔ آپ بھی انہیں ملاحظہ فرمائیں۔ ایک اور ایرانی سردار جالینوس جو مدائن سے نرسی کی امداد کے لئے لشکر لے کر چلا تھا۔ کسکر کی طرف بڑھا ابو عبیدہ نے آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔ جالینوس مدائن کی طرف بھاگ گیا۔ ان فتوحات کے باعث جزیرہ اور زیرین خطہ پر مسلمانوں کا تسلط پھر قائم ہو گیا۔ قبائل کے شیوخ تحائف۔ اور خراج لے کر ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ایک جگہ کے شیوخ نے ابو عبیدہ کو ضیافت کی دعوت دی۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ اگر میرے سارے لشکر کو دعوت دو تو میں اسے قبول کر سکتا ہوں۔ ورنہ نہیں۔ شیوخ نے سارے لشکر کو ایران کے پر تکلف کھانوں کی ضیافت کھلائی۔ ابو عبیدہ اس ضیافت کے باعث اپنے لشکر میں پہلے سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔

جنگ پُل

۱۳ھ - ۶۳۴ء

جابان۔ نرسی۔ اور جالینوس کی ان شکستوں کے بعد رُستم نے ایک اور ایرانی سردار بہمن کو لشکر جرّار دے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ ابو عبیدہؓ نے اپنی بکھری ہوئی فوج جمع کی اور پیچھے ہٹ کر دریائے فرات کو عبور کر گئے۔ بہمن نے دریائے فرات کے مشرقی کنارے تک پہنچ کر قُس ناطق کے مقام پر ڈیرا جمایا اسلامی فوج دریا کے دوسری جانب جا چکی تھی۔ بہمن نے ابو عبیدہ کو پیغام بھیجا کہ دو دو ہاتھ کرنے کے لئے تم ادھر آؤ گے یا ہم دریا کو عبور کر کے پار پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ نے جوشِ مردانگی سے جواب دیا کہ ہم دریا کو عبور کر کے تمہاری طرف آئیں گے۔ اسلامی فوج کشتیوں کے پل پر سے گزر کر مشرقی کنارے پر جمع ہونے لگی بہمن کے کیمپ اور دریا کے درمیان بہت تنگ جگہ پر ڈیرے ڈالے صفیں درست کیں۔ اور جنگ شروع کر دی ایرانی لشکر کے ساتھ فیل سواروں کا ایک دستہ بھی تھا۔ ہاتھیوں کے جسم پر گھنٹے لٹک رہے تھے۔ ہاتھی چلتے تھے تو ان سے شور اٹھتا تھا۔ عربوں کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر اور گھنٹوں کی آوازیں سُن کر بدکنے لگے۔

عرب سواروں نے گھوڑے چھوڑ دیئے اور پا پیادہ ہو کر جنگ کرنے لگے۔ ہاتھیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہیں کوئی تدبیر سجھائی نہ دیتی تھی۔ عرب بہادر ہاتھیوں پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور بھالوں سے حملے کرتے تھے لیکن ان کے جسم پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ ابو عبیدؓ نے ایک سفید ہاتھی پر جو سب سے بڑا تھا حملہ کیا۔ کسی نے انہیں بتایا تھا کہ اگر ہاتھی کے منہ میں نیزہ مارا جائے تو ہاتھی زخمی ہو کر جان دے دیتا ہے۔ یہ بات درست نہ تھی۔ لیکن ابو عبیدؓ نے آگے بڑھ کر ہاتھی کے منہ میں نیزہ مارا ہاتھی نے انہیں سونڈ سے پکڑ کر اپنے پاؤں تلے کچل ڈالا۔ یہ حال دیکھ کر اسلامی لشکر کے اور کئی جوان ہاتھی پر پل پڑے لیکن سب جان بحق تسلیم ہو گئے۔ سپہ سالار کے شہید ہو جانے کے باعث اسلامی لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ بعض لوگ دریا کی طرف پیچھے ہٹے۔ کئی دریا میں کود گئے۔ بنو ثقیف کے ایک جوان نے پل کی پہلی کشتی کھول دی اور اسلامی لشکر پر پسپا ہونے کی راہ بند کر دی۔ اس نے کہا کہ جس طرح ابو عبیدؓ اور ان کے ساتھی لڑ کر شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح سب لشکریوں کو جان لڑانی چاہیئے۔ ابو عبیدہ کی شہادت کے بعد مثنیٰؓ فوج کے سالار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو بدحواسی کے عالم میں دریا میں کودتے دیکھا تو اپنے دستے کو لے کر پل کے سامنے ایرانیوں کے مقابل آن ڈٹے اور پل کی مرمت کرائی۔ پل بن گیا تو مثنیٰؓ نے اپنی باقی فوج کو حکم دیا کہ وہ سکون اور ترتیب کے ساتھ پل پر سے گزر جائیں۔ جب تک ساری فوج نہ

گزرلی مثنیٰؓ اپنے دستے کے ساتھ ایرانیوں کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہے۔
اس کے باوجود بہت سے مسلمان بدحواس ہو کر دریا کی نذر ہو گئے۔ مثنیٰؓ خود
زخمی ہو گئے۔ دریا کے دوسری طرف آ کر بچے کھچے لشکر نے ڈیرا جمایا
اس جنگ میں چار ہزار مسلمان کام آ چکے تھے۔ کچھ اپنے اپنے گھروں کو
بھاگ گئے تھے۔ بھاگنے والوں میں معاذ بن جبل مشہور صحابی بھی تھے
وہ مدینے پہنچے اور شرم کے مارے منہ چھپائے پھرتے تھے۔ ایک دن
نماز باجماعت میں حضرت عمرؓ نے بلند قرأت سے سورۂ انفال کی یہ
آیات پڑھیں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا
تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَۚ وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا
لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۔

اے ایمان والو! جب تم لڑائی میں کافروں سے ٹکراؤ تو انہیں پیٹھ
دکھا کر پیچھے نہ مڑو۔ جو کوئی اس دن پیٹھ دکھا کر پیچھے گا اس کا ٹھکانا دوزخ
ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے البتہ وہ شخص اس سزا سے مستثنیٰ ہے جو
جنگ کے لئے چال کرنے یا اپنے کسی دستہ فوج میں ملنے کے لئے پیچھے
ہٹے۔

معاذؓ مقتدیوں میں تھے وہ یہ آیات سن کر اتنے روئے کہ
غش پر غش آنے لگے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ نے انہیں تسلی

دی کہ وہ بھگوڑوں میں نہیں بلکہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو خدا نے گرفت سے مستثنیٰ کر رکھا ہے ۔

ایرانی سردار بہمن چاہتا تو مسلمانوں کا تعاقب کر کے انہیں دریا کے پار بھی پریشان کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے اسی فتح کو کافی خیال کیا۔ اتنے میں اسے اطلاع ملی کہ مدائن میں فیروزان نامی سردار نے رستم کے خلاف بغاوت کا عَلَم بلند کر دیا ہے۔ اس لئے وہ لشکر سمیت واپس جانے پر مجبور ہو گیا۔ رُستم خراسان کا رہنے والا تھا اسے غیر ایرانی سرداروں کی حمایت حاصل تھی۔ فیروزان پارسی نسل کے خالص ایرانیوں کا لیڈر تھا جو رُستم کے اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے۔ یہ کشمکش چند دن تک جاری رہی۔ اور آخر دونوں پارٹیاں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے خیال سے آپس میں متحد ہو گئیں ۔

الّیس کی جنگ

مثنیٰؓ بچے کھچے لشکر کو لے کر الّیس پہنچے۔ ایرانی سردار جابان نے دریا کو عبور کر کے مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ جنگ ہوئی۔ جابان نے شکست کھائی اور گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ اس ضمنی فتح کے باعث مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عزت پھر بحال ہو گئی علاقہ کے عام لوگ ایرانی فوج کے بھگوڑوں کو پکڑ پکڑ کر مثنیٰؓ کے پاس لانے لگے ۔

جنگِ بویب

رمضان ۱۳ھ نومبر ۶۳۴ء

مثنیٰؓ الیس میں بیٹھ کر اپنے لشکر کو نئے سرے سے منظم کرنے لگے انہوں نے عراق کے عرب قبائل سے جو مسلمان ہو چکے تھے کمک طلب کی۔ بنی حنظلہ۔ بنی خاثم۔ بنی عبدالقیس۔ بنی ذلجہ۔ بنی ازداور بنی عجل کے جوان جوق درجوق ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ عیسائی قبیلہ بنی نمر کے ایک دستے نے بھی اپنے رئیس انیس ابن ہلال کی سرکردگی میں اسلامی لشکر کا ساتھ دیا۔ اُدھر مدینہ میں جنگِ پل کی شکست کی خبر سن کر حضرت عمرؓ نیا لشکر تیار کرنے لگے۔ بنی بجیلہ عربوں کا ایک طاقتور قبیلہ تھا جو فتنۂ ارتداد میں اپنی زمین سے محروم ہو گیا تھا۔ اس کے سرداروں نے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے "تالیفِ قلوب" کے لئے انہیں یہ رعایت دی کہ مالِ غنیمت کے علاوہ جو ان کے حصے میں آئے گا انہیں سرکاری خمس کا چوتھا حصہ انعام کے طور پر دیا جائے گا۔ اس حُسنِ سلوک کے باعث بنی بجیلہ تمام کے تمام بال بچوں سمیت عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ دُوسرے قبائل کے لوگ بھی جوق درجوق لشکر میں شامل ہوگئے اور سب مثنیٰؓ کے

پاس پہنچ گئے۔

مثنیٰ نے لشکر کا کیمپ لگانے کے لئے بُویب کے مقام کو پسند کیا جو دریائے فرات کی ایک مغربی شاخ پر کا ایک قصبہ تھا اُدھر ایرانیوں کا لشکر فرات کے دوسرے کنارے مہران ہمدانی کے زیرِ علم جمع ہو رہا تھا۔ مہران نے حسبِ معمول پیغام بھیجا کہ لڑنے کے لئے تم دریا کو عبور کرو گے یا ہم عبور کر کے تمہاری جانب آئیں۔ مثنیٰ نے جواب بھیجا کہ ایرانی اِدھر آجائیں۔ مہران رضامند ہو گیا۔ مسلمانوں نے ایرانیوں کو دریا عبور کرنے کا کھلا موقع دیا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو مثنیٰ نے اپنے ایک سرکش عربی گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کے سامنے خطبہ دیا۔ اور کہا:۔

"آج کے دن تمہاری شجاعت آئندہ نسلوں کے لئے ضرب المثل بن جانی چاہئیے۔ جنگ کے دوران میں موت کی طرح خاموش رہنا اور اگر ساتھی سے کوئی بات کہنی ہو تو سرگوشی سے کام لینا۔ آج تم میں سے کسی کا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ میں صرف اپنے لئے نہیں بلکہ تم سب کے لئے فتح کا اعزاز چاہتا ہوں"۔

حکم یہ تھا کہ امیر لشکر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یکے بعد دیگرے چار تکبیریں کہے گا اور چوتھی تکبیر پر مسلمان دشمن پر حملہ کریں گے مثنیٰ نے ابھی پہلی تکبیر کہی تھی کہ ایرانیوں نے ہلّہ بول دیا۔ بنی عجل سامنے

تھے ان میں پل چل مچ گئی۔ مثنیٰؓ نے بنی عجل کی طرف اپنا قاصد دوڑایا اور قاصد نے پیغام دیا کہ "امیر تمہیں سلام کہتا ہے اور پیغام دیتا ہے کہ آج کے دن مسلمانوں کو شرمسار نہ کرنا"۔ بنی عجل نے جواب دیا کہ "ایسا نہ ہوگا"۔ چوتھی تکبیر پر مسلمانوں نے ہلّہ بول دیا اور خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ عیسائی قبیلہ بنی نمر کے جوانوں نے بھی خوب دادِ شجاعت دی۔ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے پل کی طرف جانے کا راستہ روک لیا۔ ایرانی پل تک پہنچنے کے لئے بے جگری کے ساتھ لڑے۔ اور پھر شدید خونریزی شروع ہوگئی۔ بنی ازد کے سردار ارفجہ سے کسی نے کہا کہ ایرانیوں کا زور بڑھ رہا ہے ذرا پیچھے ہٹ آئیں۔ ارفجہ نے جواب دیا کہ مجھے اپنا علَم آگے کی طرف بڑھانے کا حکم ہے۔ پیچھے ہٹانے کا نہیں اگر مسلمان مزاحم نہ ہوتے تو ایرانی جان بچاکر پل پر سے بھاگ جاتے لیکن راستہ رُک جانے کے باعث وہ لڑنے مرنے پر مجبور ہو گئے اس وجہ سے طرفین کو بہت سا جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ لڑائی جاری تھی کہ عیسائی قبیلہ بنی تغلب کے کچھ سوداگر گھوڑے لے کر ادھر آنکلے اور وہ بھی مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شامل ہو گئے۔ بنی تغلب کے ایک جوان نے ایرانی لشکر کے سردار مہران کو قتل کر دیا اور اس گھوڑے پر سوار ہوکر لشکر میں اعلان کرنے لگا کہ "میں بنی تغلب کا جوان ہوں میں نے مہران کو قتل کر دیا ہے" اس جنگ میں ایک لاکھ کے قریب ایرانی مارے گئے۔ اور مسلمانوں کا بھی کافی نقصان

ہوا۔ مثنیٰؓ کا بھائی مسعود بھی اس جنگ میں شہید ہوگیا۔ اور عمر نامی ایک نامور عیسائی سردار بھی مارا گیا۔ مثنیٰؓ نے بعد میں پل کی راہ روکنے پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ غلط چال تھی۔ بھاگنے والوں کو روکنا بے سود تھا۔ مالِ غنیمت میں غلّہ کی بھاری مقدار مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ مثنیٰؓ نے مسلمان خواتین کو بویب سے کچھ دور صحرا کے کنارے خیمہ زن کر رکھا تھا۔ فتح کے بعد عمرو بن معدی کرب کو بہت سا غلّہ دے کر عورتوں کے کیمپ کی طرف بھیجا۔ مسلمان عورتوں نے معدی کرب کی ٹولی کو ڈاکوؤں کی جمعیّت سمجھا وہ لٹھ لے کر مقابلے کے لئے تیار ہوگئیں۔ اور پتھر مارنے لگیں۔ عمرو بن معدی کرب نے بتایا کہ میں تمہارے لئے راشن لے کر آیا ہوں۔ عمرو نے عورتوں کی بہادری کی بہت تعریف کی۔ اور غلّہ ان کے حوالے کر دیا۔

جنگ بویب میں فتح حاصل کرنے کے باعث مسلمانوں نے ایک دفعہ پھر جزیرہ اور خطۂ زیریں کی زمین پر قبضہ جمالیا۔ مشرق میں ساباط تک جو مداین کی بیرونی چوکی تھی شمال میں دریائے فرات کے کنارے انبار اور خنافس تک اور دریائے دجلہ کے کنارے بغداد اور تکریت تک دوڑیں بھیجیں۔

عراق پر پھر ایرانی تسلّط

ذی قعدہ سنہ ۱۳ھ
جنوری سنہ ۶۳۵ء

ایران کا شاہنشاہی دربار اس بات کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ عراق عرب کی سرزمین پر مسلمان عرب تسلّط جما لیں۔ ایرانیوں کا پایۂ تخت دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا جسے مداین (بہت سے شہروں کا مجموعہ) کہتے تھے۔ اس لئے ایرانی عراق پر قبضہ جمائے رکھنا نہایت ضروری خیال کرتے تھے۔ اور اس قرب کے باعث اندرونِ سلطنت سے لشکر فراہم کر کے جلد اس سرزمین کی طرف بھیج سکتے تھے۔ جنگ بُویب کے بعد جب عرب مسلمان ایک دفعہ پھر جزیرہ اور زیریں خطّہ پر مسلط ہو گئے تو ایرانیوں کو اپنی دفاعی سرگرمیاں تیز تر کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔ اہلِ ایران کے دلوں میں نئی رُوح پھونکنے کے لئے شاہی محل کی بیگمات نے بیس یا اکیس سال کی عمر کا ایک شہزادہ یزد جرد

تلاش کیا۔ ایران کے امرا یزدجرد کو اپنا شہنشاہ بنانے کے لئے رضامند ہو گئے۔ اس کے سر پر کسرائی کا تاج پہنایا گیا۔ بوران دُخت کی مدارالمہامی ختم ہوئی۔ سارے ایران میں بادشاہ مل جانے پر مسرت کی ایک لہر دَوڑ گئی۔ خراسان اور مکران تک کے لوگ خراجِ اطاعت ادا کرنے کے لئے مداین آنے لگے۔ لشکر کی جمعیت المضاعف ہونے لگی۔ یزدجرد کو بادشاہ بننے کے بعد سب سے پہلے جس مہم کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہئیے تھی وہ یہی عراق سے عربوں کا اخراج تھا۔ چنانچہ عراق پر تازہ فوج کشی کی گئی۔ ایرانی فوجیں جزیرہ اور زیریں خطہ میں ہر طرف بڑھنے لگیں۔ یہ حال دیکھ کر مثنیٰ نے اسلامی فوجیں پیچھے ہٹا لیں۔ اور دریائے فرات کو عبور کر کے ایک دفعہ پھر صحرائے عرب کے مشرقی کنارے پر پہنچ کر ڈیرے جما لئے۔ مثنیٰ بہت قابل جرنیل تھے وہ جانتے تھے کہ قوی دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے کونسا محلِ وقوع ان کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اہم جنگوں کے لئے وہ ایرانیوں کو مجبور کر دیتے تھے کہ وہ دریائے فرات کو عبور کر کے لبِ صحرا پہنچ کر ان سے لڑیں۔ تاکہ اگر مسلمانوں کو شکست ہو تو صحرائے عرب کا وسیع دامن انہیں پناہ دینے کے لئے اپنا آغوش کھول دے۔ مثنیٰ نے اس کیفیتِ حال کی اطلاع دربارِ خلافت میں بھیج دی۔ اور حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین کے ایک دفعہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا حال سُن کر قسم

کھائی کہ "مجھے اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں ایران کے بادشاہوں کو عرب ملوک کی تلواروں سے شکست دلا کر دم لوں گا"

مدینہ میں نئے لشکر کا اجتماع

محرم ۱۴ھ مارچ ۶۳۵ء

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دُور و نزدیک عرب کے تمام اقطاع میں قاصد دَوڑا دیئے اور احکام صادر کر دیئے کہ مجاہد لوگ عراق کی مہم پر جانے کے لئے فوراً مدینہ چلے آئیں. شمالی عرب کے قبائل کو ہدایت بھیجی گئی کہ وہ سیدھے مثنّیٰ کے پاس چلے جائیں. حسب معمول جورف کی چھاؤنی میں لشکر جمع ہونے لگا. اور حضرت عمرؓ نے حج سے واپس آنے کے بعد اس لشکر کا معاینہ کیا. چونکہ ہر طرف تاکیدی احکام بھیجے گئے تھے اس لئے عرب کے جوان جوق در جوق آنے لگے. اس لشکر میں ان لوگوں نے بھی حاضری دی جو مُرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہوئے تھے. ان میں بنی اسد کا سردار طلیحہ (مدعی نبوت) اور یمن کا اشعث بھی شامل تھے. ایسے لوگوں کو اسلامی فوج کا جرنیل (سالار) نہیں بنایا جاسکتا تھا. البتہ انہیں اپنے اپنے قبیلوں کی قیادت کرنے کی اجازت دے دی گئی ۔

یہ ایک قسم کا نفیرِ عام تھا۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی اس آخری اور فیصلہ کن مہم کی اہمیت کا اندازہ کر لیا تھا۔ اور ان اسلامی افواج کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ کو جو ملکِ شام میں قیصرِ روم کی طاقت کا جائزہ لے رہی تھیں حکم بھیج دیا کہ عراق کی جو فوجیں خالدؓ کی سرکردگی میں ملکِ شام کی طرف کمک لے کر گئی تھیں وہ عراق کی طرف واپس بھیج دی جائیں۔ چار ہزار نفوس کا ایک قافلہ عورتوں اور بچوں سمیت پہلے روانہ کر دیا گیا۔ عام لشکر کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اس مہم کی کمان وہ بنفسِ نفیس خود کریں۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ عام لشکری یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ لیکن مقتدر صحابہؓ مثلاً علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عثمانؓ اور عبدالرحمنؓ نے مشورہ دیا کہ امیر المومنین کو خود اس مہم پر نہ جانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کی قیادت میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا لیکن اگر آپ مرکز میں بیٹھے رہے تو شکست کی صورت میں کمک پر کمک بھیج سکیں گے۔ حضرت عمرؓ اس استدلال کو مان گئے اور سوال پیدا ہوا کہ لشکر کا امیر اور سپہ سالار کسے مقرر کیا جائے۔ یہ مسئلہ ابھی زیرِ غور تھا کہ بنی ہوازن کے سردار سعدؓ ابن ابی وقاص کا پیغام آیا کہ میں ایک ہزار نیزہ بردار جوانوں کی جمعیت لے کر آ رہا ہوں۔ یہ سعدؓ سابقون الاولین میں سے تھے۔ انہوں نے اسلام کی راہ میں سب سے پہلا خون گرایا تھا۔ علاوہ ازیں سعدؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ماموں زاد بھائی بھی تھے۔ عمر اس وقت چالیس برس کے لگ بھگ تھی سب نے اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیا کہ اس مہم کا سردار اور اس لشکر کا امیر سعد رضؓ کو بنایا جائے۔ سعدؓ کی آمد پر حضرت عمر رضؓ نے قیادت کا علم ان ہی تفویض کر دیا۔ اور کہا:۔

"اللہ کو اعمالِ صالحہ پسند ہیں وہ نسب کو نہیں دیکھتا۔ اسؐ کی نگاہ میں سب برابر ہیں لہذا نسب پر فخر نہ کرنا"۔

سعد رضؓ ابن ابی وقاص بیس ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ سے چل پڑے۔ چار ہزار کا قافلہ پہلے جا چکا تھا آٹھ ہزار فوج عراق میں پہلے سے مثنیٰ کے زیرِ کمان موجود تھی۔ اور چھ ہزار فوج کو حکم جا چکا تھا کہ وہ شام کے لشکر سے کٹ کر عراق کی فوجوں سے آن ملے۔ یہ کسریٰ ایران کی جنگی طاقت کا قلع قمع کرنے کے لئے مسلمانوں کے امیر حضرت عمر رضؓ کی تیاری تھی۔

8
4
6
3.8

مثنیٰؓ کی وفات

صفر سنہ ۱۴ھ
مارچ سنہ ۶۳۵ء

سعدؓ بن ابی وقاص ابھی راہ میں تھے کہ مثنیٰؓ کے بھائی معنیٰؓ استقبال کے لئے آگے گئے اور انہیں خبر دی کہ مثنیٰؓ فوت ہوگئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی معنیٰؓ نے مثنیٰؓ ایسے قابل جرنیل کا یہ پیغام دیا کہ "عربوں کو چاہیے کہ وہ صحرا کے قریب ڈیرا جما کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہوں۔ اس صورت میں عربوں کو فتح حاصل ہوگی۔ لیکن بفرض محال اگر شکست بھی ہو جائے تو مادرِ صحرا کی گود اپنے بچوں کو پناہ دے سکے گی۔ اور وہ پھر حملہ کرنے کے لئے جمعیت و طاقت حاصل کر سکیں گے۔"

سعدؓ نے مثنیٰؓ مرحوم کے اس پیغام کو کان دھر کر سنا اور لب صحرا عذیب کے مقام پر عورتوں اور بچوں کا کیمپ جمایا۔ ان کی حفاظت کے لئے رسالے کا ایک دستہ متعین کر دیا۔ عذیب سے مشرق کی جانب فرات العتیق کے کنارے خود ڈیرے ڈالے۔ سعدؓ کے کیمپ کا نقشہ یوں تھا کہ دریائے فرات العتیق کیمپ کے سامنے مشرق کی جانب تھا۔ کیمپ کے عقب میں مغرب کی طرف خندق شاپور تھی۔ اور خندق کے مغرب سے

صحرائے عرب شروع ہو جاتی تھی۔ سعدؓ نے قادسیہ کے قلعے میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور خلیفہ کو خط لکھ کر اطلاع دی:۔

"میرا کیمپ قادسیہ میں فرات العتیق اور خندق شاپور کے درمیان واقع ہے۔ فرات العتیق سامنے اور خندق عقب میں ہے۔ ندی سرسبز وادی میں سے گزرتی ہوئی حیرہ کی طرف جاتی ہے۔ ایک نہر بھی اسی سمت کو گئی ہے جس کے سرے پر خوارنق کا قلعہ آباد ہے۔ کیمپ کے دائیں ہاتھ ناقابل عبور دلدل ہے"۔

یزدجرد کے دربار میں سفارت

امیر المومنین حضرت عمرؓ کا یہ حکم تھا کہ ایرانیوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کے ہاں سفارت بھیجی جائے اور ان کے سامنے اسلام لانے یا اطاعت کرنے کی پیش کش کر لی جائے۔ سعدؓ نے اپنے لشکر میں سے بیس وجیہہ آدمیوں کو سفارت کے لئے چنا ان میں ان مغیرہ بن شعبہ۔ مغیرہ بن زرارہ۔ عمرو بن معدی کرب۔ اشعث نعمان بن مقرن۔ عطارد۔ اور معنیؓ بھی تھے۔ اسلامی لشکر کے یہ عرب کپتان اپنے سادہ صحرائی جنگی لباس میں گھوڑوں پر سوار ہو کر مدائن گئے۔ یزدجرد نے اس سفارت کو باریابی دینے کے لئے دربار سجایا۔ قیمتی قالین فرش پر بچھائے گئے پر شکوہ سامیانے سائبان اور قناتیں کھڑی کی گئیں۔ تخت شاہی وسط

ہیں دھرا گیا۔ اُمرا۔ سردار اور مصاحب اپنی اپنی جگہ پر ادب اور سلیقہ سے کھڑے ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ صحرائے عرب سے آنے والے مسلم نمائندوں کو کسرائی شان و شوکت سے مرعوب کیا جائے۔ عرب نمائندے اپنی سادہ اور لا اُبالی شان میں کمال بیباکی کے ساتھ شان و شوکت کی اس ساری نمائش پر حقارت کی نگاہ ڈالتے ہوئے داخل ہوئے تو یزدجرد اور حاضرینِ دربار پر سناٹا چھا گیا۔ وہ سب عرب کے جنگی مردوں کو دیکھ کر مرعوب سے ہو گئے لیکن چند لمحہ کے بعد سنبھلے۔ مرعوبیت کے اثر کو دلوں سے زائل کرنے کے لئے عربوں سے مذاق کرنے لگے۔ عرب کپتانوں کی کمانیں کندھوں پر لٹک رہی تھیں۔ ایرانیوں نے کہا کہ یہ کمانیں ہیں یا عورتوں کی چوٹیاں جو پیچھے لٹک رہی ہیں۔ ایرانی ان کے تیروں کو تکلے اور تلواروں کو چھڑیاں کہہ رہے تھے۔ اس کے بعد رسمی بات چیت شروع ہوئی۔ یزدجرد نے پوچھا "تم کس مقصد کے لئے یہاں آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟" سفیروں نے یکے بعد دیگرے مختصر الفاظ میں جواب دیئے۔ محمدؐ کی رسالت کا حال بتایا۔ اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ دینِ اسلام کی خوبیاں اور برکتیں بیان کیں اور کہا :-

"محمدؐ پر ایمان لے آؤ تم ہم میں سے ایک بن جاؤ گے یا خراج دے کر ہماری امان میں آجاؤ۔ ہم اپنے زورِ بازو سے تمہاری حفاظت کریں گے۔ اگر ان دو میں سے کوئی شرط بھی تمہیں منظور نہیں تو اے بادشاہ جان لے کہ تیری بادشاہت

کے بہت تھوڑے سے دن باقی رہ گئے ہیں"۔

یزدجرد کو عرب سفیروں کے ان بیباکانہ بیانات سے غصّہ تو آیا لیکن اس نے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تم بنجر زمین کے بھوکے لیٹرے نہیں۔ کیا تم صحرائے عرب کے فاقہ مست نہیں میں تمہاری حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔ میرے پاس مصالحت کی راہ ہے آؤ میں تمہیں روٹی دوں گا اور تمہاری جھولیاں بھر کے اور تمہیں مطمئن کر کے رخصت کروں گا"۔

سفارت میں سے ایک نے جواب دیا۔

"تو سچ کہتا ہے ہم بلاشبہ بنجر زمین کے بھوکے اور صحرا کے غریب لوگ ہیں۔ لیکن اللہ ہمیں غنی کر دے گا۔ تو نے تلوار پسند کی ہے۔ اب تلوار ہی ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گی"۔

یزدجرد غضب ناک ہو کر بولا "تم لوگ سفیر ہو ورنہ میں تم سب کو قتل کرا دیتا"۔

اس کے بعد یزدجرد نے اپنے ایک غلام کو مٹی کی بوری لانے کا حکم دیا اور کہا کہ میں اپنی طرف سے ان سفیروں کو تحفہ دوں گا۔ مٹی کی ایک بوجھل بوری حاضر کی گئی۔ عاصم نے یہ بوری کندھے پر اٹھائی اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیر کی طرح نکل گئے اتنے میں یزدجرد کا وزیراعظم

اور سپہ سالار رستم بھی آگیا۔ بادشاہ نے رستم سے یہ قصہ بیان کیا۔ رستم بولا "آپ نے غضب کر دیا اپنی زمین کی مٹی دشمنوں کو دے دی یہ فال بد ہے۔" رستم نے بوری واپس لینے کے لئے آدمی دوڑائے لیکن عرب سفیر گھوڑے دوڑاتے ہوئے دور نکل گئے تھے۔ عاصم نے کیمپ میں پہنچ کر یزدجرد کا یہ تحفہ سعد کے سامنے رکھ دیا اور کہا "مبارک ہو شاہ ایران نے اپنی زمین خود ہی ہمارے حوالے کر دی"۔

ایرانیوں کی جنگی تیاریاں

اب دربار ایران کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت فیصلہ کن جنگ کی طلبگار ہے۔ یزدجرد نے رستم کو لشکرکشی کا حکم دیا۔ رستم ایک بھاری لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ اس نے مداین سے فرات تک جاتے جاتے چار ماہ لگا دیئے۔ اس کی طبیعت بہت پژمردہ اور متامل تھی۔ روایت ہے کہ رستم جوتش۔ رمل اور جفر کا ماہر تھا اس نے حساب لگا کر معلوم کر لیا تھا کہ اس مہم کا انجام اس کے اور ایرانیوں کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اسے فالیں اور شگون سب مخالف نظر آ رہے تھے۔ عربوں کے رعب نے اس کے دماغ کو پریشان کر رکھا تھا اسے ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عرب لڑائی کئے بغیر واپس چلے جائیں۔ ادھر یزدجرد کی طرف سے تاکیدی فرمان آ رہے تھے کہ دیر کیوں ہو رہی ہے۔ رستم نے بابل سے نیچے دریائے فرات کو عبور کیا۔ برس نمرود کے کھنڈروں میں

چند روز ڈیرا جمایا۔ حیرہ کے شہر کا معاینہ کیا اور نجف سے گزر کر فرات العتیق کے دوسرے کنارے اسلامی لشکر کے عین سامنے ڈیرے جما دیئے۔ رستم نے اس جگہ سے لے کر مداین تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نقیب کھڑے کر دیئے جن کا کام یہ تھا کہ میدانِ جنگ کی اطلاعات لحظہ بہ لحظہ ایک دوسرے کو پکار کر سناتے جائیں۔ اس طرح خبریں یزدجرد کو پہنچتی رہیں۔

ایک دن رستم پل پر سے اس پار آیا۔ اُدھر زہرا نامی ایک مسلمان پہرا دے رہا تھا۔ رستم نے اس سے بات چیت کی اور کہا کہ اپنے امیر سے کہو کہ اپنے سفیر میرے پاس بھیجے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ تین سفیر رستم کے پاس گئے۔ رستم نے اس جنگی کیمپ میں بھی پُر تکلف دربار کی شان پیدا کر رکھی تھی۔ رستم نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو اور کس شرط پر واپس جا سکتے ہو۔ سفیروں نے جواب دیا کہ مسلمان ہو جاؤ یا خراج دے کر امان پاؤ۔ اگر یہ نہیں مانتے تو تلوار فیصلہ کرے گی۔ رستم یہ جواب سن کر بہت مایوس ہو گیا۔ اس نے سفیروں سے مہلت مانگی۔ سفیروں نے کہا کہ صرف تین دن کی مہلت دی جا سکتی ہے۔ سوچ بچار کر فیصلہ کر لو۔

چوتھے دن رستم نے پیغام بھیجا کہ دریا کو کون عبور کرے گا۔ سعدؓ نے جواب دیا کہ تمہیں اس طرف آجاؤ۔ رستم نے دریا پر بند لگایا اسے میلوں تک پاٹ دیا۔ اس طرح ساری فوج کو پار لے گیا۔ اور قادسیہ کے میدان میں اسلامی لشکر کے سامنے

ڈیرے ڈال دیئے ۔

متحارب فوجوں کی ترتیب

رُستم کا لشکر تین لاکھ نفوس پر مشتمل تھا۔ اس نے قلعۂ قادلیں کے عین سامنے اپنے لشکر کا قلب جمایا جس کے جنگی مردوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ مقدمہ کی چالیس ہزار فوج جالینوس کی سرکردگی میں دی گئی۔ میمنہ کی ساٹھ ہزار فوج کا کمانڈر ہرمزان کو اور میسرہ کی ساٹھ ہزار فوج کا افسر مہران پور بہرام کو مقرر کیا۔ عقب میں بیس ہزار جنگی مردوں اور ساٹھ ہزار نوکروں چاکروں کے ڈیرے لگائے۔ رُستم کے لشکر میں تیس جنگی ہاتھی بھی تھے۔ جن میں سے اٹھارہ قلب کے ساتھ اور باقی میمنہ اور میسرہ کے ساتھ رکھے گئے۔ ایرانی لشکر کے دُوسرے سرداروں اور کمانداروں کے نام بہمن جذویہ بہرز ذوالحاجب اور بیذوان تھے جو ایران کے مانے ہوئے بہادر سالار سمجھے جاتے تھے۔ رُستم نے دریا کے کنارے شامیانہ لگایا اور اس کے اندر تخت بچھا اور جنگی لباس پہن کر متمکن ہو بیٹھا ۔

اُدھر اسلامی لشکر کی کیفیت یہ تھی کہ سعدرضؓ قلعۂ قادلیں کی فصیل پر تکیہ لگا کر بیٹھے تھے اور کاغذ کے پُرزے لکھ لکھ کر نیچے پھینکتے جاتے تھے یہ ان کے فوجی احکام تھے۔ سعدرضؓ نے اس طریق سے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں۔ میمنہ۔ میسرہ قلب اور عقب کی ترتیب درست کی مسلمانوں نے یہ کیفیت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی کہ جنگ کے روز ان کا سپہ سالار

کمین گاہ میں بیٹھا رہے اس لئے لشکر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ شاعروں نے سعد رضی کی کم ہمتی پر شعر کہے جو سب کی زبانوں پر چڑھ گئے۔ سعد رضی کو اطلاع ملی تو انہوں نے فصیل سے نیچے اتر کر لوگوں کو اپنے جسم کا حال دکھایا جو پھوڑوں سے پٹا پڑا تھا۔ سعد رضی نے کہا میں تو ان پھوڑوں کے باعث سیدھا بیٹھ بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ گھوڑے پر سوار ہو سکوں۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں کو تسلی ہوئی اور چہ میگوئیاں بند ہو گئیں۔ سعد رضی نے لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر جنگی خطبہ دیا۔ اس کے بعد شاعر، حفاظ قرآن اور خطیب سارے لشکر میں پھیل گئے اور اہلِ لشکر کے جوش کو گرمانے لگے۔ حفاظِ قرآن نے سورۂ انفال اور سورۂ توبہ سے جہاد کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ شاعروں نے اپنے شعر سنا کر حوصلے بڑھائے۔ خطیبوں نے ولولہ انگیز الفاظ میں دلوں کو گرمایا۔ قرآن کریم کی آیاتِ جہاد سن کر مسلمانوں کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ دل اچھلنے لگے۔ طبیعت میں اطمینان اور تازگی آ گئی۔ سعد رضی کا حکم یہ تھا کہ چوتھی تکبیر پر مسلمان دشمن پر حملہ بول دیں۔ ابھی تین تکبیریں ہوئی تھیں کہ ایرانیوں نے پیش دستی کی اور میدانِ قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ شروع ہو گئی۔

جنگِ قادسیہ

شوال ۱۴ھ

نومبر ۶۳۵ء

ایرانیوں نے حملہ کیا تو مسلمان بھی اپنے سالار کی چوتھی تکبیر پر "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْب" کا نعرہ لگا کر آگے بڑھے اور جنگ ہونے لگی۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں کے دستہ کو آگے بڑھا کر بنی بجیلہ پر حملہ کر دیا بنی بجیلہ کی صفوں میں انتشار پیدا ہوا بنی اسد نے آگے بڑھ کر ہاتھیوں کے حملہ کو روکنے کی کوشش کی ان کے چار سو جوان اس کوشش میں شہید ہو گئے۔ ہاتھیوں نے اسلامی لشکر کے بازوؤں پر حملہ کر دیا اور ایرانی آگے بڑھنے لگے۔ سعد نے بنی تمیم کے سردار عاصم کو حکم دیا کہ ہاتھیوں کی خبر لو۔ بنی تمیم کے تیر اندازوں نے مہاوتوں کو ہدف بنا کر گرانا شروع کر دیا۔ آگے بڑھ کر ہودجوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ ہاتھی مہاوت کے بغیر سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ اسلامی فوج کے بہادروں عمرو بن معدی کرب۔ طلیحہ۔ غالب۔ اور عاصم نے خوب دادِ شجاعت دی۔ سعد فصیل پر بیٹھے ایک بہادر کے کارناموں کا معائنہ کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ اندازِ جنگ تو ابو محجن ثقفی کا سا ہے۔ گھوڑا میرا معلوم ہوتا ہے۔

لیکن ابو محجن تو شراب نوشی اور سالار کی ہجوگوئی کے جرم میں محبوس پڑا ہے یہ کون شخص ہو سکتا ہے۔ جو اس بہادری کے ساتھ لڑ رہا ہے۔ سعد کا خیال درست تھا۔ یہ ابو محجن شاعر تھے جن کو سعد رض نے اپنی بیوی سلمیٰ کی نگرانی میں قید کر دیا تھا۔ لیکن ابو محجن نے اس وعدہ پر رہائی حاصل کر لی تھی کہ شام تک زندہ رہا تو حوالات میں حاضری دینے کے لئے آجاؤں گا۔ سعد رض کی بیوی نے انہیں لڑائی کے لئے سعد رض کا گھوڑا ابجی دے دیا تھا۔ ابو محجن شام کو واپس آ گئے تو سعد رض کو حقیقتِ حال معلوم ہوئی۔ سعد رض نے ان کا قصور معاف کر دیا اور ابو محجن نے وعدہ کیا کہ پھر کبھی شراب نہ پیوں گا ؏

سعد رض ابن ابی وقاص نے قادسیہ پہنچ کر مثنّیٰ کی بیوی سلمیٰ سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ سلمیٰ قلعہ کی فصیل پر سعد رض کے پاس بیٹھی جنگ کا نظارہ کر رہی تھی۔ ایک دفعہ جوش میں آکر بولی کاش اس وقت مثنّیٰ ایک گھڑی کے لئے آجائیں۔ افسوس آج مثنّیٰ نہیں۔" سعد کو سلمیٰ کے اس ریمارک پر غصّہ آگیا اور انہوں نے سلمیٰ کے مُنہ پر طمانچہ مارا اور عاصم۔ عمرو بن معدی کرب۔ طلیحہ۔ قعقاع اور دوسرے بہادر سالاروں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا یہ لوگ مثنّیٰ سے کم بہادر ہیں؟ سلمیٰ چمک کر بولی "تم حاسد بھی ہو اور بزدل بھی، مثنّیٰ سے ان لوگوں کا کیا مقابلہ؟" یہ جواب سُن کر سعد کے غصّے کا پارا اُتر گیا۔ بولے "جب تم بھی جو میری معذوری سے آگاہ ہو یہ کہو گی تو مسلمان مجھے کبھی معاف نہ کریں گے"؏

شام تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ اندھیرا چھانے پر دونوں فوجیں اپنے اپنے ڈیروں کی طرف لوٹ گئیں۔ یہ لڑائی کا پہلا دن تھا عربوں نے اس کا نام "یوم ارماث" قرار دیا۔

دوسرے دن صبح کے وقت طرفین نے اپنے اپنے مقتولوں کو دفن کیا اور زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھایا۔ دن کافی چڑھ آیا تو طبلِ جنگ پر چوٹ پڑی۔ ایرانی اور اسلامی فوجیں پھر گتھم گتھا ہوگئیں اور جنگ ہونے لگی۔ دوپہر کے بعد ایرانیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی طرف دور سے گرد اٹھتی ہوئی چلی آرہی ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو مزید کمک پہنچنے لگی۔ بات یہ تھی کہ قعقاع راتوں رات اپنی کچھ فوج میدانِ جنگ سے دور لے گئے تھے۔ دن کو جنگ شروع ہوئی تو ایک ہزار کی جمعیت لے کر لشکر میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد سو سو کی ٹولیاں گھوڑے دوڑاتی ہوئی آنے لگیں۔ یہ حال دیکھ کر ایرانیوں کے دل بیٹھنے لگے۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھتے۔ انہوں نے سمجھا کہ شام کی طرف سے آنے والی کمک بروقت پہنچ رہی ہے۔ اس دن بھی بہت خونریزی ہوئی دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور دس ہزار ایرانی مارے گئے۔ یہ دوسرا دن "یوم اغواث" کہلایا۔

تیسرا دن چڑھا۔ مسلمان اپنے شہیدوں کی نعشیں دفنانے اور زخمیوں کو اٹھانے میں مصروف ہوگئے۔ ایرانیوں نے اپنے مُردے ویسے ہی چھوڑ دیئے۔ مسلمان اپنے زخمیوں کو عُذیب کے کیمپ میں پہنچارہے تھے

جہاں عورتیں ان کی تیمارداری کرتی تھیں۔ راستے میں صرف ایک کھجور کا درخت تھا جس کے سائے میں زخمیوں کو دھوپ سے پناہ مل سکتی تھی۔ اس خصوصیت کے باعث شاعروں نے اس درخت کی شان میں شعر لکھ کر اسے زندۂ جاوید کر دیا۔ دن چڑھے پھر جنگ شروع ہوئی قعقاع نے پھر وہی چال کی وہ کچھ جمعیت لے کر راتوں رات دُور نکل گئے تھے۔ صبح کو ان کی ٹولیاں گرد اُڑاتی ہوئی لشکر میں داخل ہونے لگیں تاآنکہ شام کی طرف سے آنے والی کمکی فوج بھی ہاشم کی سرکردگی میں موقع پر پہنچ گئی۔ ہاشم نے آتے ہی ایرانی لشکر کے قلب پر حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے دُور تک آگے نکل گئے۔ اس روز پھر ہاتھیوں کا دستہ آگیا۔ عرب بہادروں نے نیزوں سے ان کی آنکھوں کو چھیدنا اور تلواروں سے ان کے سونڈوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ اب انہیں ہاتھی کی کمزوریاں معلوم ہو چکی تھیں۔ ہاتھی یُوں زخمی ہو کر چنگھاڑتے ہوئے بھاگے اور اپنی ہی فوج کو لتاڑتے ہوئے دریا کے پار چلے گئے۔

یہ جنگ کا تیسرا دن تھا اور "یوم عماس" کہلایا۔

رات آئی تاریکی چھائی تو عرب قبیلوں کے بعض جوانوں کو ایرانیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی سُوجھی۔ انہوں نے رات کی تاریکی میں ایرانی فوج پر ہلّہ بول دیا۔ ایرانی لشکر میں ہل چل مچ گئی اور شور بلند ہوا۔ اس شور کو سُن کر مسلمانوں کے لشکر نے بھی تلواریں سنبھالیں اور اس طرح رات کے اندھیرے میں لڑائی ہونے لگی۔ سعدؓ فصیل پر بیٹھے دعائیں مانگ

رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں فوج کی کمان نہیں کرسکتے تھے نہ حسب حالات ہدایات دے سکتے تھے۔ تلواروں اور ہتھیاروں کی جھنکار نے خوفناک شور کی شکل اختیار کر لی تھی جنگی مرد بھی چلا چلا کر اپنے ساتھیوں کو پکار رہے تھے۔ رات بھر جنگ جاری رہی۔ یہ رات "لیلۃ الہریر" کہلائی۔

دن چڑھا تو تھکی ہوئی فوجیں ستانے کے لئے رک گئیں۔ قعقاع نے برابر چوبیس گھنٹے مصروف جنگ رہنے کے باوجود سوچا کہ لوہے کو گرما گرم کوٹنا چاہیئے چنانچہ قعقاع نے مسلمانوں کو جمع کر کے ہلہ بول دیا۔ ایرانی رات بھر کے تھکے ہوئے تھے وہ اس حملے کی تاب نہ لا سکے مسلمانوں نے پہلے ایرانی لشکر کے بازوؤں کو زیر کیا۔ پھر قلب لشکر پر ہلہ بول دیا۔ اب ان کے سامنے راستہ صاف تھا۔ ایرانی سراسیمہ ہو کر بھاگنے لگے تھے مسلمان رستم کے شامیانے تک پہنچ گئے۔ رستم ایک خچر کے پیچھے جا چھپا لیکن ایک مجاہد کی تلوار چمکی تو دریا میں کود گیا۔ جوان نے آگے بڑھ کر رستم کو پانی سے نکالا لیکن اس کی ٹوپی اور اس کا جواہرات سے مرصع قیمتی طرہ دریا کی نذر ہو چکا تھا۔ باقی قیمتی لباس مجاہد کی نذر ہو گیا۔ اب ایرانیوں کا قتل عام شروع ہوا۔ فیروزان اور ہرمزان کچھ فوج لے کر پل پر سے گزر گئے۔ اور بچ کر نکل گئے جالینوس برس عمرود پر لڑتا ہوا مارا گیا۔ ایران کی شان و شوکت قادسیہ کے میدان میں خاک میں مل گئی۔

اس لڑائی میں ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے مسلمانوں کا جانی نقصان پہلے دو دن کی لڑائی میں ڈھائی ہزار اور آخری روز شب میں

چھ ہزار ہوا جن میں شہید اور زخمی سب شامل تھے۔ اسلامی لشکر کے سالار سعدؓ وقاص نے خود جنگ میں حصہ نہ لے سکنے پر معقول عذر پیش کر دیا تھا تاہم شاعروں نے جنگ کے بعد بھی طنز آمیز شعر لکھے جن کا مضمون یہ تھا کہ بہادروں کے قبیلے اپنے اپنے شہیدوں کا ماتم کر رہے ہیں لیکن سعدؓ کا قبیلہ اس شرف سے محروم ہے۔

ایرانی بھاگ نکلے تو عذیب کے کیمپ سے مسلمان عورتیں میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں جو زخمیوں کو پانی پلانے اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت سر انجام دینے لگیں۔ ایک عورت کی روایت ہے کہ "ہم اپنے زخمیوں کو پانی پلاتے تھے لیکن دشمن کے زخمیوں کو ڈنڈوں سے مارتے تھے[۱]"

---

[۱] یورپ کے مورخ اس روایت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم نے عورتوں تک کو اس قدر سخت دل اور منتقم بنا دیا تھا کہ وہ زخمیوں پر بھی رحم نہ کھاتی تھیں۔ لیکن چند عرب عورتوں کا یہ فعل اسلام کی تعلیم کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ان کی پرانی قومی خصوصیت کا ماحصل تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ اس وقت کی عورتیں کس قدر منتقم طبیعت رکھتی تھیں۔ چند سال پہلے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی نعش کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالنے اور چبانے کی کوشش کی تھی۔

(مؤلف)

مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں بہت سی نقدی اور سامان ملا۔ ایک ایک مجاہد کے حصّے میں بہ لحاظ تقسیم چھ چھ ہزار درہم آئے۔ رستم کے بدن کا لباس ستّر ہزار درہم میں بکا کیونکہ جواہرات سے پُر تھا۔ زہرا نے جالینوس کے لباس سے کئی ہزار کے جواہرات پائے اور جب سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ زہرا کو بہت مال مل گیا ہے تو خلیفہ نے لکھا کہ اسے بیت المال کے حصّہ سے مزید پانچ سَو درہم انعام کے طور پر دیئے جائیں۔

مالِ غنیمت کی سب سے ممتاز اور قیمتی چیز درفشِ کاویانی تھا جسے رُستم خاص طور پر اپنے ہمراہ لیکر آیا تھا یہ عَلَم چیتے کی کھال سے بنایا گیا تھا اور جواہرات سے اس طرح مرصّع تھا کہ کھال کہیں نظر نہ آتی تھی۔ ایرانی اس جھنڈے کا بہت احترام کرتے تھے چیتے کی کھال جس سے یہ جھنڈا بنایا گیا تھا ایران کے کسی بہت قدیمی ہیرو کے لباس کا جزو رہ چکی تھی۔

مسلمانوں کی اس فتح نے ایرانیوں کی فوجی طاقت کی کمر توڑ دی۔ سارے عراق میں مسلمان عربوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ بدوی قبائل مطیع ہونے لگے اور عیسائی قبیلے مسلمان ہو گئے۔

فتح کی خبر

فتح پانے کے بعد سعدؓ نے اپنا ایک قاصد مدینہ کی طرف روانہ

کر دیا۔ یہ قاصد منزلیں مارتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچا تو ایک بوڑھا شخص اسے ملا۔ بوڑھے نے قاصد سے جنگ کا حال پوچھا۔ قاصد نے جواب دیا "الحمد اللہ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی"۔ قاصد اپنے اونٹ کو دوڑاتا ہوا تیز قدمی کے ساتھ مدینے کی طرف جا رہا تھا کہ جلد سے جلد خلیفہ کو یہ خوشخبری سنائے۔ بوڑھا اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا اور اشتیاق سے جنگ کے کوائف کا حال سنتا جا رہا تھا جب یہ دونوں مدینے میں داخل ہوئے تو قاصد نے بلند آواز سے مسلمانوں کو فتح کا مژدہ سنایا مسلمان قاصد کی طرف آگئے، اس بوڑھے کو "یا امیر المومنین" کہہ کر مبارکباد دینے لگے۔ قاصد کو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ پیر مرد جو اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئے خود حضرت عمرؓ تھے۔ قاصد نے کہا امیر المومنین آپ نے مجھے وہیں کیوں نہ کہہ دیا کہ آپ خلیفۂ اسلام ہیں۔ حضرت عمرؓ بولے "کوئی بات نہیں فتح کی نوید اس سے زیادہ اہم تھی اور میں اس کی تفصیلات سننے کے لئے بیتاب تھا۔ لوگ فتح کی خبر سننے کے لئے جوق در جوق جمع ہو رہے تھے حضرت عمرؓ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"لوگو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں غلام بنانے کی خواہش کروں۔ میں خود اللہ کا غلام ہوں البتہ خلافت کا بار گراں میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح کام کروں کہ تم سب گھروں میں چین کی نیند سوؤ تو میری سعادت ہے۔ اگر

میں یہ خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے"۔

حضرت عمرؓ میدان جنگ سے آنے والے قاصدوں کے انتظار میں ہر روز صبح کے وقت مدینہ سے دور نکل جایا کرتے تھے۔ انہوں نے فتح کی خبر سنی تو قاصد کے ساتھ دوڑ لگاتے ہوئے مدینے کو آگئے۔ کیا دنیا میں انکسارِ طبیعت کی کوئی مثال اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر کہیں مل سکتی ہے۔

اس جنگ کے نتیجے پر سارے عرب کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ فتح کی خبر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ شام سے لے کر یمن تک عرب کی ساری مملکت میں آناً فاناً پھیل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں اور جنوں نے ملک بھر میں منادی کر دی ہے۔ گھروں میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور مسلمانوں نے ہر جگہ اس فتح پر شکرانے کی نمازیں ادا کیں۔

جزیرہ اور سواد پر قبضہ

جنگ قادسیہ میں فتح حاصل کر لینے کے بعد سعدؓ ابن ابی وقاص دو ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ انہیں دربارِ خلافت سے مزید ہدایات کا انتظار تھا۔ ایرانی لشکر دریائے فرات کے پار پہنچ کر بابل کے کھنڈروں میں جمع ہوا۔ فیروزان اور ہرمزان اس لشکر کے سالار تھے۔ دو ماہ کے بعد

سعدرضؓ نے قادسیہ سے حرکت کی اور وہاں پہنچ کر اس شہر پر تیسری دفعہ قبضہ جمایا۔ حیرہ والوں نے بدعہدی کی تھی اس لئے ان کا خراج بڑھا دیا گیا وہاں سے سعدؓ لشکر لے کر برس نمرود کی طرف بڑھے ایرانیوں کی ایک جمعیت نے اس مقام پر مزاحمت کی اور شکست کھائی۔ سعدرضؓ نے آگے بڑھ کر بابل شہر کے کھنڈروں میں مستقل چھاؤنی بنائی۔ اور اس مقام سے جزیرہ اور سواد کو سر کرنے کی مہمیں شروع کر دیں۔ شہروں قصبوں اور قبیلوں نے اطاعت کے نذرانے پیش کئے۔ کئی قبیلے مسلمان ہو گئے۔ کوثیٰ اور قریب کے شہر مطیع ہو گئے ہاشم اور زہرا نے دجلہ سے فرات تک کا دوآبہ مطیع کیا ؛

مدائن پر چڑھائی

موسم گرما ۱۵ھ
۶۳۵ء

جزیرہ اور سواد کے علاقوں کو سر کر لینے کے بعد سعدؓ نے خلیفہ سے مداین پر چڑھائی کرنے کی اجازت حاصل کی مداین ایران کے بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا۔ اور بغداد سے کوئی پندرہ سولہ میل جانب جنوب دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مداین کا لفظ مدینہ کی جمع ہے۔ مداین کو مداین اس لئے کہتے تھے کہ یہ شہر بہت سے قصبوں کا مجموعہ تھا۔ مداین کا مشرقی حصہ جو دریا کے بائیں کنارے واقع تھا طیسفون کا قدیم شہر تھا جو اسکندر اعظم کے حملہ کے وقت ایرانی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ دریا کے دائیں کنارے یعنی مغربی ساحل پر سلیوکسیہ کا شہر تھا جسے اسکندر اعظم کے جانشینوں نے آباد کیا تھا۔ یہ دونوں قدیمی شہر چند اور قصبوں کو ملا کر مداین کہلاتے تھے۔ مشرقی حصہ میں کسرایان ایران کے عظیم الشان محلات۔ ایوان اور باغات تھے۔ اور طاق کسرے کے نام سے ایک عالیشان محراب دریا کے کنارے کھڑا تھا۔ یہ محراب سو فٹ اونچا اور اسی فٹ چوڑا تھا۔ مغربی شہر کے پاس جانب غرب ایک نہر گزرتی تھی جسے نہر شیر اور بحر سیر بھی کہتے تھے۔ سعدؓ نے بابل کی چھاؤنی سے

نہرِ شیر کی طرف اقدام کیا۔ بوران دخت نے جو یزدجرد کی مادر ملکہ تھی ایک بہادر سردار کو لے کر مقابلے کی ٹھانی اور قسم کھائی کہ میں عربوں کو سزا دے کر رہوں گی۔ بوران دخت نے نہرِ شیر پر سعدؓ سے جنگ کی اور شکست کھائی۔ سعدؓ نے قرآن پاک کی حسب ذیل آیات پڑھیں :۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ وَّسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ (ابراہیم ۱۴۔ ۴۴۔ ۴۵)

(اور ڈرا لوگوں کو اس دن سے جب عذاب انہیں آن لے گا اور جن لوگوں نے ظلم کمائے ہیں وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں تھوڑی سی مہلت دے ہم تیری دعوت کو قبول کریں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ کیا تم قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تمہیں زوال نہیں۔ اور تم انہی لوگوں کے مکانوں میں بسے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح تھا کہ ہم نے ان سے کیا سلوک کیا تھا۔ اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان کر دی تھیں)

بوران دخت کے لشکر کو شکست دینے کے بعد سعدؓ کی فوج آگے بڑھی اور دجلہ کے اس خم پر پہنچ گئی جہاں سے دریا کے پار مداین کا وہ شہر نظر آرہا تھا جس میں ایران کے شاہنشہوں کے محلات کھڑے تھے۔ سامنے

طاقِ کسریٰ کی عمارت نظر آرہی تھی اور اس کے پاس سفید سنگِ مرمر کا بنا ہوا شاہی ایوان دکھائی دیتا تھا۔ مسلمانوں نے یہ نظارہ دیکھ کر اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ وہ تعجب۔ حیرت۔ خوشی اور ولولہ کے ملے جلے احساسات کے ساتھ کسریٰ کے محل کو دیکھ رہے تھے ان کے دل سینوں کے اندر بلّیوں اُچھل رہے تھے "اللہ اکبر! خدا کی شان بہت بلند ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے پُورا ہونے کا وقت آ گیا۔ کسریٰ کی سلطنت کا دامن تار تار ہو کر رہے گا" ان کی زبانوں پر اس قسم کے کلمات جاری تھے۔

سعدؓ نے آگے بڑھ کر مدائن کے اس حصے کا محاصرہ کر لیا جو دریا کے مغربی کنارے پر آباد تھا۔ شہر والوں کو دریا کی راہ سے مشرقی حصّہ سے برابر رسد ملتی رہی۔ یہ شہر بڑی مضبوط فصیل کے اندر تھا۔ سعدؓ نے فصیل توڑنے کے لئے منجنیقیں استعمال کیں اہلِ شہر فصیل سے باہر نکل نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ سعدؓ اس جگہ سے جزیرہ کے جنوبی حصّہ دوآبہ میں بھی مہمیں بھیجتے تھے۔ یہ مہمیں لوگوں سے اطاعت قبول کرانے کے لئے بھیجی جاتی تھیں۔ سعدؓ کے کپتانوں نے ایک لاکھ کے قریب عام لوگ بطور یرغمال قیدی بنا لئے لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے حکم بھیجا کہ عوام کو تنگ نہ کرو اور قیدی رہا کردو۔

ذوالحجہ ۱۵ھ مطابق جنوری ۶۳۷ء میں یزدجرد نے جو ابھی تک مدائن کے مغربی حصّے میں مقیم تھا۔ سعدؓ کو پیغام بھیجا کہ دجلہ سے مغرب

کا سارا علاقہ لے لو۔ مشرقی کنارے کے شہر اور ملک سے تعرّض نہ کرو۔ دجلہ کو حد بنا لو۔ تو میں صلح کر لیتا ہوں۔ سعدرضؓ نے صلح کی یہ درخواست قبول نہ کی۔ روایت ہے کہ نعمان ابن مقرن جواب دینے کیلئے گئے تو ان کی زبان پر فارسی زبان کا ایک فقرہ خود بخود جاری ہو گیا جس کا مطلب وہ خود بھی نہیں سمجھتے تھے۔ نعمان نے کہا:۔

"مسلمان بتو ہرگز صلح نمی کنند تا آنکہ شہد افریدون را با لیموئے کوثی آمیختہ نخورند"

یہ جواب سُن کر یزدجرد راتوں رات کشتی پر سوار ہو کر مشرقی کنارے کے شہر میں چلا گیا۔ شہر والوں نے بھی اس کی تقلید کی اور مداین کا مغربی حصہ ایک رات کے اندر اندر خالی کر دیا گیا۔ ایرانی اپنی کشتیاں بھی دوسرے کنارے پر لے گئے۔ اگلے دن فصیل کو پہرہ داروں سے خالی پا کر مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو وہاں ایک ایرانی کے سوا اور کوئی متنفس نظر نہ آیا۔

مداین کی تسخیر

صفر سنہ ۱۶ھ

مارچ سنہ ۶۳۷ء

یزدجرد مداین کے مشرقی حصے میں جا بیٹھا۔ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا۔ ایرانی اپنی تمام کشتیاں مشرقی کنارے

پر لے گئے تھے۔ عربوں کے پاس کشتیاں نہ تھیں اِس لئے وہ دریا کے اِس پار رُکنے پر مجبور ہو گئے۔ دو مہینے اسی لیت و لعل میں گزر گئے۔

یزدجرد نے مشرقی حصّہ میں پہنچ کر اپنے اہل و عیال کو حلوان کے قلعہ میں بھیج دیا جو کوہستان زگیرس کا ایک محفوظ مقام تھا اور محلات کے قیمتی ساز و سامان کو اس قلعہ میں منتقل کرنے لگا۔ یزدجرد مہران کو شہر کا چارج دے کر خود بھی حلوان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ سعدؓ کو یزدجرد کے ان ارادوں کی اطلاع ملی تو وہ بہت بے قرار ہو گئے شکار ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ ایک دن سعدؓ نے اپنی سپاہ سے کہا کہ "ہم یہاں دشمن کے رحم و کرم پر ہیں۔ وہ جب چاہے کشتیوں پر سوار ہو کر ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔ ہم میں سے ایک نے خواب دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے گھوڑے دریا کو تیر کر عبور کر رہے ہیں۔ بہادر و! ہمت سے کام لو اور دریا میں کود کر پار نکل جاؤ"۔

سعدؓ نے چھ سو منچلے بہادروں کو چنا اور ساٹھ ساٹھ سواروں کے دس دستے بنا دیئے۔ امیر کا حکم ملتے ہی پہلا دستہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا دریا میں کود پڑا۔ دجلہ ان دنوں پوری طغیانی پر آ چکا تھا۔ پانی کی رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن ساٹھ سواروں کا یہ دستہ موجوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ دوسرے کنارے کے قریب پہنچے تو ایرانیوں کی ایک جمعیت نے دریا میں اتر کر مزاحمت کی ٹھانی۔ دستہ کے سالار قعقاع تھے انہوں نے حکم دیا کہ نیزے تان لو اور ایرانیوں کی آنکھوں میں مارو۔ ایرانیوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے یہ مسلمان سوار دوسرے کنارے

پر جا چڑھے دریا کے دونوں کناروں پر اللہ اکبر کے نعرے گونجنے لگے۔ اب پانچ سو بہادروں کے پانچوں دستوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے گھوڑے پوری عسکری ترتیب کے ساتھ دریا کو عبور کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے گویا خشکی پر چل رہے ہیں۔ یہ پانچ دستے کسی قسم کے نقصان کے بغیر دریا کو عبور کر گئے۔ صرف لکڑی کا ایک پیالہ دریا میں گرا وہ بھی بعد میں مل گیا ؛

یہ حال دیکھکر مداین کے ایرانی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ وہ خوف اور رعب کے مارے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ یہ مسلمان لوگ انسان نہیں دیو ہیں جو دریا کی موجوں پر بھی غالب آگئے[1]۔ یزدجرد بھی بھاگ گیا۔ بہت تھوڑے لوگ شہر میں باقی رہ گئے۔ انہوں نے اطاعت قبول کرلی مسلمانوں نے شہر پر کسرےٰ کے ایوان اور محلّات پر ایرانی امرا کے عالیشان قصروں اور محلّوں پر قبضہ جمالیا مداین دولت کا مرکز عیش و عشرت کا گہوارہ۔ فنون کا گھر۔ کاریگری کا مخزن اور خسروانِ ایران کا پایۂ تخت تھا۔ عربوں نے یہاں پہنچ کر باغات۔ گلزار۔ خیابان۔ چمن۔ نہریں۔ عمارتیں اور تمدّن کے دوسرے ساز و سامان دیکھے۔ سعد رضؓ نے کسرےٰ کے ایوان میں پہنچ کر شکرانے کی نماز باجماعت ادا کی۔ اور قرأت میں

---

[1] دریائے دجلہ کو امیر تیمور نے ۱۳۹۲ء میں فتح بغداد کے وقت اسی طرح عبور کیا۔ مؤلف

سورۂ دخان کی حسب ذیل آیتیں پڑھیں۔ جن میں آل فرعون کے متعلق کہا گیا ہے :-

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۞ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۞ (الدخان ۴۴: ۲۵ تا ۲۹)

(انہوں (آلِ فرعون) نے کتنے باغ۔ کتنے چشمے۔ کتنی کھیتیاں اور کتنے اچھے گھر اور نعمت کے ساز وسامان جن میں وہ مزے لے رہے تھے اپنے پیچھے چھوڑے۔ اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا۔ پس ان پر نہ تو آسمان رویا اور نہ زمین نے نوحہ کیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی)

مالِ غنیمت

مدائن سے مسلمانوں کو بہت سا قیمتی مال غنیمت کے طور پر دستیاب ہوا اس میں سے قابل ذکر اشیا حسب ذیل تھیں :-

نوّے کروڑ درہم کی مالیت کی جائدادیں یعنی محلات۔ عمارتیں اور باغ وغیرہ۔ خزانے سے تیس لاکھ درہم نقدی۔ چاندی اور سونے کے بے شمار برتن۔ عطریات اور مشک وعنبر کی بھاری مقدار۔ زیورات اور جواہرات کے انبار۔ بادشاہ کا لباس۔ تاج پیٹی اور طرّہ سمیت جو سب کے سب جواہرات سے مرصع تھے۔ تخت۔ چاندی کا ایک پورے قد کا اونٹ جس کا سوار سونے کا تھا اور دانت قیمتی پتھروں کے تھے۔ اس سوار کی گردن پر

اعلوں کا ہار تھا۔ صندل کی لکڑی کا فرنیچر۔ کافور کی بوریاں مشک و عنبر کے ڈھیر ۔

اس کے علاوہ حسب ذیل تاریخی اہمیت رکھنے والی پانچ تلواریں بھی ملیں۔ جن میں ایک تلوار خسرو پرویز کی۔ ایک قیصر روم کی۔ ایک خاقان تاتار کی۔ ایک راجا داہر والی سندھ کی اور ایک شاہ بہرام کی اور ایک نعمان شاہ حیرہ کی تھی ۔

مال غنیمت کی سب سے زیادہ قیمتی شے ایک قالین تھا جسے ایرانی "فرش بہار" کہا کرتے تھے۔ اس قالین کا طول ستر گز اور عرض ساٹھ گز تھا۔ اس پر سونے۔ چاندی۔ زمرد۔ نیلم۔ پکھراج۔ یاقوت۔ لعل اور دیگر قیمتی پتھروں سے باغ و بہار کے نقشے بنائے گئے تھے۔ درخت۔ پھول۔ نہریں روشیں۔ چمن وغیرہ کا نقشہ اتارا گیا تھا ۔

اس مال غنیمت کی تقسیم سے بارہ بارہ ہزار درہم (چھ چھ ہزار طلائی پونڈ) ہر مجاہد کے حصے میں آئے۔ سونا چاندی کے برابر تلنے لگا۔ جواہرات سستے ہو گئے۔ خمس یعنی پانچویں حصے کے ساتھ قیصر اور نعمان کی تلواریں نیز فرش بہار مدینہ بھیج دیئے گئے۔ خسرو کی تلوار سعد رضؓ کو اور بہرام کی تلوار قعقاع کو ملی ۔

"فرش بہار" مدینہ پہنچا تو سوال پیدا ہوا کہ صنعت قالی بافی کے اس نادر نمونے سے کیا سلوک کیا جائے۔ بعض صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اسے یادگار فتح کے طور پر بیت المال میں محفوظ رکھا جائے لیکن حضرت علی رضؓ نے کہا کہ ایسی قیمتی چیز کا بیت المال میں رکھنا مناسب نہیں۔ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے

مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ اس رائے پر عمل کیا گیا حضرت علیؓ کے حصے میں جو ٹکڑا آیا وہ اکیلا بیس ہزار درہم میں بکا۔ مالِ غنیمت میں کسریٰ کا مکمل لباس بھی مدینہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ لباس مسلمانوں کے بھرے مجمع میں محلم نامی ایک شخص کو پہنایا اور چشم فلک نے نیرنگیٔ عالم کا تماشا کیا ⁂

سعدؓ ابن ابی وقاص نے جمعہ کی نماز باجماعت ایوانِ کسریٰ میں پڑھائی جسے مسجد بنالیا گیا تھا۔ جمعہ کی یہ نماز عراق میں مسلمانوں کا پہلا جمعہ تھی جو باقاعدہ ادا کی گئی۔ سعدؓ نے مداین کو اپنا معسکر بنالیا اور یہاں بیٹھ کر عراق عرب پر حکومت کرنے لگے ⁂

جنگِ جلولا

موسمِ خزاں سنہ ۱۶ھ
سنہ ۶۳۷ء

مداین سے بھاگنے کے بعد یزدجرد نے حلوان کو اپنا مرکز بنایا۔ حلوان کا قلعہ مداین سے کوئی ایک سو میل شمال کی طرف پہاڑی علاقہ میں واقع تھا۔ یزدجرد نے حلوان میں بیٹھ کر نیا لشکر تیار کیا۔ یہ لشکر ۶۳۷ء کے موسم خزاں میں مداین کی طرف چلا۔ راستے میں جلولا کا قلعہ تھا۔ لشکر نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ جلولا کے قلعے کے گرد فصیل تھی اور فصیل کے باہر ایک خندق کھدی ہوئی تھی۔ قلعہ کو جانے والے راستوں پر ایرانیوں نے گوکھرو بچھا دیئے ہاشم اور قعقاع مداین سے بارہ ہزار لشکر لے کر جلولا کی طرف بڑھے۔ اور محاصرہ کرلیا۔ جو اسّی دن تک جاری رہا۔ دونوں طرف برابر کمک پہنچتی رہی۔ ایرانی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ ایک دن جنگ ہو رہی تھی کہ شدید آندھی آگئی۔ ایرانی قلعے کی طرف پلٹے۔ قعقاع نے آندھی کی تیرگی میں تعاقب کیا اور قلعے کے دروازے تک پہنچ گئے۔ ایرانیوں کے لیے لڑنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ شدید خونریزی ہوئی۔ اور ایرانی ایک لاکھ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یزدجرد رے کی طرف بھاگ گیا جو شاہانِ ایران کا دوسرا

پایۂ تخت تھا۔ رے کے آثار طہران سے پندرہ بیس میل کے فاصلے پر اب بھی موجود ہیں۔ قعقاع نے آگے بڑھ کر حلوان پر حملہ کر دیا اور اس قلعہ کو بھی سر کر لیا۔ حلوان سے مسلمانوں کو پھر بے انداز قیمتی ساز و سامان ہاتھ لگا۔ تین کروڑ درہم خزانہ مجاہدوں کے درمیان تقسیم ہوا اور ہر مجاہد کو نو نو ایرانی گھوڑے بھی غنیمت میں ملے۔

حلوان کے مالِ غنیمت کا خمس مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ رونے لگے۔ عبدالرحمٰنؓ نے کہا "امیرالمومنین رونے کا یہ کیا مقام ہے خدا نے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا کی ہے" عمرؓ بولے۔

"بلاشبہ خدا نے مسلمانوں کو عزت بخشی ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ یہ مالِ غنیمت جو خدا ہمیں اتنی فراوانی کے ساتھ عطا کر رہا ہے کہیں مسلمانوں میں دنیا کی محبت اور باہمی حسد کی برائیاں پیدا نہ کر دے اگر ایسا ہوا تو مسلم قوم تباہی کا شکار ہو جائے گی"۔

مالِ غنیمت کا خمس زیاد ابن ابوسفیان نامی ایک نوجوان مدینہ لے کر گیا تھا۔ اس نے سعدؓ اور لشکر کے دوسرے سرداروں کی طرف سے حضرت عمرؓ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ اسلام کے لشکر کو ولایت خزر اور خراسان کی طرف بڑھنے کی اجازت دی جائے لیکن عمرؓ نے کہا:۔

"میں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کاش عراق اور

ایران کے درمیان کوئی پہاڑ حائل ہوتا۔ نہ ایرانی ہمیں چھیڑ سکتے۔ نہ ہم ان سے تعرض کرتے۔ مجھے مسلمانوں کا جان ومال مزید فتوحات اور اموال سے زیادہ عزیز ہے"۔

حضرت عمرؓ کا یہ اشارہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو صرف ناگزیر جنگیں لڑنے کی اجازت دیتے تھے۔ ملک گیری اور فتوحات کے جذبے کے ماتحت مسلمانوں کی جانوں سے کھیلنا ناجائز سمجھتے تھے۔

جزیرہ پر تسلّط

حلوان کی تسخیر کے بعد ایرانیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ لیکن پور ہرمزان نے سیزان کے قلعے سے نکل کر مسلمانوں سے جنگ کی شکست کھائی اور مارا گیا۔ سیزان کا قلعہ اسلامی مملکت کی آخری چوکی بن گیا۔

اس کے بعد سعدؓ نے جزیرہ کے سارے ملک کو زیر تسلّط لانے کے لئے مہمیں بھیجیں ایک مہم دریائے دجلہ کے کنارے کنارے مداین سے ایک سو میل تک تکریت کے مقام تک گئی۔ مسلمانوں نے تکریت کے قلعے کا محاصرہ کر لیا جو چالیس دن تک جاری رہا۔ اس قلعہ میں کچھ رومی فوج تھی اور کچھ بنی تغلب۔ بنی عیاض اور بنی نمر کے عیسائی قبیلوں کا لشکر تھا۔ رومیوں نے بدویوں کو چھوڑ کر دریا کی راہ سے بھاگنے کی تیاری کر لی لیکن بدویوں نے رومیوں کے ارادوں سے مطلع ہو کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور ان کا راستہ روک دیا۔ سب رومی قتل کر دیئے گئے۔

ایک مہم نے دریائے فرات کے کنارے کنارے اوپر کی طرف جاکر حیت کا محاصرہ کرلیا اور سرکیسیا کا قلعہ سر کیا جو دریائے خابور اور دریائے فرات کے سنگھم پر واقع تھا۔ سرکیسیا کی تسخیر کے بعد حیت والے بھی مطیع ہو گئے۔ یہ مہم حضرت عمرؓ کے حکم سے رومیوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے اختیار کی گئی تھی۔ تاکہ ان مسلمان لشکروں کو امداد پہنچ سکے جو ملک شام میں قیصر روم کی فوجوں کے خلاف لڑ رہے تھے ؂

وادیٔ شط العرب کی مہم

جب سعد ابن ابی وقاصؓ عراق میں ایرانیوں کے ساتھ قوت آزمائی کرنے کے لئے امیر عسکر مقرر ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے عتبہؓ کو ایک فوج دے کر وادیٔ شط العرب کو سر کرنے کے لئے مامور کیا تھا اور بحرین سے ایک قبیلہ کے سردار عرفجہ کو حکم دیا تھا کہ وہ عتبہ کی امداد کے لئے جائے۔ عتبہؓ نے ابلہ پر چڑھائی کی اور اسے سر کرلیا۔ اس کے بعد ایرانیوں سے چند اور جنگیں ہوئیں اور ایرانی شط العرب کی ولایت سے بے دخل کر دیئے گئے۔ ایک لڑائی میں مسلمانوں کا پلہ ہلکا نظر آرہا تھا۔ مسلمان عورتوں نے یہ حال دیکھا تو انہوں نے اپنے کپڑوں کو بانسوں کے ساتھ باندھ کر جھنڈے بنالئے اور مارچ کرتی ہوئی اپنے لشکر کی طرف چل پڑیں۔ ایرانیوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو تازہ کمک پہنچ رہی ہے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ؂

عتبہ اس ولایت زیریں پر جو خلیج فارس کے شمال میں واقع ہے حکومت کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ وادی شط العرب کے مسلمان عیش پرست ہیں۔ قاصد نے بتایا کہ دنیوی زندگی کی محبت ان پر غالب آرہی ہے۔ سونے اور چاندی نے ان کی آنکھیں چندھیادی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ حال سن کر عتبہ کو واپس بلا لیا اور ان کی جگہ مغیرہ کو حاکم مقرر کردیا۔ مغیرہ نے اوبلہ میں مستقر بنایا اور حکومت کرنے لگے۔

کوفہ اور بصرہ کی آبادی

۱۷ سنہ ھ
۶۳۸ سنہ ء

سنہ ۱۷ ہجری تک عراق کی ساری مملکت مسلمانوں کے زیر تسلط آ گئی۔ کوہستان زیگرس۔ ایران اور اسلامی مملکت کی حد بن گیا۔ جزیرہ او سواد کی ولایت کے حاکم سعد ابن ابی وقاص رضؓ تھے۔ جن کی قیادت میں مسلمانوں نے یہ ملک فتح کیا تھا۔ اور وادئی شط العرب کے حاکم پہلے عتبہ اور پھر مغیرہ مقرر ہوئے۔ سعد رضؓ نے اپنا مرکز مداین کو قرار دیا۔ مداین سے مسلمانوں کی ایک جماعت مدینہ گئی۔ حضرت عمر رضؓ نے دیکھا کہ ان کے چہرے اترے ہوئے ہیں اور ان کے رنگ زرد ہو رہے ہیں۔ سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ مداین کی مرطوب ہوا عربوں کو راس نہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے حکم دیا کہ عراق میں کوئی موزوں مقام تلاش کر کے مسلمان عسکریوں کو وہاں آباد کیا جائے۔ چنانچہ حیرہ سے جانب جنوب ایک جگہ پسند کی گئی جو صحرا کے نزدیک تھی اور یہاں کی آب و ہوا عربوں کے مزاج کے مطابق تھی۔ سعد رضؓ نے اس مقام پر چھاؤنی ڈال دی۔ مسلمانوں نے دربار خلافت کے منظور شدہ نقشے کے مطابق مکانات بنائے۔ پہلے مسلمانوں نے محض گھاس پھوس کے چھپر بنائے تھے لیکن جب آتش زدگی کی

وارد ہو ئیں جب تمام لوگ شہر میں بسنا ہو نے لگیں تو انہیں اینٹوں کے مکان بنانے کی اجازت مل گئی۔ اس طرح کوفہ شہر آباد ہو گیا ۔

مغیرہ کا سابقہ مقام زیریں خطہ میں اوبلہ تھا۔ وہاں کی آب و ہوا بھی خراب تھی۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے مغیرہ نے دو تین جگہ پر چھاؤنی ڈالی آخر وہ جگہ پسند آئی جہاں اب بصرہ کا شہر آباد ہے۔ اس طرح عراق میں مسلمانوں نے دوسرا بڑا شہر بصرہ کے نام سے بسایا۔ کوفہ اور بصرہ کی آبادیوں کو اوقات کی ضرورت نہیں ہوئی تھیں۔ ان دونوں چھاؤنیوں سے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں اس مضمون کی درخواستیں بھیجی گئیں کہ عربوں کو عراق میں زمینیں دی جائیں تاکہ وہ کھیتی باڑی کا کام شروع کر سکیں حضرت عمرؓ نے یہ درخواستیں نامنظور کر دیں اور فرمایا کہ زمینیں انہی کسانوں کے قبضہ میں رہنی چاہئیں جو انہیں پہلے سے کاشت کر رہے ہیں۔ اگر عرب مجاہد اراضی سے چسپاں ہونے لگے تو وہ سپاہیانہ اوصاف کھو بیٹھیں گے۔ عمرؓ عربوں کو اسلام کے مجاہد سپاہی رکھنا چاہتے تھے کوفہ اور بصرہ کی آبادیاں جلد ہی تین تین لاکھ تک پہنچ گئیں ۔

سعد کا محل

کوفہ اور بصرہ میں ہر مسلمان کو مختصر ساجھونپڑا تعمیر کرنے کی اجازت ملی تھی اور حکم یہ تھا کہ گھر بنانے کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے تجاوز نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ سعدؓ نے اپنے گھر کے

سامنے ڈیوڑھی بنائی ہے اور لوگ اسے "سعد کا محل" کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو فرمان دیکر کوفہ بھیجا اور حکم دیا کہ کوفہ پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کرو کہ سعدؓ کی ڈیوڑھی گرادو۔ محمد بن مسلمہؓ فرمان لے کر کوفہ پہنچے سعدؓ نے انہیں اندر جانے کے لئے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا اور ڈیوڑھی کو گرانے کے لئے آدمی لگا دیئے۔ فرمان میں لکھا تھا کہ مسلمانوں اور ان کے امیر کے درمیان کسی قسم کا امتیاز کیوں ہو۔ کیا تم نے ڈیوڑھی اس لئے بنائی ہے کہ ایرانی امرا کی طرح دربار رکھو اور مسلمان اپنے حاکم تک پہنچنے میں رکاوٹ پائیں۔ سعدؓ نے کہا کہ ڈیوڑھی بنانے سے میرا مطلب ہرگز وہ نہ تھا جو سمجھا گیا ہے۔ میں نے بازار کے شور وشغب اور خاک دھول سے بچنے کے لئے ڈیوڑھی بنوائی تھی۔ لیکن امیر المؤمنین کو یہ بات پسند نہیں تو اس کا گرایا جانا ہی اچھا ہے۔

شام اور فلسطین کی مہمیں

دمشق پر چڑھائی

شوال سنہ ۱۳ھ

دسمبر سنہ ۶۳۴ء

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات کے وقت مسلمانوں کی فوجیں جو ملک شام کے معرکوں میں مصروفِ کار تھیں دریائے یرموک کے کنارے جمع ہو رہی تھیں۔ یہ فوجیں جنگ یرموک میں تین لاکھ رومیوں کے لشکر جرار پر فتح حاصل کر چکی تھیں کہ انہیں حضرت صدیق کی وفات سے بیس دن بعد خلیفہ کے انتقال کی اطلاع ملی۔ یرموک کی جنگ ستمبر کے آغاز میں لڑی گئی تھی۔ خالدؓ اور ابو عبیدہؓ اپنے لشکر سمیت اواخر نومبر ۶۳۴ء تک اسی مقام پر بیٹھے دربارِ خلافت کے احکام کا انتظار کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی طرف لشکر بھیجنے کے بعد شام کی فوجوں کو دمشق پر چڑھائی

کرنے کا حکم بھیجا۔ اسلامی فوج کے سالاروں نے کچھ لشکر اسی کیمپ میں چھوڑا اور ایک بھاری جمعیت کو ابوالعور کی سرکردگی میں وادیٔ اردن کی طرف بھیج دیا تاکہ عقب محفوظ رہے۔ ابوالعور نے وادی اردن کی ولایت غور میں پہنچ کر فحل کے مقام پر چھاؤنی ڈالی جو بحیرہ طبریہ سے چھ سات میل کے فاصلے پر جانب مشرق واقع تھا۔ رومی فوجیں قریب کی ایک اور وادی جزریل میں بیسان (بیت شان) کے مقام پر جمع ہو رہی تھیں جب انہوں نے وادی اردن میں اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو ندیوں پر بند لگا کر اپنے سامنے کی وادی کو دلدل بنا دیا۔ ابوالعور نے وادی جزریل کی ناکہ بندی کر کے رومیوں کا محاصرہ کر لیا اور جنگ کے لئے موسم گرما کا انتظار کرنے لگے تاکہ دلدلیں خشک ہو جائیں۔ ابوالعور کے عقب میں اردن کی سرسبز وادی تھی۔ انہیں ہر طرح کی رسد اور کمک پہنچ سکتی تھی۔ لیکن اسی ہزار رومی محاصرہ کی صعوبتوں کا شکار ہو کر رہ گئے ✽

ان پیش بندیوں کے بعد خالدؓ اور ابو عبیدہؓ بڑا لشکر لے کر عروس البلاد دمشق کی طرف بڑھے جس کی زرخیز اور سرسبز وادیاں باغ عالم کہلاتی تھیں۔ اس وقت کا دمشق بڑا متمدن شہر تھا۔ اس کی قدامت کا اندازہ تورات کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کالدیہ کے اُر سے ہجرت کر کے ملک شام میں آئے تو دمشق اس وقت بھی اس ملک کا مشہور بازار تھا۔ دمشق کے اردگرد بیس فٹ اونچی اور پندرہ فٹ چوڑی سنگین فصیل بنی ہوئی تھی جس کے اوپر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر پہرہ دار دل

کے لئے برج بنائے گئے تھے۔ دمشق کے بیچ میں سے ایک بڑا بازار سوق المستقیم گزرتا تھا جس کے دونوں سروں پر مشرق و مغرب میں دو بڑے پھاٹک لگے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ فصیل میں اور دو دروازے بھی تھے جو دوسرے بازاروں کے سروں پر جا کر کھلتے تھے۔

اسلام کے لشکر نے شوال ۱۴ھ میں دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ مغربی پھاٹک کے سامنے جو باب الجابیہ کہلاتا تھا ابو عبیدہؓ نے ڈیرہ جمایا۔ مشرقی پھاٹک باب الشرق کے سامنے خالدؓ بن ولید جم گئے۔ شمال مشرق کے دروازہ باب توما پر عمروؓ بن العاص کی ڈیوٹی لگی۔ شمالی پھاٹک باب فرادیس پر شرحبیلؓ مامور ہوئے۔ اور یزید بن ابو سفیان کو حکم ملا کہ وہ باب ادنیٰ سے لے کر باب الحسان تک گشت کرتے رہیں۔ یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ دمشقی سمجھتے تھے کہ عرب پہلے کی طرح خود ہی محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے لیکن محاصرہ طول کھینچتا گیا۔ اہل دمشق کبھی کبھی باہر نکل کر مسلمانوں سے جنگ بھی کرتے تھے۔ اور جب مسلمان فصیل کے نزدیک آتے تو وہ اوپر سے ان پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسا دیتے تھے۔

قیصر روم نے حمص میں بیٹھ کر ایک لشکر جمع کیا تاکہ دمشق کو محاصرہ سے چھڑانے کے لئے کوشش کرے۔ لیکن ذوالکلاع یمنی فوج لے کر شمال کی طرف چلے گئے اور راستہ روک لیا۔ اسی طرح ایک لشکر فلسطین کی طرف سے آنے والی شاہراہوں پر بھی متعین کر دیا گیا۔

دمشق کی تسخیر

ایک شب کو دمشق کے رومی گورنر کے ہاں بچہ پیدا ہونے پر دمشق والے خوشی کی رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ رومی سپاہیوں اور افسروں نے اس رات خوب شراب پی رکھی تھی۔ خالدؓ کو جو ہر وقت چوکنے رہتے تھے اس حال کی اطلاع مل گئی۔ اور وہ خاموشی سے اپنی جمعیت لے کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ مسلمان بہادروں نے خندق کو مشکوں پر تیر کر عبور کیا اور فصیل پر کمند ڈال کر اوپر چڑھ گئے انھوں نے پہرہ داروں کو قتل کر دیا۔ مسلمانوں نے دوسری جانب اتر کر پھاٹک کھول دیا۔ خالدؓ وہاں انتظار کر رہے تھے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر شہر میں داخل ہو گئے۔ اور رومیوں کے ساتھ جنگ ہونے لگی۔

دمشق کے رومی گورنر کو یہ اطلاع ملی تو وہ چند آدمی لے کر مغربی پھاٹک کی راہ سے ابو عبیدہؓ کے پاس جا کر امان کا طالب ہو گیا۔ معاہدہ کی شرطیں طے ہوئیں اور گورنر ابو عبیدہؓ کے چند لشکریوں کو لے کر شہر میں آ گیا۔

علی الصبح خالدؓ دوسرے دروازہ کی راہ سے لڑتے بھڑتے چوک میں داخل ہوئے تو انہیں وہاں ابو عبیدہؓ کے لشکری مزے سے گشت کرتے ہوئے نظر آئے۔ وہ بہت حیران ہوئے۔ جب انہیں بتایا گیا کہ ابو عبیدہؓ نے شہر والوں کو امان دے دی ہے۔ تو خالدؓ بہت برافروختہ ہوئے۔ انھوں

نے کہا کہ رُومی گورنر نے عیّاری سے کام لیا ہے۔ اتنے میں ابو عبیدہؓ بھی پہنچ گئے۔ خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کے درمیان اس بات پر تکرار چھڑ گئی کہ دمشق والوں سے کیا سلوک کیا جائے خالدؓ کہتے تھے کہ میں نے شہر کو بزورِ شمشیر سر کیا ہے اس لئے ان کے ساتھ مفتوحین کا سا برتاؤ کیا جائے گا۔ ابو عبیدہؓ مصر تھے کہ میں انہیں امان دے چکا ہوں لہذا ان کے ساتھ معاہدہ کے مطابق ذمیوں کا سا سلوک ہوگا۔ آخر خالدؓ مان گئے۔

جن شرطوں پہ ابو عبیدہؓ نے اہلِ دمشق کو امان دی وہ حسب ذیل تھیں:۔

اہلِ دمشق اپنی نصف املاک نقد۔ زمین اور جایداد فاتحین کے حوالے کر دیں گے۔ ان محصولوں کے علاوہ جو وہ قیصرِ رُوم کو ادا کیا کرتے تھے فی کس ایک دینار اور ایک پیمانہ غلّہ کے حساب سے جزیہ دیں گے۔ جو لوگ شہر چھوڑ کر جانا چاہیں گے انہیں باہر جانے کی اجازت ہوگی۔ یہ شرطیں شام کے دوسرے شہروں کے لئے جو بعد میں مسخّر ہوئے نمونہ بن گئیں۔ اس معاہدہ کے مطابق گرجاؤں کی عمارتیں بھی تقسیم ہوگئیں۔ سینٹ جان کا گرجا آدھا آدھا کیا گیا۔ نصف میں مسجد بنائی گئی اور نصف گرجا رہا[۱]۔

---

[۱] بعد کے ادوار میں مسلمان خلفاء نے اس گرجا کو خریدنے کی کوششیں کیں لیکن عیسائی نہ مانے آخر ولید نے سنہ ۹۰ ہجری میں اس گرجا کو حکماً مسجد میں شامل کر دیا۔ عمرؓ ثانی کے عہد میں عیسائیوں نے اپیل کی۔ علمائے اسلام

(دیکھو صفحہ ۴۷۳)

بعض عیسائی معاہدہ کے مطابق شہر چھوڑ کر جانے لگے تو خالدؓ نے اعتراض کیا کہ وہ سامان اور ہتھیار اپنے ہمراہ نہیں لے جا سکتے۔ ابوعبیدہؓ نے انہیں مختصر سامان اور تلوار ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی اسی طرح بعض دوسرے نقاط پر خالدؓ اور ابوعبیدہؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ آخر معاملہ فیصلے کے لئے دربارِ خلافت میں بھیجا گیا حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ اس کے بعد میں ابوعبیدہؓ کو شام کا حاکم اور افواج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ یہ حکم ملنے پر خالدؓ ایک ماتحت افسر کی طرح کام کرنے لگے۔ اور ان کے ماتھے پر شکن تک نہ آیا۔ خالدؓ ذرا سخت گیر واقع ہوئے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے جو ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہتے تھے ابوعبیدہؓ ایسے نرم دل شخص کو شام کا حاکم بنا دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۲) نے فتویٰ دیا کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے وہ پھر تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ عمارت تو عیسائیوں کو نہ دی لیکن شہر کے دوسرے گرجے ان کے حوالے کر دیئے۔ مؤلف

دیر ابی القدوس کی جنگ

۱۳ھ ـ ۶۳۴ء

دمشق سے تیس میل کے فاصلے پر جانب شمال ایک جگہ دیر ابی القدوس کے نام سے مشہور تھی جہاں ہر سال عیسائیوں کا میلہ لگتا تھا۔ دمشق کی تسخیر کے بعد میلہ لگا تو طرابلس کا رومی گورنر اپنی بیوی کو ساتھ لے کر جو قیصر ہرقل کی بیٹی تھی اِس میلہ میں شامل ہونے کے لئے آگیا۔ اس کے ساتھ پانچ ہزار فوج کا ایک دستہ بھی تھا۔ عبداللہؓ بن جعفر پانچ سو کی جمعیت کے ساتھ ان اطراف میں گشت کر رہے تھے کہ اس فوج کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ عبداللہؓ کی جمعیت کم تھی انھوں نے دمشق کی طرف قاصد دوڑایا۔ خالدؓ بجلی کی طرح کمک لے کر پہنچے۔ رومیوں کو شکست دی۔ قیصر کی بیٹی گرفتار ہو گئی۔ تھوڑی مدت بعد پادریوں کا ایک وفد آیا جس نے خالدؓ سے درخواست کی کہ قیصر کی بیٹی کو رہا کر دیا جائے۔ خالدؓ نے یہ درخواست منظور کرلی اور کہا کہ "قیصر سے عہد میرے اور اس کے درمیان کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ میں اس کی بیٹی کو اس خیال سے چھوڑ رہا ہوں کہ ایک دن خود قیصر کو گرفتار کرلوں گا۔"

جنگِ فحل

آغاز ۱۴ھ
گرما ۶۳۵ء

ابوعبیدہ دمشق سے حمص کی طرف بڑھنا چاہتے تھے جہاں قیصرِ روم ہرقل نیا لشکر جمع کر رہا تھا لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ "جب تک تمہارے عقب میں رومی فوجوں کے اجتماع باقی ہیں آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو"۔

یہ حکم ملنے پر ابوعبیدہؓ نے یزیدؓ ابن ابوسفیان کو دمشق کا گورنر مقرر کیا اور خود لشکر لے کر فحل کی طرف آ گئے جہاں ابوالعور کا لشکر اسی ہزار رومی فوج کو گھیرے میں لیے ہوئے پڑا دلدل کے خشک ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ وادئ یردون کے حاکم شرحبیل تھے اس لئے جنگِ فحل کی کمان ان کے سپرد کی گئی۔ شرحبیل نے خالدؓ کو مقدمۃ الجیش کا افسر مقرر کیا۔ میمنہ کی کمان ابوعبیدہؓ کے اور میسرہ کی کمان عمرو ابن العاص کے سپرد کی۔ ضرار رسالے کے کماندار مقرر ہوئے اور عیاضؓ کو پیادہ سپاہ کا افسر بنایا گیا۔ ابوالعور کو طبریہ کی طرف بھیج دیا گیا تاکہ دشمن کی کمک پہنچنے کی راہ روکے رہیں۔ اس ناکہ بندی سے تنگ آ کر رومی اپنے حصار سے نکلے اور دور کا چکر کاٹ کر اسلامی لشکر کے دائیں بازو پر حملہ آور ہوئے مسلمان غافل نہ تھے جنگ چھڑ گئی۔ دن بھر شدید لڑائی ہوتی رہی۔ رومی شکست کھا کر بھاگے

اور اسی دلدل میں پھنس گئے جو انہوں نے خود اپنی حفاظت کے لئے بنائی تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا نقصان بہت کم ہوا اور مالِ غنیمت ڈھیروں ملا۔ جنگِ فحل نے شام کی ولایت سے رومیوں کا قصہ پاک کر دیا۔

اس جنگ کے بعد عراق کی فوج جو خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں شامی افواج کی امداد کے لئے آئی تھی حضرت عمرؓ کے تازہ حکم کے مطابق ہاشم بن عتبہ کے زیر قیادت عراق کو بھیج دی گئی۔ یہی فوج قادسیہ کی جنگ کے تیسرے دن عین وقت پر وہاں پہنچی تھی جس کا ذکر ہم پچھلی فصل میں کر آئے ہیں۔ ابو عبیدہؓ خالدؓ اور دوسرے سردار اس فتح کے بعد دمشق چلے گئے۔ شرجیلؓ اور عمرؓو ابن العاص وادیٔ اُردن میں امن قائم کرنے کے لئے وہیں رہ گئے۔ اس وادی کے بدوی قبیلوں۔ یہودیوں سامریوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ یہ لوگ رومیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اور مسلمان حکمرانوں کے حسنِ سلوک سے بہت خوش تھے۔ بیسان۔ طبریہ۔ اذرعات۔ عمان۔ جیراش۔ دوآب۔ بصریٰ غرض شرقی اُردن کے تمام شہروں نے برضاؤ رغبت اطاعت قبول کر لی۔

یزیدؓ ابن ابوسفیان حاکم دمشق نے مشرق و مغرب میں اپنے حلقۂ اثر کو وسعت دی۔ معاویہؓ ابن ابوسفیان نے صیدا۔ بیروت اور لبنان کے دوسرے ساحلی شہروں پر قبضہ جمایا۔

حمص کی تسخیر

ذیقعدہ سنہ ۱۴ھ
جنوری سنہ ۶۳۶ء

ابو عبیدہ رضؓ جنگِ فحل سے فارغ ہو کر دمشق پہنچے تو عمرو رضؓ ابن العاص کو جو وادیٔ اُردن میں تھے فلسطین پر چڑھائی کرنے کا حکم بھیجا اور خود یزید کو دمشق کا حاکم بنا کر شمال کی طرف بڑھے جہاں ذوالکلاع یمن کے حمیری قبیلہ کے جوانوں کے ساتھ راستوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس اقدام کی وجہ یہ تھی کہ قیصر ہرقل نے حمص میں بیٹھ کر دو لشکر تیار کئے اور انہیں دو جرنیلوں تھیوڈور اور شنّاس کے زیرِ کمان دمشق پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ تھیوڈور کا مقابلہ کرنے کے لئے خالد رضؓ کا کالم بڑھا اور ابو عبیدہ شنّاس کے مقابلے کے لئے بڑھے۔ تھیوڈور نے کسی دوسرے راستے سے بڑھ کر دمشق پر حملہ کر دیا۔ یزید نے فصیل سے باہر نکل کر جنگ شروع کر دی۔ جب خالد رضؓ کو اطلاع ملی کہ تھیوڈور کی فوجیں دمشق کی طرف نکل گئی ہیں تو انہوں نے بجلی کی تیزی سے آ کر تھیوڈور کے عقب پر حملہ کر دیا۔ اس کی ساری فوج تہ تیغ ہو گئی۔ ابو عبیدہ رضؓ نے شنّاس کو شکست دی اور آگے بڑھ کر حمص کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر ہرقل شکست کی اطلاع سنتے ہی رہاء چلا گیا تھا۔

قیصر ہرقل نے روحا میں بیٹھ کر شمالی عراق کے بدوی عیسائی قبائل کو اکسایا کہ وہ حمص کو محاصرہ سے چھڑانے کے لئے لشکر لے جائیں۔ یہ قبائل لشکر فراہم کر رہے تھے کہ سعدؓ ابن ابی وقاص نے جو عراق میں ایرانیوں کی فوجی طاقت کا سر کچل چکے تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے شمالی عراق میں مہمیں بھیج دیں جنہوں نے حیت اور سرکیشیا کے قلعے سر کر کے ان قبائل کو مطیع بنا لیا۔

حمص کا محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا۔ موسم بہار میں ایک زلزلہ آیا جس نے شہر کی فصیل میں جا بجا رخنے ڈال دیئے۔ حمص کے رومی گورنر نے یہ حال دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے اور اہل حمص نے انہی شرطوں پر اطاعت قبول کر لی جو ابوعبیدہؓ نے دمشق کے لوگوں سے طے کی تھیں۔

شام کے دوسرے شہروں پر قبضہ

سنہ ۱۴ھ سنہ ۶۳۶ء

حمص کی تسخیر کے بعد حضرت عمرؓ کا فرمان موصول ہوا کہ شمالی شام کے باقیماندہ شہر مسخر کئے جائیں۔ چھوٹے موٹے قصبوں نے مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کرلی کودیبہ والوں نے مقابلہ کیا اور قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے۔ اسلامی فوج چند دن کے محاصرہ کے بعد پیچھے ہٹ گئی۔ شہر والے سمجھے کہ مسلمان پسپا ہوگئے ہیں وہ عقب پر حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے اسلامی فوج نے پلٹ کر لڑائی کی اور شہر پر قبضہ کرلیا۔

قنسرین کے لوگوں نے اپنا ایک قاصد بھیج کر ابو عبیدہؓ سے شرائط طے کرلیں اور وعدہ کیا کہ اسلامی فوج کی آمد پر وہ رومیوں کو مدد نہ دیں گے۔ اور شہر میں محصور ہوکر بیٹھ جائیں گے رومی فوج کا قلعہ شہر سے باہر تھا۔ رومی گورنر نے قیصر سے مزید کمک منگوائی تو اہل قنسرین عہد سے منحرف ہوگئے اس پر خالدؓ کو قنسرین پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا خالدؓ نے رومی فوج کو شکست دی۔ اس جنگ میں رومیوں کا جرنیل میناس مارا گیا جس کو رومی سلطنت میں قیصر کے بعد دوسرا درجہ حاصل تھا قنسرین کا شہر مسخر کرلیا گیا۔ اس لڑائی میں شام کا ایک غسانی سردار جبلہ رومی فوج

کے ساتھ تھا۔ یہ جبلہ اسلام قبول کر کے مرتد ہو چکا تھا اور بھاگ کر رومیوں سے مل گیا تھا۔[1] جبلہ کی جمعیت چند نامور مسلمانوں کو گرفتار کر کے بھاگ گئی جن میں ضرار بھی تھے۔

ابو عبیدہؓ کے کالم نے اندلیسیہ سر کرنے کے بعد حلب پر چڑھائی کی اور اسے سر کر لیا۔ قیصر ہرقل روحہ سے انطاکیہ میں جا بیٹھا اور وہاں فوج جمع کرنے لگا۔ قیصر حیران تھا کہ مسلمان رومیوں پر ہر میدان میں کیوں غالب آ رہے ہیں اس نے اہلِ دربار سے یہ بات کی۔ ایک پادری نے جواب دیا۔

---

[1] جبلہ شام کے عیسائی ملوک کے خاندان سے تھا جو غسانی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جبلہ نے پہلے اسلام قبول کیا۔ مدینہ جا کر حضرت عمرؓ سے ملا۔ کعبہ کے حج کو گیا۔ وہاں وہ طواف کر رہا تھا کہ ایک بدوی عرب کا پاؤں اس کی عبا کے کنارے پر جا پڑا جو زمین پر لٹک رہا تھا عبا کندھے پر سے گر پڑی اور جبلہ کا کندھا ننگا ہو گیا جبلہ نے بدوی کے منہ پر طمانچہ مارا۔ بدوی نے حضرت عمرؓ کے سامنے مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت عمر نے فیصلہ دیا کہ بدوی جبلہ کے رخسار پر ویسا ہی تھپڑ مارے جبلہ نے کہا یہ کیا؟ میں ملک ہوں اور یہ معمولی آدمی ہے۔ حضرت عمرؓ بولے کہ مسلمانوں میں سب برابر ہیں اور سب قانونِ شریعت کی نگاہ میں مساوی ہیں جبلہ اسلامی مساوات کا یہ حال دیکھ بہت بد دل ہوا اور بھاگ کر رومیوں سے جا ملا۔

(مولف)

"مسلمان رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزے رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں برابری سے ملتے ہیں۔ شراب نہیں پیتے۔ ان کے اخلاق ہم سے اچھے ہیں۔ اس لیے وہ استقلال سے لڑتے ہیں اور فتح حاصل کر لیتے ہیں"۔

ہرقل کا فرار

ابو عبیدہ رضؓ نے حلب سے انطاکیہ کی طرف اقدام کیا۔ انطاکیہ مضبوط فصیل اور سنگین استحکامات رکھنے والا شہر تھا۔ یہاں ہرقل کو سمندر کی راہ سے کمک بھی مل سکتی تھی۔ لیکن وہ مسلمانوں کی فتوحات سے اتنا ہراساں ہو چکا تھا کہ پہلی ہی لڑائی میں شکست کھانے کے بعد جو شہر سے چند میل کے فاصلے پر پل پر ہوئی۔ انطاکیہ سے بھاگ گیا۔ شام کی ولایت سے رخصت ہوتے وقت قیصر ہرقل نے سرحد کے ایک پہاڑ پر چڑھ کر اس سرسبز ملک پر آخری نگاہ ڈالی اور بولا :-

"سلام ہو تجھ پر اے مقدس سرزمین۔ الوداع اے ملکِ شام میں پھر نہیں آسکوں گا نہ کوئی رومی خوف سے کانپے بغیر تجھ میں داخل ہو سکے گا تا آنکہ دجّال ظاہر ہو"۔

یہ قیصر ہرقل تھا جس نے نو سال پہلے ایرانیوں کو شکست دے کر ان سے "اصلی صلیب" واپس لی تھی۔ اور جس نے پاپیادہ سفر کر کے یروشلم کا حج کیا تھا۔ وہ ہرقل جس نے آٹھ سال پہلے پیغمبر خدا کی دعوت

اسلام کو اس حد تک ناقابلِ التفات سمجھا تھا کہ جواب تک دینے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ وہی ہرقل "الوداع اے شام" کہتا ہوا مقدس سرزمین سے رخصت ہوگیا ؀

جنگ اجنادین

موسم بہار ۱۵ھ
۶۳۶ء

عمرو ابن العاص کو فلسطین کے ملک پر چڑھائی کرنے کا حکم مل چکا تھا فلسطین کا ملک بحیرہ مردار کے مغرب میں واقع ہے۔ جس کے شمال میں وادی اُردن کی ولایت غور ہے جنگ فحل اسی وادی میں لڑی گئی تھی۔ شام کے شہر رومی فوجوں سے پاک کئے جا رہے تھے لیکن فلسطین میں رومیوں کی چھاؤنیاں محفوظ پڑی تھیں۔ عمرو ابن العاص ولایت غور کے مقام بیسان سے جہاں رومی فوج کا قلع قمع کیا گیا تھا۔ فلسطین کی طرف بڑھے۔ فلسطین کے رومی گورنر اور جرنیل ارطبون نے اجنادین کے مقام پر لشکر جمع کیا اور عمرو ابن العاص سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی عمروؓ ملاقات کے لئے گئے۔ ارطبون نے انتظام کر رکھا تھا کہ جب عمروؓ ملاقات سے فارغ ہو کر واپس جائیں تو رومی سپاہی جو اس نے گھات میں بٹھا رکھے تھے انہیں پکڑ کر قتل کر دیں۔ عمروؓ بہت ہشیار تھے وہ دوسرے راستے سے نکل گئے جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے کہا ہمارا ارطبون رومیوں کے ارطبون سے ہشیار نکلا۔

اجنادین کے مقام پر اسلامی لشکر اور رومی لشکر کے درمیان

جنگ ہوئی ارطبون شکست کھا کر یروشلم چلا گیا۔ عمرو ابن العاص رض نے اجنادین میں مستقر قائم کیا اور عقب کی رومی چوکیوں پر جو غزہ، سباستیہ، نابلس، لدہ بیت جبرین اور جافہ میں تھیں دستے بھیج کر انہیں سر کر لیا۔ فلسطین میں یروشلم اور قیساریہ کے اہم مقام باقی رہ گئے۔ عمرو رض ابن العاص مزید احکام کے لیے انتظار کرنے لگے۔

القدس (یروشلم) کا تسلیم ہونا

۱۶ ھ ۶۳۷ء

حضرت عمر رض کا حکم موصول ہونے پر ابو عبیدہ رض بھی اجنادین پہنچ گئے اور اسلامی افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر یروشلم کی طرف بڑھے ابو عبیدہ رض نے القدس (یروشلم) کا محاصرہ کیا اور وہاں کے رومی گورنر ارطبون کو ذیل کے مضمون کا خط بھیجا:-

"ہم چاہتے ہیں کہ تم لوگ اس بات کا اعلان کر دو کہ ایک خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد ص اس کے رسول ہیں نیز یہ کہ یوم الحساب برحق ہے اور اللہ مرے ہوئے لوگوں کو قبروں میں سے اٹھا کر زندہ کرے گا۔"

اگر تم ان باتوں کا اقرار کر و اور اعلان کر دو تو ہمارے لئے تمہارا خون

گرانا۔ تمہارا مال لینا اور تمہارے بچوں پر قبضہ کرنا حرام ہو جائے گا۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو خراج اور جزیہ دینے پر رضامند ہو جاؤ۔ یہ بھی منظور نہیں تو میں تم پر چڑھائی کرنے کے لیے ایسے آدمی بھیجوں گا جو موت کو اسی شوق سے قبول کرتے ہیں جس شوق سے تم شراب پیتے ہو اور سور کا گوشت کھاتے ہو۔"

اس خط کے موصول ہونے پر رومی گورنر ارطبون اور شہر کے مقدس اور ممتاز لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ یہودیوں کے ربیوں اور عیسائی پادریوں نے ارطبون کو بتایا کہ مقدس کتابوں کی پیش گوئیاں کہتی ہیں کہ مسلمان القدس کو فتح کر لیں گے۔ ارطبون ڈر کر مصر کی طرف بھاگ گیا۔ القدس کے بطریق نے جس کا نام عیسائیوں کے ریکارڈ میں سفرونیئس ظاہر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں سے مصالحت کر لینے کا فیصلہ کر لیا اور شہر سے باہر اسلامی کیمپ میں جا کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی بطریق نے ابوعبیدہؓ کو شہر کے مقدس ہونے کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ جو لوگ اس شہر میں معاندانہ حیثیت سے داخل ہوں گے ان پر خدا کا قہر نازل ہو کر رہے گا۔ ابوعبیدہؓ نے جواب دیا "ہم جانتے ہیں کہ القدس اللہ کے نبیوں کا مولد و موطن رہا ہے اور اس شہر میں خدا کے رسولوں کی قبریں ہیں۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی معراج کی رات اس شہر میں تشریف فرما ہوئے تھے۔ اور یہیں سے معراج کر کے پروردگار عالم کی حضور میں پہنچے تھے۔ اور اس حقیقت کبریٰ سے یہ لطف فرما ہوئے تھے کہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ بیچ میں رہ گیا تھا۔ ہم اس رسول کے پیرو ہیں اور اس شہر کی حفاظت اور خدمت کرنے کے لیے تم سے

زیادہ حقدار ہیں۔ لہٰذا جب تک خدا اس شہر کو نہ وسد سے شہروں کی طرح ہمارے لے مسخر نہیں کر دیتا ہم محاصرہ جاری رکھیں گے۔"

بطریق سفرونیئس نے جواب دیا کہ "ہم لڑائی نہیں چاہتے۔ لیکن القدس کی عظمت کے پیش نظر یہ چاہتے ہیں کہ یہ مقدس شہر خلیفۂ اسلام کو تسلیم کریں۔ حضرت عمرؓ خود تشریف لائیں تو ہم شہر اور اس کے پاک مقامات کو اُن کے حوالے کر دیں گے۔"

ابو عبیدہ رضؓ نے یہ بات تسلیم کر لی اور حقیقت حال کی رپورٹ دربار خلافت میں بھیج دی۔

حضرت عمرؓ کا سفر الی القدس

سنہ ۱۶ ھ

سنہ ۶۳۷ ء

حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً القدس کی طرف جانے کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ یہ رخت سفر ایک گھوڑے۔ ایک غلام۔ اور ستوؤں اور چھوہاروں کی ایک گٹھری، پانی کے ایک مشکیزے اور لکڑی کی ایک قاب سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

وہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین جن کی فوجیں کسرائے ایران کو عراق عرب سے اور قیصر روم کو ملک شام سے بے دخل کر چکی تھیں اس شان سے

مدینہ سے چلے حضرت عمرؓ نصف منزل خود گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور نصف منزل اپنے غلام کو گھوڑے پر بٹھاتے تھے اپنے غلام کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے۔ راستے میں لوگ سلام کے لئے حاضر ہوتے تھے اور مقدمات بھی پیش کرتے تھے۔ ایک مقام پر حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے دو سگی بہنوں کو بیویاں بنا رکھا ہے۔ آپ نے ایک کو طلاق دلائی۔ ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ درختوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ دریافت حال پر پتہ چلا کہ یہ مقروض ہیں۔ اور قرضخواہ دام وصول کرنے کے لئے ان پر تشدد کر رہے ہیں حضرت عمرؓ نے انہیں آزاد کرایا اور کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس دنیا میں خدا کے بندوں کو عذاب دیتا ہے اسے آخرت میں ویسا ہی عذاب دیا جائے گا۔ ایک بستی میں انہیں معلوم ہوا کہ ایک آقا اور اس کا غلام دونوں ایک عورت سے باری باری تمتع حاصل کرتے ہیں۔ انہیں ڈانٹا اور سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔

حضرت عمرؓ شام کی مملکت میں داخل ہوئے تو اسلامی فوج کے سالار اور افسر استقبال کے لئے آئے۔ ان سب نے شام اور روم کے لوگوں کی طرح ریشمیں عبائیں پہن رکھی تھیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر حضرت عمرؓ سخت ناراض ہو گئے۔ ان لوگوں پر کنکریاں پھینکیں اور فرمایا کہ تم نے اتنی جلدی اپنے آبا و اجداد کی سادگی کو ترک کر دیا۔ جاؤ انسانوں کا سا لباس پہن کر میرے سامنے آؤ۔ سالاروں نے ریشمیں عبائیں اتار دیں اور دکھایا کہ ان عباؤں کے نیچے ان کا اپنا جنگی لباس ہے۔

حضرت عمرؓ نے یروشلیم پہنچکر رات اسلامی فوج کے کیمپ میں گزاری۔ صبح القدس کا بطریق (لاٹ پادری) دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ القدس کی تسلیمیت کے لئے شرطیں طے کیں۔ معاہدہ مرتب ہوا جس پر جانبین نے دستخط ثبت کئے ۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ بطریق کی معیت میں القدس کے اندر تشریف لے گئے۔ مقدس مقامات کی زیارت کی۔ بطریق نے انہیں جملہ آثار کی سیر کرائی۔ قبۃ الصخریٰ کا پتھر جس پر حضرت یعقوبؑ نے تکیہ لگا کر رویا دیکھی تھی گرد و غبار سے اٹا پڑا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب اسی پتھر پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے اس پتھر کی صفائی کی۔ کعب نامی ایک یہودی نے جو مقدس کتابوں کی پیش گوئیوں کا بڑا مفسر تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔

حضرت عمرؓ سیر کرتے ہوئے ایک گرجا کی سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ بطریق نے کہا کہ آپ گرجا ہی میں نماز ادا کر لیں لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مسلمان اسے مسجد بنا لیں گے۔ آپ نے نماز باہر جا کر پڑھی اور معاہدہ کے کاغذ کو منگوا کر اپنے ہاتھ سے اس پر یہ شرط بڑھا دی کہ کوئی مسلمان یروشلیم کے گرجاؤں میں سے کسی میں نماز نہ پڑھے اور نہ کسی گرجا کی سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر اذان دے۔ القدس کی سیر کرنے کے بعد حضرت عمرؓ اسلامی کیمپ میں واپس آ گئے ۔

حضرت عمرؓ نے یروشلیم میں ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم بھی دیا جو آج

تک مسجدِ عمرؓ کے نام سے موجود ہے ۔

صلح کی شرطیں

حضرت عمرؓ نے یروشلیم کے بطریق سے صلح کی جو شرطیں طے کیں ۔

(۱) ذمی لوگ (عیسائی اور یہودی) مسلمانوں کا سا لباس نہیں پہنیں گے۔ اور اپنے لباس میں زرد دھاری یا پٹی لگائیں گے ۔

(۲) ذمی لوگ گھوڑے پر سوار نہ ہوں اور گدھے پر سوار ہوں تو زین اور رکاب لکڑی کی استعمال کریں ۔

(۳) ذمی لوگ اپنی قبریں زمین کے برابر رکھا کریں اور اپنے دروازوں پہ شیطانی نشان لگائیں ۔

(۴) ذمی لوگ اپنے بچوں کو مسلمان اساتذہ سے تعلیم دلایا کریں ۔

(۵) عیسائی کوئی نیا گرجا تعمیر نہ کریں اور نمازوں کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں ۔

(۶) مقدس مقاموں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں ۔

(۷) تیوہاروں پر جلوس نہ نکالیں ۔

(۸) مذہب اسلام کی توہین نہ کریں اور صلیب کو منظرِ عام پر لانے سے محترز رہیں ۔

(۹) عیسائی لوگ مسلمانوں اور مسافروں کو اپنے گرجاؤں میں داخل ہونے سے نہ روکیں اور جب کوئی نیا مسلمان ان کے شہر میں آئے ۔ تو تین

دن تک اس کی مہمانی کریں ۔

(۱۰) عیسائی کھلے بندوں شراب کی تجارت نہیں کریں گے ۔

(۱۱) ان شرطوں کے ساتھ عیسائیوں کو اپنے دین پہ قائم رہنے کی پوری اجازت ہوگی ان کی عبادت گاہیں اور ان کے جان و مال محفوظ رہیں گے ۔

بعض روایات میں مزید شرائط بھی مذکور ہیں۔ بعد میں آنے والے خلفا اور سلاطینِ اسلام نے ذمیّوں کے ساتھ سلوک کرنے میں انہی شرائط کو مشعلِ راہ بنایا اور بعض نے عیسائیوں کی شورشوں اور بغاوتوں کے باعث سیاسی ضرورتوں کے ماتحت مزید پابندیاں بھی عاید کر دیں ۔

حضرت عمرؓ مزید چند دن ملکِ شام میں اسلامی فوج کے ساتھ رہے آخر ابو عبیدہؓ کو شمالی شام کا حاکم اور یزید ابن ابو سفیانؓ کو جنوبی شام کا والی مقرر کر کے مدینہ کو چلے گئے ۔

شامی قبائل کی شورشیں

۱۷ھ ۔ ۶۳۸ء

شام کی مکمل تسخیر کے دو سال بعد قیصر ہرقل نے ملکِ شام سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے ایک اور کوشش کی۔ ادھر شمالی شام کے عیسائی

قبائل کو قاصد بھیج کر شورش پر آمادہ کر دیا ادھر سمندر کی راہ سے ساحلِ بحر پر فوجیں اُتار دیں۔ قیصریہ کی بندرگاہ فلسطین کے جنوبی حصہ میں ابھی تک رومیوں ہی کے قبضہ میں تھی۔ نئی فوجیں زیادہ تر انطاکیہ میں اُتاری گئیں۔ شمالی شام کی قبائلی شورش کے باعث ابو عبیدہؓ حمص کے قلعے میں محصور ہو گئے اور خالدؓ کو جو قنسرین کے حاکم تھے اپنی امداد کے لئے بُلایا۔ مدینہ میں حضرت عمرؓ کو صُورتِ حال کی اطلاع بھیجی گئی۔ خلیفہ کے حکم سے کوفہ کی چھاؤنی سے ایک لشکر شام کی طرف روانہ ہوا خود حضرت عمرؓ نے دُوسری دفعہ ملکِ شام کا سفر اختیار کیا اور جابیہ کے مقام تک گئے جو شام کی سرزمین میں اسلامی فوجوں کا ابتدائی مرکز تھا۔ کوفہ کی فوج نے قبائل پر حملہ کیا۔ قنسرین سے خالدؓ پہنچ گئے۔ اور ابو عبیدہؓ نے محاصرہ سے نکل کر قبائلی لشکر کو شکست دی۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ کی فوج کی خدمات کو بہت سراہا ۔

اس کے بعد عیاضؓ اور خالدؓ نے ایشیائے کوچک میں یلغار کی اور اس ملک میں نصیبین (دیار بکر)، رامد، حرّان، رہا اور متعدد دیگر سرحدی قلعے سر کرتے حتیٰ کہ آرمینیا تک دوڑیں بھیجیں۔ ان اقطاع کے کئی بدوی قبائل مسلمان ہو گئے۔ لیکن بنی عیاض اور بنی تغلب بدستور عیسائی رہے ان سے کسی نے تعرض نہ کیا کیونکہ حضرت عمرؓ کا حکم یہ تھا کہ دین کے معاملہ پر کسی پر جبر نہ کرو۔ ولید بن عقبہ کے متعلق یہ شکایت پہنچی کہ وہ عیسائیوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کر رہے ہیں حضرت عمرؓ نے انہیں واپس مدینہ بُلا لیا ۔

ابو عبیدہؓ نے ۱۲ اگست ۶۳۹ء مطابق ۱۷ھ ہجری کو انطاکیہ پر دوبارہ قبضہ جمایا اور فوج سمیت کچھ دن وہیں ٹھہرے رہے۔ انطاکیہ شام کا پیرس تھا۔ ابو عبیدہؓ نے دیکھا کہ مسلمان مجاہد بداخلاق اور عیش پرست ہو رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے وہاں سے لشکر باہر نکال لیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے مسلمانوں کو شام کی عیسائی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔

قیصریہ کی تسخیر

۱۷ھ۔ ۶۳۸ء

فلسطین کے ساحلی شہر قیصریہ (قیساریہ) میں رومی فوجیں ڈٹی ہوئی تھیں۔ عمرو ابن العاص نے قیصریہ پر چڑھائی کی جہاں قیصر کا بیٹا اور سلطنت کا ولی عہد قسطنطین فوج جمع کئے بیٹھا تھا۔ قیصریہ ایک بڑا شہر تھا جس کی آبادی میں تین لاکھ سامری، دو لاکھ یہودی اور ستر ہزار رومی سپاہی شامل تھے۔ قیصریہ کی فصیل بھی بہت مضبوط تھی۔ عمرو ابن العاصؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تین ماہ سے سات ماہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ معاویہؓ دمشق سے کمک لے کر آئے۔ محصورین کے ساتھ مبارزت کی جنگیں ہوتی رہیں۔ ایک دفعہ رومیوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور شکست فاش کھائی۔

اس پر قسطنطین شہر چھوڑ کر سمندر کی راہ سے بھاگ گیا۔ شہر والوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس شہر سے صرف چار ہزار رومی قیدی بنائے گئے فلسطین کے دوسرے شہر رملہ۔ عکہ۔ جافہ عسقلان۔ غزہ۔ بیشم وغیرہ کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر مطیع ہو گئے۔ شام کی طرح فلسطین کے طول و عرض پر بھی اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

رومیوں کی شکست کے اسباب

عرب کے مسلمانوں نے اس طرح پانچ سال کی قلیل مدت میں دنیائے حاضر کی اوّل درجہ کی سلطنت کو شکست پر شکست دے کر اس سے شام اور فلسطین کے اہم ملک چھین لئے۔ ملکِ شام پر سب سے پہلی مہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے خلیفہ بننے کے وقت ۱۱ھ ہجری میں اسامہ بن زید کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھی۔ وہ ایک تعزیری مہم تھی۔ شام کا حقیقی معرکہ ۱۲ھ ہجری میں شروع ہوا جب خالد بن سعید نے شام پر لشکر کشی کی تھی۔ شام و فلسطین کے ملک قسطنطنیہ کے رومی قیصر کے لئے بہت اہم تھے۔ ایک تو یہ ملک بڑے ہی زرخیز اور سیر حاصل تھے دوسرے تجارت کے بڑے بڑے بازار بھی اس میں واقع تھے تیسرے یہ ملک حضرت عیسیٰؑ کا مولد و موطن ہونے کے باعث عیسائیوں کی نگاہ میں متبرک بھی تھے۔ لیکن رومی سلطنت وسائل و ذرائع کی فراوانی کے باوجود اسلام کی نوخیز طاقت کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اس شکست کی بڑی

وجہ یہ تھی کہ دینِ اسلام نے عربوں میں فداکاری کا جوش بہت اعلیٰ معیار پر پیدا کر دیا تھا جس سے رومی سراسر محروم تھے۔ عربوں کی فوجی تنظیم رومیوں کی تنظیم سے بدرجہا بلند تھی۔ مسلمان نفسِ واحد کی طرح متحد تھے اور عیسائی فرقہ بندی کی لعنت کا شکار ہو چکے تھے۔ اسلحہ کے لحاظ سے فریقین برابر تھے۔ لیکن عربوں کا اخلاق عیسائیوں کے اخلاق سے بدرجہا بہتر تھا۔ اس کے علاوہ اور وجوہ بھی تھے جو مسلمانوں کی کامیابی پر منتج ہوتے رہے۔ رومی عیاش اور کاہل بن چکے تھے۔ لڑائی سے جی چراتے تھے۔ دنیوی زندگی کی آسائشوں سے محبت رکھتے تھے۔ ان کے امرا ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے۔ اس حسد کے باعث ان میں سے بعض مسلمانوں سے مل جاتے رہے۔ رومیوں کی شکست کا ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ شام و فلسطین کی آبادیاں رومی گورنروں کے ظلم و ستم سے تنگ آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے پہلے ہی ہلے میں دیکھ لیا کہ مسلمان حکمرانوں کا سلوک رومیوں کی بہ نسبت بہت بہتر ہے مسلمان وعدہ کے پابند ہیں اور معاہدے کی شرطوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ ابو عبیدہ رضؓ نے پہلی یلغار میں حمص پر قبضہ کیا اور معاہدے کے مطابق بشرطِ حفاظت ان سے جزیہ وصول کر لیا لیکن رومی فوج کے اجتماع کے باعث جب انہیں حمص چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا تو جزیہ کے وصول کردہ محاصل تمام کے تمام اہلِ شہر کو واپس کر دیئے۔ اسی حمص میں بعض مسلمان سالار گرد و نواح سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ ابو عبیدہ رضؓ نے ان سب کو رہا کر دیا اور ان سے چھینے ہوئے اموال

انہیں واپس دے دیئے۔ اس حُسنِ سُلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام لوگ مسلمانوں کو رُومیوں پر ترجیح دینے لگے۔ شام و فلسطین کے عربی النّسل عیسائی قبائل نے مسلمان عربوں کے ساتھ نسلی یک جہتی دیکھی وہ بھی انہیں رُومیوں پر ترجیح دینے لگے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نیک دل عیسائی راہب مسلمانوں کے اخلاق کو دل سے پسند کرتے تھے۔ انہوں نے جابجا مسلمانوں کی امداد کی۔ اس کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں کے عام لوگ محسوس کرنے لگے تھے کہ تورات اور انجیل میں جن "مقدسوں" کے ظہور کی پیش گوئیاں کی گئی ہیں وہ یہی عرب کے مسلمان ہیں۔ جن کا غالب آنا خدا کی طرف سے موعود ہو چکا ہے۔ یہ پیش گوئیاں ان دنوں میں اس قدر عام ہو چکی تھیں کہ خود قیصر ہرقل اور اس کے جرنیلوں پر بھی ان کا بہت اثر تھا۔

ان شکستوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیصر رُوم کا دربار ہمیشہ کے لیے شام و فلسطین کی مقدس سرزمین سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ رُومیوں نے شام کی شمالی ولایت کیلیکیہ کی شمالی سرحد کے ساتھ ایشیائے کوچک کی بستیاں عمداً اجاڑ دیں تاکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک صحرا حائل ہو جائے۔

خالد کی معزولی

سنہ ۱۷ھ سنہ ۶۳۸ء

خالدؓ بن ولید کو حضرت عمرؓ نے فتح دمشق کے بعد افواج شام کی سپہ سالاری کے عہدہ سے برطرف کر دیا تھا۔ اور ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار اور حاکم اعلےٰ مقرر کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خالدؓ ذرا سخت گیر تھے اور حضرت عمرؓ شام کے اہل کتاب سے حسن سلوک کی پالیسی اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اس حکمت عملی کے لئے ابو عبیدہؓ نہایت موزوں شخص تھے۔ خالدؓ اس کے بعد ایک ماتحت جرنیل کی حیثیت میں لڑتے رہے۔ قنسرین کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں وہاں کا حاکم بنا دیا۔ سنہ ۱۷ ہجری میں خالدؓ آرمینیا کی مہم سے واپس آئے تو انہوں نے قنسرین پہنچ کر غیر معمولی داد و دہش شروع کر دی۔ اشعث نامی ایک شاعر کو ایک ہزار طلائی دینار عطا کئے گئے اسی طرح اور لوگوں کو بھی ایسے انعامات دیئے جو بظاہر غیر موزوں نظر آتے تھے۔ اس داد و دہش کے باعث لوگ ان کے پاس دور و نزدیک سے جمع ہونے لگے۔

حضرت عمرؓ مدینہ بیٹھے ہر شخص کے طرز عمل کے متعلق اطلاعات حاصل کرتے رہتے تھے۔ خالدؓ کے متعلق اطلاعات پانے کے بعد انہوں نے

ابو عبیدہ رضؓ کو ایک فرمان بھیجا۔ اور لکھا کہ خالدؓ کو مسلمانوں کے بھرے مجمع میں بلاؤ۔ اُن کے سر سے قلنسوہ (خود جو اسلامی لشکر کے سالار نشان سرداری کے طور پر استعمال کرتے تھے) اتار دو اور اس کے سر کا مندیل (رومال) اتار کر اس سے اس کے ہاتھ باندھو۔ اس کے بعد اُس سے حسب ذیل سوال کرو:۔

(۱) تمہارے خلاف ایک الزام یہ ہے کہ تم نے رامدہ (ایشیائے کوچک) میں شراب سے غسل کیا اس الزام کے متعلق تمہارا کیا جواب ہے؟

(۲) تم ان دنوں بڑی داد و دہش کر رہے ہو۔ اشعث شاعر کو تم نے ایک ہزار طلائی دینار یونہی انعام کر دیے دیئے ہیں اتنی دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی جو تم اس طرح لٹا رہے ہو۔

ابو عبیدہ رضؓ نے خلیفہ کے حکم کے مطابق خالدؓ کو بلایا۔ حمص کی مسجد میں مسلمانوں کا عام اجتماع منعقد کیا گیا۔ ابو عبیدہؓ منبر پر چڑھے اور واصعہ کو حکم دیا کہ خلیفۃ المسلمین کا فرمان پڑھ کر سنائے۔

واصعہ نے فرمان پڑھا۔ خالدؓ متحیر ہو کر خاموش کھڑے رہے۔ ابو عبیدہؓ حیران تھے کہ خالدؓ ایسے نامور جرنیل کی تذلیل کیسے کریں؟ لیکن خلیفۃ المسلمین کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔

ابو عبیدہ رضؓ نے حضرت بلالؓ کی طرف دیکھا جو مجمع میں سب سے زیادہ بزرگ۔ سب سے زیادہ محترم شخص تھے۔ بلالؓ حبشی سابقون الاولون

میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور ان کے عہد میں موذن اسلام رہ چکے تھے۔

حضرت بلالؓ نے آگے بڑھ کر خالدؓ کے سر سے قلنسوہ (خود) اتارا۔ ان کے سر کے مندیل سے ان کے ہاتھ باندھے۔ اور کہا کہ امیر المومنین نے آپ سے جو سوال کئے ہیں ان کا جواب دو۔

خالدؓ جو اس واردات پر بہت حیران تھے بولے:۔

"شراب سے غسل کرنے کا الزام جو مجھ پر لگایا گیا ہے سراسر بے بنیاد ہے اور روپیہ جو میں نے لوگوں کو دیا میرا اپنا تھا"۔

یہ جواب سنکر حضرت بلالؓ نے خالدؓ کے ہاتھ کھول دیئے مندیل سر پر باندھا اور اس کے اوپر قلنسوہ رکھ کر کہا:۔

"اے سردار! ہم اب بھی آپ کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں جیسی پہلے کرتے تھے"۔

ابو عبیدہؓ منبر پر اسی طرح خاموش کھڑے رہے۔ خلیفہ کے فرمان میں خالدؓ کی معزولی کا حکم بھی تھا۔ ابو عبیدہؓ یہ حکم سنانے کی جرأت نہ پاتے تھے۔

آخر ابو عبیدہؓ کو امیر المومنین کا یہ حکم بھی سنانا پڑا۔ خالدؓ نے یہ سب کچھ بڑی ہمت اور بڑے ہی صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور خاموش ہو رہے۔

ان واقعات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو بھیجی گئی۔ انہوں نے خالدؓ کو

مدینہ بُلایا اور مسجد میں حاضر کر کے اُن سے پوچھا :

"بتاؤ اتنا روپیہ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟"

خالدؓ نے جواب دیا "امیر المومنین! بخدا آپ اسلام کے ایک وفادار خادم سے تو بہت بُرا سلوک کر رہے ہیں جب کہ منافق آپ کے گرد و پیش بہت ہیں۔ میں آپ کے اس سلوک کے خلاف جماعتِ مسلمین سے اپیل کرتا ہوں :

حضرت عمرؓ نے پہلے کے سے وقار آمیز لہجہ میں کہا :-

"تم یہ بتاؤ کہ تم نے اتنا روپیہ کہاں سے پایا؟"

خالدؓ نے جواب دیا کہ یہ روپیہ اس مالِ غنیمت میں سے میرے حصّے کا ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے عہد میں مجھے ملتا رہا۔ ساٹھ ہزار درہم مجھے حضرت صدیقؓ کے عہد میں ملا اس سے اُوپر آپ کے عہد میں پائے :"

روایت ہے کہ خالدؓ کے مال کا اندازہ اسّی ہزار درہم کیا گیا جس میں سے بیس ہزار درہم ان سے لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے گئے :

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ساری مملکت میں ایک فرمان بھیج کر اعلان کرا دیا کہ "میں نے خالدؓ کو کسی ظلم یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا۔ بلکہ ایسا کرنے سے میرا مطلب یہ تھا کہ عام لوگوں کی راہ سے ایک رکاوٹ دُور کر دی جائے جو فتح و نصرت دینے والے خدائے پاک کی طرف دیکھنے کے بجائے خالدؓ کے زورِ بازو پر تکیہ کرنے لگے تھے :

اسلام کے ابتدائی ایام کی تاریخ کا یہ واقعہ ان چند الجھنوں میں سے ایک ہے جن پر بعد میں بہت سے اختلاف رونما ہوئے۔ ایک طرف حضرت عمرؓ ہیں جن کی ... تسلیم کہ بدگمانی کو ... یہ تو ... جا سکتی کہ انہوں نے خالدؓ جیسے عظیم المرتبت مسلمان سے بلا وجہ یہ توہین آمیز سلوک کیا ہو۔ دوسری جانب خالدؓ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "سیف اللہ" کا لقب عطا کیا تھا اور جنہوں نے فتنۂ ارتداد کو کچلنے اور عراق و شام کی مہمیں سر کرنے میں اسلام کی راہ میں عدیم النظیر جنگی خدمات ادا کیں۔ اور ساری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزار دی۔ خالدؓ وہ تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کا خطاب دیا اور جن کے متعلق خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ کہا کہ "عرب ماؤں نے ایک ہی خالدؓ جنا ہے دوسرا خالدؓ وہ کبھی نہیں جن سکتیں"۔

ان حالات کی بناء پر عام انسانی فکر حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل کی کوئی معقول توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہے جو انہوں نے خالدؓ کے متعلق اختیار کیا۔ صرف ایک ہی توجیہ قریب الفہم ہے جو حضرت عمرؓ نے اپنے اعلان میں بیان کر دی۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت خالدؓ کے متعلق دربار خلافت میں جو شکایات پہنچی ہوں جن کے متعلق ان سے جواب طلب کیا گیا۔ خالدؓ نے ان الزامات کا تسلی بخش جواب دے دیا۔ مزید برآں یہ الزامات ایسے نہ تھے کہ ان کی بناء پر خالدؓ ایسے مجاہد کو تذلیل کے اس منظر کا ہدف بنایا جاتا جو حمص کی مسجد میں پیش آیا۔ یہ جواب طلبی دوسرے

طریقوں سے بھی کی جا سکتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب خالدؓ نے الزامات کے متعلق صفائی پیش کر دی تھی تو حضرت عمرؓ نے انہیں اپنے منصب پر بحال کیوں نہ کیا۔ ان سوالوں کا فقط ایک ہی جواب ہے جو حضرت عمرؓ نے اپنے اعلان میں بیان کر دیا۔ حضرت عمرؓ اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان فتح و نصرت کو کسی انسان کی شجاعت اور جنگی مہارت پر محمول کرنے لگیں۔ قومیں ایسے ہی ابطال کو دیوتا بناتی رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ عام مسلمان اللہ کے بجائے خالدؓ پر بھروسہ کرنے لگے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے خالدؓ کو معزول کر کے بیکار بٹھا دینے میں ذرہ بھر تامل سے کام نہ لیا۔ حضرت عمرؓ توحید الٰہی کے معاملہ میں بہت محتاط اور سخت گیر تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ اس درخت پر چڑھاوے چڑھانے لگے ہیں جس کے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی۔ تو انہوں نے وہ درخت ہی کٹوا دیا تھا۔ اسی طرح جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ خالدؓ کی تلوار پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کرنے لگے ہیں تو انہوں نے خالدؓ کو معزول کر دیا۔ یہ بات ایک طرف حضرت عمرؓ کی عظمت اور عزیمت کا اظہار کر رہی ہے اور دوسری جانب خالدؓ کی شان کو بہت بلند دکھا رہی ہے جنہوں نے دین اسلام کی خاطر یہ سب ذلت برداشت کی اور امیر المؤمنین کے فیصلے کے سامنے جو محض خدا کے لئے تھا چون و چرا کئے بغیر محض خدا کے لئے اطاعت کی گردن جھکا دی ۔

خالدؓ معزولی کے بعد حمیض جاکر پرائیویٹ زندگی بسر کرنے لگے۔ وبائے طاعون میں جو اس واقعہ کے اگلے سال پھوٹی خالدؓ کے چالیس بیٹے فوت ہو گئے پھر خود حضرت خالدؓ بن ولید حضرت عمرؓ کی خلافت کے آٹھویں سال یعنی ۲۱ھ ہجری میں بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ دورانِ علالت میں خالدؓ اپنے تیمارداروں کو اپنے جسم پر ان زخموں کے نشان دکھا دکھا کر جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کھائے تھے۔ اپنے شوقِ شہادت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے رہے :-

"افسوس میں بزدل کی موت مر رہا ہوں ایسی موت جیسے اونٹ سسک سسک کر جان دیتا ہے"۔

خالدؓ! تیری شان بہت بلند ہے۔ خدا کے ہاں آخرت کی زندگی میں تیرا اجر بہت ہی عظیم ہے۔

قحط اور طاعون

۱۸ھ سنہ ۶۳۹ء

حضرت عمرؓ کی خلافت کے پانچویں سال یعنی ۱۸ھ میں عرب میں سخت قحط رونما ہوا۔ اس سال بارش نہ ہوئی۔ سبزہ ناپید ہو گیا۔ جانور فاقوں کے مارے مرنے لگے۔ غلہ بہت گراں بکنے لگا۔ اونٹ بھیڑیں اور بکریاں

مدت سے بجب وہ اتنی دبلی ہوگئیں کہ ان کا گوشت بھی انسانوں کے کھانے کے قابل نہ رہا۔ عام لوگ اطراف واکناف سے چل کر مدینہ میں جمع ہونے لگے۔ جن کے کھانے کا انتظام بیت المال سے کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس قحط کے دوران میں گوشت۔ دودھ اور مکھن کھانا ترک کر دیا۔ آپ کا غلام ایک دفعہ دودھ لے کر آیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ دودھ کسی مسکین کو پلا دو۔ اگر مجھے اچھی غذا ملتی رہی تو میں ان لوگوں کی تکلیف کا صحیح احساس کس طرح کر سکوں گا جو فاقوں میں مبتلا ہیں۔ حضرت عمرؓ نے شام کے حاکموں کو لکھا۔ ابو عبیدہؓ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لاد کر بھیجے یہ غلہ اور ان اونٹوں کا گوشت عام لوگوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ عمرو ابن العاصؓ نے فلسطین سے غلہ بھیجنا شروع کیا۔ یہ غلہ ایلہ کی بندرگاہ سے جہازوں پر لاد کر ینبوع کی بندرگاہ میں اتارا جاتا تھا جو مدینہ سے قریب کا ساحلی مقام ہے۔ لوگ بہت تباہ حال ہو رہے تھے آخر باہمی مشورہ سے نماز استسقا ادا کرنے کا فیصلہ کیا گیا حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ملت کے بزرگ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ مدینہ سے باہر جا کر نماز استسقا ادا کی گئی حضرت عباسؓ نے امامت کرائی۔ مسلمانوں کی دعائیں قبول ہوئیں اور کھل کر بارش ہو گئی میدان سبزہ زار بن گئے۔ جانوروں کو چارا اور انسانوں کو کھانا ملنے لگا۔ یہ مصیبت عرب پر نو ماہ تک مسلط رہی؛

ادھر شام کے ملک میں اسی سال طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جس سے مسلمانوں کی چھاؤنیاں بھی متاثر ہوئیں۔ مجاہد کثیر تعداد میں فوت ہونے

لگے حضرت عمرؓ نے اطلاع پانے پر ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ مدینہ آؤ۔ ابو عبیدہؓ نے معذرت چاہی کہ میں اپنے سپاہیوں کو اس مصیبت میں چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھ کر رونے لگے۔ اور خود شام کی طرف جانے کی تیاری کر لی حضرت عمرؓ تبوک تک گئے ابو عبیدہؓ نے وہاں آ کر ملاقات کی اور انہیں حکم دیا کہ لشکر کو لے کر حوران کی بلند زمین کی طرف چلے جاؤ۔ حضرت عمرؓ واپس آنے لگے تو کسی نے کہا "عمرؓ! تو خدا کی تقدیر سے بھاگ رہا ہے" آپ نے جواب دیا "ہاں میں خدا کی تقدیر سے خدا کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہا ہوں" ابو عبیدہؓ حسب الحکم لشکر کو لے کر حوران کی طرف چل دیئے لیکن وہ اور ان کا بیٹا وبا کا شکار ہو کر فوت ہو گئے۔ انہوں نے معاذؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ وہ بھی چند دن بعد فوت ہو گئے۔ پہاڑ پر جا کر لشکر کو وبا کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہوا لیکن اس وقت تک پچیس ہزار مسلمان فوت ہو چکے تھے جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی بھی خاصی تعداد تھی۔ اسلامی روایات میں یہ طاعون وبا "عمواس" کے نام سے مشہور ہے۔

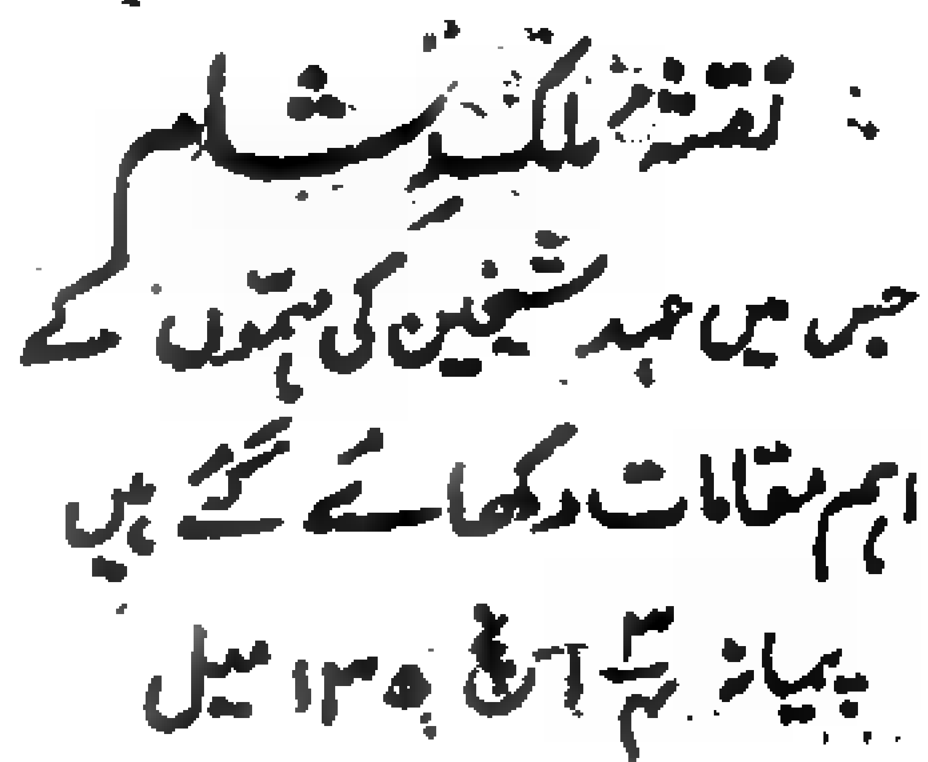
وبا کی آگ بجھنے پر حضرت عمرؓ کو ایک دفعہ پھر شام کا سفر اختیار کرنا پڑا کیونکہ بہت سے مسلمان مر چکے تھے اور ان کے ترکوں کی وراثت کے معاملات طے کرنے میں دقتیں پیش آرہی تھیں حضرت عمرؓ نے اس دفعہ ایلہ میں قیام فرمایا۔ اور ایک پادری کے گھر میں مہمان رہے۔ حضرت عمرؓ کا جبہ مرمت طلب تھا پادری نے مرمت کے لئے اتروا لیا۔ اور بنا

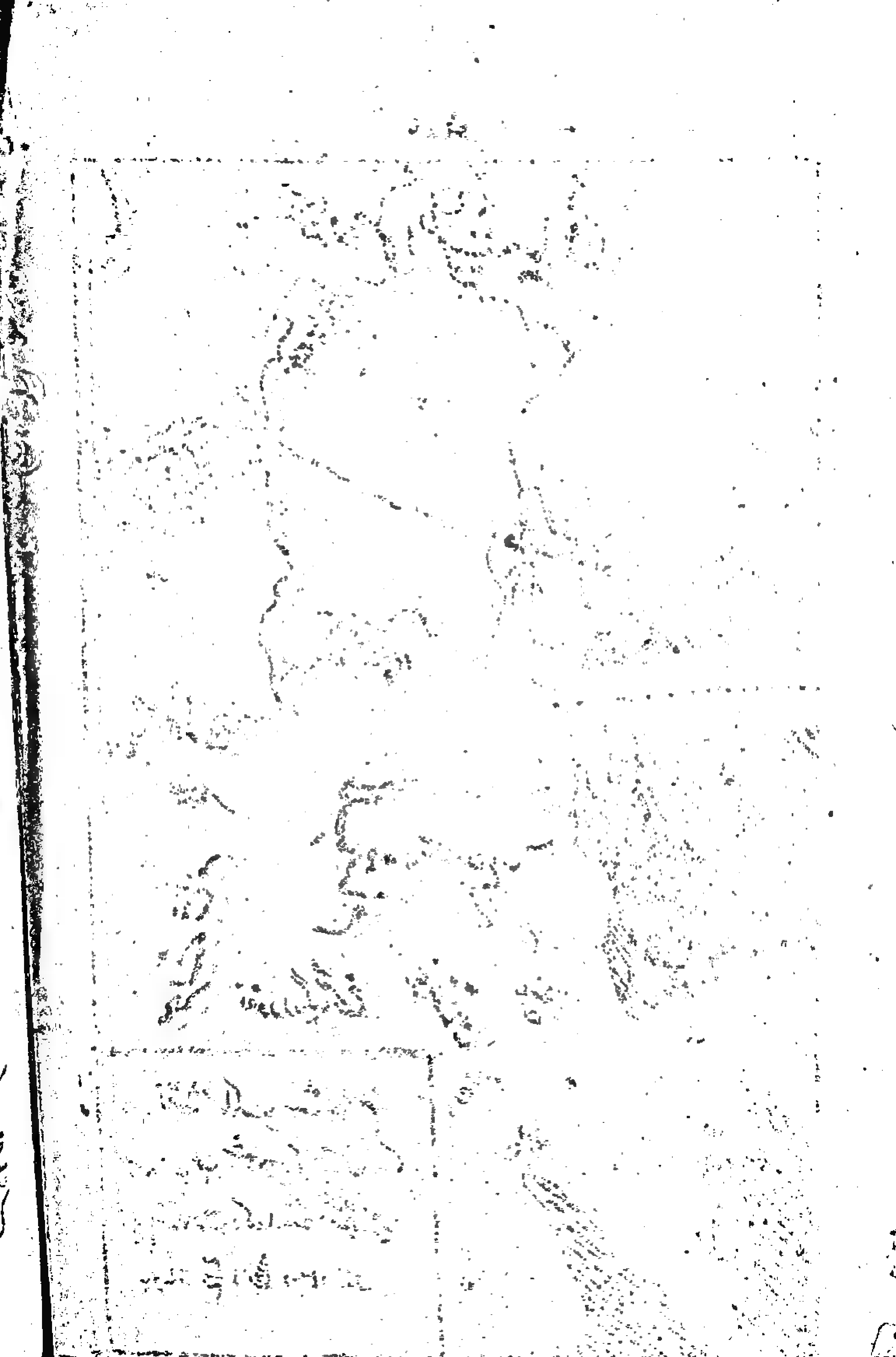
جوڑا پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے نیا جوڑا قبول نہ کیا اور اپنا ہی لباس مرمت کرا کے پہنا۔ ایلہ سے چل کر آپ نے شام کے ملک کا دورہ کیا اور ہر جگہ کے انتظامات درست کئے۔ دمشق کے حاکم یزید ابن ابوسفیانؓ فوت ہو چکے تھے ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہؓ کو مقرر کیا۔ شرق اردن کے حاکم شرجیلؓ کے متعلق کچھ شکایات پیش ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں معزول کر دیا ان کی جگہ عمرو ابن العاصؓ کو حاکم بنا دیا۔ عمرو ابن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ کیونکہ فلسطین کا رومی گورنر وہاں بھاگ گیا تھا اور وہاں بیٹھ کر فلسطین پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

بلالؓ کی اذان

حضرت عمرؓ دمشق میں تھے۔ بلالؓ حبشی یہیں رہتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اذان دینا ترک کر دیا تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے ان سے استدعا کی کہ وہ ایک دفعہ اذان دیں بلالؓ نے قبول کی اور اذان دی۔ یہ بہت پرانی شناسا آواز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے کانوں سے ٹکرائی اور سب کو وہ پرانی محفلیں یاد آ گئیں سب کے دل بھر آئے اور سب کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ تو اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ کئی مسلمان ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

روم ایشیائی
موصل
(نینوہ)
تکریت
حلب
قرقیسیا
ہیت
عین تمر
حمص
دمشق
یرموک
بصریٰ
بنی غسان
نفود ریگ سرخ
القدس
جابیہ
تبوک





ایران اور مصر کی تسخیر

سنہ ۱۹ھ سے سنہ ۲۳ھ تک

علاءؓ کی مہم

سنہ ۱۶ھ سنہ ۶۳۷ء

سنہ ۱۶ھ میں جب کہ سعدؓ بن ابی وقاصؓ کی فوجیں عراق عرب میں کسرائے ایران کی فوجوں کے ساتھ لڑ رہی تھیں اور عتبہؓ عراق عرب کے زیریں علاقہ پر جو خلیج فارس کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ ہے قابض ہو چکے تھے۔ بحرین کی ولایت کے حاکم علاءؓ نے آبنائے بحرین کو عبور کر کے ایران کے صوبہ اصطخر پر چڑھائی کر دی۔ جو بحرین کے بالمقابل خلیج فارس کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ علاءؓ نے یہ مہم بطور خود اختیار کی تھی۔ اور بارگاہ خلافت سے اجازت نہ لی تھی۔ علاءؓ اس ولایت میں یلغار

کرتے ہوئے خوزستان کے صدر مقام پرسی پولس (اصطخر) تک پہنچ گئے۔ ایرانیوں نے شمال کے علاقہ اہواز سے فوجیں بھیجیں جنہوں نے علاء پر واپسی کی تمام راہیں بند کر دیں علاء ان کے ساتھ جنگ کرنے لگے۔ لیکن آبنائے بحرین کی طرف واپس نہ جا سکے۔ تب انہوں نے شمال مغرب کی طرف کوچ کر کے بصرہ کی طرف جانے کی کوشش کی۔ اِدھر بھی ایرانی فوج کی بھاری تعداد کو مزاحم پایا۔ اب انہوں نے صورتِ حال کی اطلاع مدینہ بھیجی حضرت عمرؓ نے بصرہ کے حاکم عتبہؓ کو حکم دیا کہ فوج لے کر جائیں اور علاء کو چھڑا لائیں۔ عتبہؓ نے بارہ ہزار کا لشکر لے کر اصطخر پر چڑھائی کی اور ایرانی فوجوں کو شکست دیتے ہوئے علاء سے جا ملے۔ اور انہیں اور ان کے لشکر کو اپنے ساتھ بصرہ میں لے آئے۔ عتبہؓ کے اس کارنامہ پر حضرت عمرؓ نے بہت تحسین کی ۔

خوزستان کی مہم

سنہ ۱۷ھ و سنہ ۱۸ھ

سنہ ۶۳۸ء و سنہ ۶۳۹ء

ایران کا صوبہ جو بصرہ کی ولایت سے مشرق کی طرف واقع ہے خوزستان کہلاتا تھا۔ اس کا ایرانی گورنر ہرمزان مسلمانوں کی سرحدی

چوکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا تھا۔ یہ حال دیکھ کر عتبہ نے کوفہ سے کمک منگوائی اور ایک عرب بدوی قبیلہ کی امداد حاصل کی جو قدیم ایام سے اس سرزمین میں آباد چلا آرہا تھا۔ عتبہؓ نے خوزستان کے مقام اہواز پر قبضہ کر لیا۔ ہرمزان بھاگ کر دریائے کارون کے پار چلا گیا عتبہؓ نے اس بدوی قبیلے کے سردار کو اہواز کا حاکم بنایا اور خود بصرہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ہرمزان نے پھر سر اٹھایا۔ اسلامی لشکر ایک صحابی کی سرکردگی میں مقابلے کو گیا۔ ہرمزان شکست کھا کر رام ہرمز کی طرف بھاگ گیا اور معافی مانگی۔ مسلمانوں نے پھر اس کا قصور معاف کر دیا۔ اسلامی لشکر کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ ملی۔ بارگاہ خلافت سے حکم صادر ہوا کہ خوزستان کی نہروں اور کاریزوں کے انتظام کو درست کرو تاکہ زمین آباد ہو۔

رام ہرمز اور شُستر کی تسخیر

۱۹ھ ۔ ۶۴۰ء

ایران کا شہنشاہ یزدجرد مرو میں بیٹھ کر ایرانی حاکموں کو مسلمانوں کے مقابلے کے لئے اُبھار رہا تھا۔ ہرمزان نے اپنے بادشاہ کے حکم سے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں سے ایک نیا اسلامی لشکر تیار ہوا جو نعمان بن مقرنؓ کی قیادت میں خوزستان کی

طرف بڑھا۔ ہرمزان رام ہرمز سے شکست کھا کر شستر چلا گیا جو اہواز سے پچاس میل کے فاصلے پر جانب مشرق واقع ہے۔ شستر کے قلعہ نے کڑی مزاحمت کی لیکن آخر سر ہو گیا ہرمزان نے اس شرط پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا کہ اس کا مقدمہ خود حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوگا۔

ہرمزان کی عیّاری

ہرمزان کو مدینہ بھیج دیا گیا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو اسے ڈر تھا کہ بار بار کی امان طلبیوں اور معاہدہ شکنیوں کے باعث اسے موت کی سزا ملے گی۔ چنانچہ اس نے پیش ہوتے ہی پانی مانگا۔ پانی کا پیالہ اسے دے دیا گیا۔ لیکن اس عیّار ایرانی سردار نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ مسلمان مجھے یہ پانی پی چکنے سے پہلے مار ڈالیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اطمینان سے پانی پیو جب تک تم پانی نہ پی لو گے تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہرمزان نے یہ سن کر پانی زمین پر گرا دیا اور کہا کہ اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے وہ پانی نہیں پیا۔ حضرت عمرؓ کو ہرمزان کی اس چالاکی پر بہت غصہ آیا لیکن انہوں نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ اور بولا میں نے یہ حرکت محض اس لئے کی تھی کہ جان کی امان پا لوں تو اسلام قبول کر لوں۔ اگر پہلے ہی میں اسلام قبول کرنے کے لئے کہتا تو کہا جاتا کہ ہرمزان نے جان کے ڈر سے اسلام

قبول کیا ہے۔

سُوس اور جُندی سابور

۱۹ھ – ۶۴۰ء

نعمان ابن مقرن نے شستر کے بعد سُوس اور جندی سابور کے قلعے سر کئے۔ اس جنگ میں کئی ایک مقامی ایرانی سرداروں نے اسلامی لشکر کا ساتھ دیا اور ہر طرح کی امداد بہم پہنچائی۔ سُوس (شوشان) میں نعمان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے دانیال نبیؑ کی قبر کی مرمت کرائی۔ جُندی سابور کے لوگوں نے اسلامی لشکر کے ایک غلام مجاہد سے امان کا پروانہ حاصل کر کے دروازے کھول دیئے تھے۔ سپہ سالار کو اطلاع ملی تو کہا کہ ہم مسلم غلام کی دی ہوئی امان کی پاسداری کریں گے۔

ایران کی مہم کا فیصلہ

۱۹ھ – ۶۴۰ء

حضرت عمرؓ کو ایرانیوں کی اس چھیڑ چھاڑ کی اطلاعات برابر پہنچ رہی

تھیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام کی فوجیں آگے بڑھتی چلی جائیں حضرت عمرؓ صرف مملکت عراق پر اکتفا کرنا چاہتے تھے۔ جس کی حدود کوہستان زیگرس کے دامن تک پہنچ چکی تھیں۔ ایرانیوں کے ساتھ پیہم لڑائیوں کی اطلاعات ملنے پر انہوں نے استفسار کیا کہ جنگ جاری رہنے کی وجہ کیا ہے؟ ادھر سے رپورٹ بھیجی گئی کہ جب تک یزدجرد زندہ ہے۔ وہ مسلمانوں کو عراق کی حدود میں کبھی چین سے بیٹھنے نہ دے گا۔ یزدجرد رَے میں بیٹھ کر نیا لشکر تیار کر رہا تھا۔ اس نے بحیرہ خزر سے لے کر بحر ہند اور دریائے جیحون سے لے کر خلیج فارس تک ساری مملکت ایران میں لشکر کی فراہمی کے احکام بھیج رکھے تھے۔ ایرانیوں کی فوجیں نہاوند کے میدان میں جمع ہونے لگی تھیں۔ سعد ابن ابی وقاصؓ کو اس لشکر کے جمع ہونے کی اطلاعات برابر مل رہی تھیں۔ انہوں نے کوفہ سے بارگاہِ خلافت میں رپورٹ بھیجی کہ ایرانی بہت بڑی جنگ کی تیاری کر رہے ہیں حضرت عمرؓ کو تشویش لاحق ہوئی۔ انہوں نے خود محاذ جنگ پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن صحابۂ کرامؓ نے انہیں جانے نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے نعمان ابن مقرن کو حکم دیا کہ خوزستان کی مہم چھوڑ کر وہ نہاوند کی ایرانی فوجوں کے مقابلے کے لئے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی سوس کی اسلامی فوج کو حکم بھیجا کہ وہ پرسی پولیس کی طرف بڑھے تاکہ خوزستان کی ایرانی فوج نہاوند نہ جا سکے۔

جنگِ نہاوند

۲۱ ھ ــــ ۶۴۲ء

نعمان ابن مقرن نے حلوان پہنچکر لشکر تیار کیا۔ اور تیس ہزار سپاہ لے کر نہاوند کی طرف بڑھے۔ جہاں سے دور افق پر کوہ الوند کی برفانی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ نہاوند میں ایرانی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ دو دن کی جھڑپوں کے بعد ایرانی اپنے استحکامات میں جا بیٹھے اور وہاں سے نکل نکل کر مسلمانوں سے جنگ کرنے لگے۔ کئی دن تک یہ قصہ جاری رہا۔ آخر طلیحہ کی تجویز پر اسلامی لشکر نے خیمے اکھاڑ لئے اور پیچھے ہٹنے کی تحریک شروع کر دی۔ ایرانیوں نے یہ حال دیکھا تو وہ سمجھے کہ مسلمان تنگ آ کر پسپا ہو رہے ہیں۔ انہوں نے قلعوں سے نکل تعاقب کیا۔ اسلامی لشکر پیچھے ہٹتا ہوا انہیں بہت دور لے گیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ایک بھاری جمعیت چکر کاٹ کر ایرانیوں کے عقب میں پہنچ گئی۔ جو لشکر پیچھے ہٹ رہا تھا اس نے بھی پلٹ کر ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ بڑی شدید جنگ ہونے لگی۔ نعمان ابن مقرن شہید ہو گئے لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ایرانی تیس ہزار لاشیں چھوڑ کر پہاڑ کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے مزید اسی ہزار کا صفایا کر دیا۔ ایرانی جرنیل فیروزان بھاگ کر

پہاڑ کے ایک درّہ میں پہنچا جہاں شہد کی مکھیوں نے اسے گھیر لیا اور اتنا کاٹا کہ وہیں مر گیا۔ مسلمانوں نے یہ حال دیکھا تو کہا شہد کی مکھیاں بھی اللہ کے لشکروں میں سے ہیں۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر ہمدان پر قبضہ کر لیا۔ ہمدان کے آتشکدے میں چڑھاوے کا بہت سامان جمع ہو رہا تھا جو سب کا سب مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر ملا۔ اس مال غنیمت میں صرف خالص موتیوں کے دو ٹوکرے تھے جو مدینہ جا کر چالیس لاکھ درہم میں بکے حضرت عمرؓ نے نعمانؓ کی جگہ ان کے بھائی نعیم ابن مقرن کو سپہ سالار بنا دیا ۔

رَے کی تسخیر

۲۲ھ ۔ ۶۴۳ء

ایران سے اسلامی لشکر ایران کے پایۂ تخت رَے کی طرف بڑھا اسفندیار نام ایرانی جرنیل نے بحیرہ خزر کے جنوبی علاقہ سے ایک لشکر تیار کیا اور رَے کو بچانے کے لئے جنگ کی۔ ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ رَے تباہ ہو گیا۔ اسفندیار آذربیجان کی طرف پسپا ہوا۔ نعیم نے وہاں پہنچ کر اس کو ایک اور شکست دی۔ اسفندیار تنگ آ کر مسلمانوں سے مل گیا ۔

ایران کے اقطاع پر عام چڑھائی

۲۲ھ ۶۴۳ء

نہاوند کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے بصرہ اور کوفہ کی چھاؤنیوں کو احکام بھیجے کہ چھ لشکر چھ سالاروں کی سرکردگی میں ایران کی ولایت کی تسخیر کے لئے روانہ ہوں۔ ہر سر عسکر کو ایک ایک عَلَم عطا کیا گیا اور اس کی یلغار کی سمت اور ولایت مقرر کر دی گئی۔ احنف بن قیس خراسان کی۔ مجاشع ابن مسعود سابور و اردشیر کی۔ عثمان ابن العاص ولایت اصطخر کی۔ ساریہ ولایت فسا کی۔ سہیل ابن عدی کرمان کی۔ عاصم بن عمر سیستان کی۔ حکم بن عمیر مکران کی اور حذیفہؓ، عتبہ اور بکیر آذربیجان کی مہموں کو سر کرنے کے لئے مقرر ہوئے۔ اور عَلَم اور لشکر لے کر اپنے اپنے مفوضہ علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس طرح مسلمانوں نے ایران کے صوبے فارس۔ کرمان۔ سجستان خراسان اور آذربیجان دو سال کے اندر اندر آسانی سے سر کر لئے۔ ایرانیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ان میں کسی جگہ بھی مزاحمت کرنے کی قوت باقی نہ رہ گئی تھی۔ اسلام کے لشکروں نے ۲۱ھ میں اصفہان کو سر کیا ۶۴۳ء مطابق ۲۲ھ میں آذربیجان۔ طبرستان۔ ارمنستان اور فارس پر قبضہ

جمایا۔ ۲۲ھ مطابق ۶۴۳ء میں کرمان سیستان اور مکران کو زیر کیا۔ اور ۶۴۴ء مطابق ۲۳ھ میں خراسان کے تمام شہر نیشاپور۔ ہرات۔ بلخ۔ اور طوس وغیرہ سر کر لئے۔ یزدجرد اسلامی لشکروں کے اقدام کے آگے آگے۔ اصفہان۔ کرمان اور بلخ میں مقام کرتا ہوا مرو پہنچ گیا اور مرو میں بیٹھ کر خاقانِ تاتار اور فغفورِ چین سے امداد کا طالب ہوا۔ خاقانِ تاتار نے امداد کا وعدہ کیا اور کچھ فوج بھی بھیجی۔ یزدجرد کئی سال تک مرو ہی کے علاقے میں مارا مارا پھرتا رہا۔ وہ کبھی خاقانِ تاتار کے پاس چلا جاتا تھا اور کبھی قسمت آزمائی کے لئے ایرانی مملکت کے شمال مشرقی گوشے میں آ جاتا تھا۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے عہد تک اس کی کیفیت یہی رہی۔ آخر ۳۱ ہجری میں اس نے خاقانِ تاتار کی مدد سے پھر ایران میں گھسنے کی کوشش کی۔ اسلامی فوج مقابلہ کے لئے آئی تو خاقان اپنی فوج لے کر اپنے ملک (بخارا) کو چلا گیا۔ یزدجرد کو اس کے ہمراہی ایرانیوں نے بھی چھوڑ دیا وہ وہ جان چھپائے پھر رہا تھا کہ ایک پن چکی کی عمارت میں پہنچا جہاں ایک دہقان نے اسے قتل کر کے اس کے بدن کی قیمتی پوشاک اتار لی۔

یزدجرد اس خسرو پرویز کا جانشین اور ایران کی مملکت عظیم کا شہنشاہ تھا جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو جوشِ غضب نہ فرطِ تکبر میں آ کر چاک چاک کر دیا تھا۔

ایران کی تسخیر کے بعد جلد ہی ایران کے لوگ جو زرتشتی دین کے پیرو اور آتش پرست تھے مسلمان ہونے لگے کچھ بھاگ کر ہندوستان

چلے آئے۔ اور پارسی کہلانے لگے۔

یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلُ

تاریخ اسلام کی روایات ایران کی مہم کے سلسلے میں ایک حیرت انگیز واقعہ کا تذکرہ کرتی ہیں جو اسلامی لشکر کے ایک سالار ساریہ نامی کو کردستان کی پہاڑیوں میں پیش آیا۔ ساریہ اپنی فوج لے کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے ایک پہلو پر قریب ہی ایک پہاڑ واقع تھا جس پر کرد اور ایرانی جمع ہو رہے تھے تاکہ اسلامی لشکر پر اچانک حملہ کر کے اسے نقصان پہنچائیں۔ ساریہ کو اس حال کی مطلقاً خبر نہ تھی۔ یکایک ان کے کانوں میں حضرت عمرؓ کی آواز گونجی جو "یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ" پکار رہے تھے۔ انہوں نے پہاڑ کی طرف آدمی بھیجے تو حقیقتِ حال کھلی ساریہ نے ان کا قلع قمع کر دیا۔ روایت یہ ہے کہ عین اُسی وقت جب کہ یہ آواز ساریہ کے کانوں میں پہنچی حضرت عمرؓ مدینہ میں منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ خُطبہ کے دوران میں انہوں نے بلند آواز سے پکار کر کہا "یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ" لوگ حیران ہوئے کہ خُطبہ میں یہ بے تعلق ندا کیونکر آ گئی۔ ساریہ کے واپس آنے پر معلوم ہوا کہ اس ندا کی وجہ کیا تھی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس وہ کونسی ایسی طاقت تھی جس سے انہوں نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ٹیلی ویژن اور وائرلیس ٹیلی فون کا کام لیا۔ اس سوال کا جواب وہی لوگ پا سکتے ہیں جن کو فراستِ مومن کے متعلق کچھ واقفیت حاصل ہو[۱]

[۱] حدیث شریف میں ہے۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ اِنَّہٗ (بقیہ صفحہ ۵۲۰ پر)

مصر پر چڑھائی

۱۹ھ سنہ ۶۴۰ء

حضرت عمرؓ وبائے طاعون کے بعد ۱۹ھ مطابق ۶۴۰ء میں شام تشریف لے گئے تھے تو عمرو ابن العاصؓ نے اُن سے مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ عمرو ابن العاصؓ چار ہزار کی مختصر سی جمعیت لے کر فلسطین سے مصر کی طرف چل پڑے۔ حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ جمعیت کم ہے اس لئے انہوں نے تازہ فرمان دے کر قاصد بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ اگر تم نے سرحد کو عبور نہیں کیا تو واپس چلے آؤ لیکن اگر تم مصر کی حدود میں داخل ہو چکے ہو تو اللہ پر توکّل کرو اور مہم جاری رکھو عمروؓ ابن العاص کو قاصد ایسے حال میں ملا جب کہ وہ مارچ کرتے ہوئے سرحد پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن ابھی وہ فلسطین ہی کی حدود میں تھے۔ شاید قاصد نے انہیں اپنے عندیہ سے فرمان کے مضمون سے آگاہ کر دیا تھا کہ انہوں نے خلیفہ کا فرمان اُس وقت تک نہ کھولا جب تک کہ وہ سرحد کے خط کو عبور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۹) یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کی نور کی مدد سے دیکھتا ہے) مولّف

نہ کر گئے۔ لہٰذا انہوں نے فرمان کے مطابق اپنا اقدام جاری رکھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں رپورٹ بھیج دی کہ مجھے فرمان اُس وقت ملا جب میں مصر کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کی سرکردگی میں بارہ یا سولہ ہزار کا مزید لشکر کمک کے طور پر روانہ کر دیا۔ عمروؓ ابن العاص العریش کی راہ سے الفرما کی طرف بڑھے اور الفرما کا قلعہ آسانی سے سر کر لیا۔ الفرما سے انہوں نے بائیں ہاتھ کو مڑ کر دریائے نیل کی مشرقی شاخ کے ساتھ ساتھ وادیٔ نیل کے بالائی حصّہ پر ممفس (مصر) کی طرف یلغار کی۔ ہیلی پو لیس (عین الشمس) پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ مصر رومی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور اس کی چھاؤنیوں میں جا بجا رومی فوج مقیم رہتی تھی ملک کا داخلی انتظام مصریوں کے اپنے بادشاہ مقوقس کے ہاتھ میں تھا۔ یہ مقوقس وہی تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کے جواب میں تحایف بھیجے تھے اور لکھا تھا کہ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی۔ مقوقس نے عمرو ابن العاص کے پاس ایک پادری بھیجا جس نے مقوقس کی طرف سے چار دن کی مہلت مانگی۔ جو اسے دے دی گئی۔ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے بارے میں رومی کماندار اور مقوقس کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا مقوقس کہتا تھا کہ جو لوگ قیصر و کسریٰ کو شکست دے چکے ہیں ان سے ہم کیا لڑیں گے۔ لہٰذا اطاعت قبول کر لینی چاہیے لیکن رومی کماندار لڑنے کے حق میں تھا مقوقس اپنی فوج لے کر عین الشمس سے ہٹ کر ایک جزیرہ میں چلا گیا جو دریائے نیل کی دو شاخوں کے

درمیان واقع تھا۔ چار دن گزرنے پر اسلامی لشکر نے عین الشمس کے قلعے پر دھاوا بول دیا۔ رومی لڑے۔ زبیرؓ سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھ گئے ان کے پیچھے دو مسلمان بہادر بھی پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے لڑ بھڑ کر پھاٹک کھول دیا۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ فاتحین نے قلعہ سر کر لینے کے بعد دو دینار فی کس کے حساب سے مصریوں اور رومیوں پر جزیہ عائد کیا۔ مصریوں نے یہ شرط مان لی۔ رومی موقع پا کر دریا کی راہ سے بھاگ گئے۔

اسکندریہ کی تسخیر

سنہ ۲۰ھ سنہ ۶۴۱ء

عین الشمس (ہیلی پولس) کو سر کرنے اور مصریوں سے خراج اطاعت لینے کے بعد عمروؓ ابن العاص نے رومیوں کے تعاقب میں اسکندریہ پر چڑھائی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ بڑی شدید جنگ واقع ہوئی۔ عمروؓ ابن العاص اپنے ایک غلام اور ایک رفیق مسلمان کے ساتھ لڑتے بھڑتے شہر پناہ کے ایک برج میں داخل ہو گئے۔ رومیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ رومی افسر سے بات چیت ہو رہی تھی کہ عمرو ابن العاص کے غلام نے ان کے گال پر تھپڑ مارا۔ رومی افسر سمجھا کہ عمروؓ ابن العاص کوئی معمولی

سپاہی ہیں اِس لئے اُس نے چھوڑ دیا۔ اور کہا ہم اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہیں تم اپنے سردار کو جا کر یہ پیغام دے دو۔ اطاعت کی شرطیں طے ہوئیں مسلمانوں نے تمام قیدی رہا کر دیئے۔ شہر پر قبضہ جما لیا۔ کچھ یونانی جہازوں پر سوار ہو کر نکل گئے۔ کچھ دیہات کی طرف بھاگ گئے۔ عمروؓ ابن العاص نے ان کا تعاقب کیا۔ اور شہر میں تھوڑی سی جمعیت کو باقی چھوڑ کر میلوں دُور نکل گئے۔ یہ حال دیکھ کر وہ رُومی جو جہازوں پر سوار ہو کر قریب ہی منڈلا رہے تھے واپس لوٹے۔ انہوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ عمروؓ ابن العاص نے لوٹ کر اسکندریہ پر دوبارہ حملہ کیا اور شہر کو از سرِ نو سر کر لیا۔ مسلمانوں نے اسکندریہ میں لوگوں کے مال کو ہاتھ تک نہ لگایا کیونکہ شہر کے لوگ اطاعت قبول کر چکے تھے اور اپنے وعدے پر قائم رہے تھے۔

فسطاط کی بنیاد

اسکندریہ کو سر کرنے اور وہاں کا انتظام درست کر لینے کے بعد عمروؓ ابن العاص مصر کی طرف واپس لوٹے اور ہیلی یولس کے سامنے دریائے نیل کے مغربی کنارے پر فسطاط کی چھاؤنی آباد کی۔ کچھ مسلمان مشرقی کنارے پر غیزہ میں آباد ہو گئے جو ممفس کے قریب واقع تھا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں اب قاہرہ کا شہر آباد ہے۔ قاہرہ میں عمروؓ ابن العاص کی بنائی ہوئی مسجد آج تک موجود ہے۔

اہلِ مصر سے سلوک

حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ زمین کسانوں کے پاس رہے اور مسلمان ان سے حُسن سلوک سے پیش آئیں تاکہ ملک آباد ہو۔ چند ہی دن میں مصریوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت خوشگوار تعلقات قائم ہو گئے۔ مصری عرب مسلمانوں کی سادگی پر پھبتیاں اڑاتے تھے۔ ایک دن عمروؓ ابن العاص نے مصریوں کو ضیافت پر بُلایا اور عربوں کے دستور کے مطابق اونٹوں کا گوشت بھُون کر دسترخوان لگایا۔ مصری اور عرب اس دسترخوان پر بیٹھے۔ عربوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ لیکن مہذب و متمدن مصری دیکھتے رہ گئے وہ اچھی غذائیں اور عمدہ کھانا کھانے کے عادی تھے۔ دوسرے دن پھر دعوت کی گئی۔ اور کھانے مصریوں کے دستور کے مطابق تیار کرائے گئے۔ عرب ان کھانوں کو بھی مصریوں کے بالمقابل بیٹھ کر چٹ کر گئے۔ ازاں بعد عرب سپاہیوں نے مصریوں کو اپنے فوجی کرتب دکھائے اور عمروؓ ابن العاص نے مصریوں سے کہا کہ تم نے دیکھ لیا کہ عرب مجاہد ہر طرح کی زندگی بسر کر سکتے ہیں اور سادہ اور عمدہ دونوں قسم کے کھانے کھا سکتے ہیں۔ مصری ان ضیافتوں سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے عربوں کی سادہ زندگی پر پھبتیاں کسنے کا وطیرہ ترک کر دیا۔

نہر سویز کی مرمت

عمروؓ ابن العاص نے ایک قدیمی نہر کو جو مٹی اور ریت کے انبار وں سے اٹی پڑی تھی صاف کرایا یہ نہر دریائے نیل کو بحیرۂ قلزم کے ساتھ ملاتی تھی یہ نہر مصر کی ایک ملکہ ہیط شپ سُط نامی نے ۱۵۰۰ سال ق۔م کے قریب کھدوائی تھی۔ اسی ملکہ کے عہد میں مصر کا بیڑا اس نہر میں سے گزر کر بحیرۂ قلزم کی راہ سے پُنت (سمالی لینڈ) کی سرزمین کی طرف گیا تھا۔ اس کے بعد اس نہر کو مصر کے ایک بادشاہ فرعون نیکوہ نے آٹھ سو ق۔م کے قریب صاف کرایا۔ ازاں بعد داریوش ایرانی نے مصر فتح کرنے پر اس کی مرمت کرائی۔ تیسری دفعہ اس کی صفائی عمروؓ ابن العاص نے کرائی۔ اس نہر کے باعث عرب اور مصر کے درمیان تجارتی مال کی آمد و رفت آسان ہو گئی۔ عمرو ابن العاص نے اس نہر کا نام "خلیجِ امیر المومنین" رکھا۔

عروس نیل

عمروؓ ابن العاص کی حکومت کے دوسرے یا تیسرے سال دریائے نیل میں اپنے وقت پر طغیانی نہ آئی۔ اور لوگ قحط سالی کے خوف سے ہراساں ہونے لگے۔ مصریوں کا قدیمی دستور تھا کہ جس سال دریائے نیل میں اپنے وقت پر طغیانی نہیں آتی تھی وہ ایک خوبصورت کنواری لڑکی کو دلہن کی طرح سجا کر بہت بڑے جلوس کے ساتھ دریائے نیل پر لے جاتے تھے

اور اسے گہرے پانی میں لے جاکر ڈبو دیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ نیل کا دیوتا اس بھینٹ سے خوش ہو کر پانی دے دیتا ہے۔ اس سال بھی وہ عروسِ نیل کی قربانی دینے کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ عمروؓ ابن العاص نے انہیں روک دیا اور حضرت عمرؓ کو حقیقتِ حال کی اطلاع دے کر اُن سے حکم مانگا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا ایک قاصد دریائے نیل کے نام ایک خط دے کر روانہ کر دیا جس میں لکھا تھا کہ "اے نیل! اگر تو اس سے پہلے اپنی مرضی سے طغیانی پر آ کر پانی دیا کرتا تھا، تو جس طرح چاہے کر۔ لیکن اگر تو خدا کی مشیّت سے ایسا کرتا تھا تو ہم خدا ہی سے دُعا کرتے ہیں کہ پانی چڑھ آئے اور زمین سیراب ہو جائے"۔

حضرت عمرؓ نے لکھا تھا کہ میرا یہ خط دریا میں ڈال دو اور عروس النیل کی جان کو یوں ضائع نہ کرو۔ خلیفہ کا یہ خط دریا میں ڈال دیا گیا اور دریا عروس نیل کی بھینٹ لئے بغیر طغیانی پر آگیا۔ مصر کے لوگ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے + اس طرح حضرت عمرؓ نے انسانی جان کی قربانی کی ایک قبیح رسم کو بند کر دیا جو زمانہ ہائے دراز سے چلی آ رہی تھی۔

اسکندریہ کی لائبریری

اسکندریہ کا شہر تین سو سال قبل مسیح کے وقت سے لے کر علمی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز چلا آ رہا تھا بطلیموسی یونانیوں کے عہد میں یہاں

بہت کچھ علمی تحقیقاتیں ہوئیں اور ایک بہت بڑا کتب خانہ بنایا گیا جس میں ہر قسم کی علمی تحقیقات کی کتابیں جمع کی جاتی تھیں۔ عالم اور خوشنویس اس کام میں مصروف رہتے تھے۔ کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ جس کے بیشتر حصہ کو رومی قیصر نے ۴۶ ق۔م میں مصر پر حملہ کرنے کے وقت نذرِ آتش کر دیا تھا۔ پھر بھی اس کتب خانہ کی روایات جاری رہیں اور عمروؓ ابن العاص کے حملہ کے وقت پھر کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا۔ ایک پادری نے عمروؓ ابن العاص سے درخواست کی کہ یہ کتب خانہ اسے عطا کر دیا جائے۔ عمروؓ ابن العاص نے حضرت عمرؓ سے حکم مانگا۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اگر یہ کتابیں اللہ کی کتاب قرآن سے علیحدہ مطالب کی حامل ہیں تو ان کا رکھنا درست نہیں اور اگر وہ قرآن کے مطابق ہیں تو ان کا رکھنا ضروری نہیں مسلمانوں کو صرف کتاب اللہ ہی کافی ہے۔ اس حکم کے موصول ہونے پر عمروؓ ابن العاص نے کتب خانہ کے انبار کو ایندھن بنا لیا [1]۔

مخفی نہ رہے کہ اسکندریہ کا یہ عالی شان کتب خانہ رومی قیصر جولیس سیزر کے حکم سے ق م میں نذرِ آتش کیا گیا تھا۔

---

[1] یہ روایت تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے اس لئے ہم نے بھی اسے درج کر دیا ہے۔ لیکن درایت سے یہ روایت درست اور قرین قیاس نظر نہیں آتی۔ مؤلف

علامہ شبلی نے بھی اپنے تاریخی تحقیقی مقالہ "کتب خانہ اسکندریہ" نامی میں اس روایت کو غلط ثابت کیا ہے۔

طرابلس پر چڑھائی

۲۳ھ = ۶۴۴ء

عمرؓو ابن العاص نے ۲۳ھ میں برقہ اور طرابلس پر چڑھائی کی اور ساحل بحر کے ساتھ ساتھ یلغار کر کے شہر طرابلس تک کا علاقہ سر کر لیا۔ یہ مُلک بھی رُومیوں ہی کے زیر اقتدار تھا۔ لیکن ان رُومی فوجوں نے جو مُلک طرابلس کے قلعے میں مقیم تھیں۔ کسی قسم کی قابل ذکر مزاحمت نہ کی۔ طرابلس کا شہر رُومیوں کے لئے غلاموں کی منڈی تھا۔ جہاں سے وہ حبشی غلام خرید کر اپنے مُلک میں لے جاتے تھے ۔

عہد فاروقی کے دیگر اہم واقعات

جزیرۃ العرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کا اخراج

۱۴ھ و ۱۵ھ

عرب کے بُت پرست سب کے سب مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن نجران

کے علاقہ میں عیسائیوں کی آبادیاں بدستور موجود تھیں جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں صلح و امان کا معاہدہ طے ہو گیا تھا۔ نجران کے عیسائی معمولی جزیہ کے علاوہ کپڑے کے دو ہزار تھان ہر سال خراج کے طور پر ادا کرتے تھے اور مسلمان ان کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار تھے حضرت صدیق رض کے عہد میں بھی یہ دستور جاری رہا اور حضرت عمر رض نے بھی اپنے عہد کے ابتدائی سالوں میں ان سے اسی پرانے معاہدے کے مطابق سلوک کیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر رض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت بھی یاد تھی جس میں حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ "یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا" حضرت صدیق رض اور حضرت عمر رض ان لوگوں پر جن کے ساتھ معاہدے ہو چکے تھے جبر تو کر نہیں سکتے تھے اس لئے انہوں نے توقف سے کام لیا۔ جب اسلام کے لشکروں نے عراق اور شام کے ممالک فتح کر لئے تو یہ صورت پیدا ہو گئی کہ نجران کے عیسائیوں کو عرب سے باہر کسی دوسری جگہ آباد کر دیا جائے۔ حضرت عمر رض نے نجران کے عیسائیوں کو ترک وطن پر آمادہ کر لیا۔ انہیں اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں شام کے ملک میں جا کر آباد ہو جائیں چاہیں عراق میں چلے جائیں دونوں جگہ انہیں بیت المال کی زمینیں دی جائیں گی اور آباد ہونے کے لئے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ کچھ لوگ شام کو چلے گئے لیکن ان کی اکثریت نے کوفہ کے قریب ایک نئی بستی بسائی جس کا نام نجرانیہ رکھا گیا۔ معاہدہ کی شرطیں بدستور قائم رہیں جن کا احترام بعد میں آنے والے خلفا اور سلاطین برابر کرتے رہے۔ بلکہ نجرانیہ کے عیسائیوں کو مزید رعایتیں دیتے رہے۔ مرور وقت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ

مسلمان ہوتے چلے گئے اور عیسائیوں کی تعداد گھٹتی گئی۔ تعداد کی کمی کے لحاظ سے ان کا خراج بھی کم ہوتا گیا۔

خیبر میں یہودی آباد تھے۔ یہ لوگ معاہدہ تھے مفتوح تھے اور اپنی اراضی اور باغات کی پیداوار کا نصف اسلامی بیت المال کو دیتے تھے۔ اس کے باوجود یہ لوگ شرارتوں پر کمربستہ رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں انہوں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا اور عبداللہؓ بن عمرؓ پر حملہ کیا۔ ان یہودیوں کو ان کی زمینوں کے حق ملکیت کا معاوضہ دے کر عرب سے نکال دیا گیا۔ انہیں اسلامی مملکت میں کسی دوسری جگہ بستی بسانے کی وہ سہولتیں دی گئیں جو نجران کے عیسائیوں کو دی گئی تھیں۔

معاش کی حد بندی

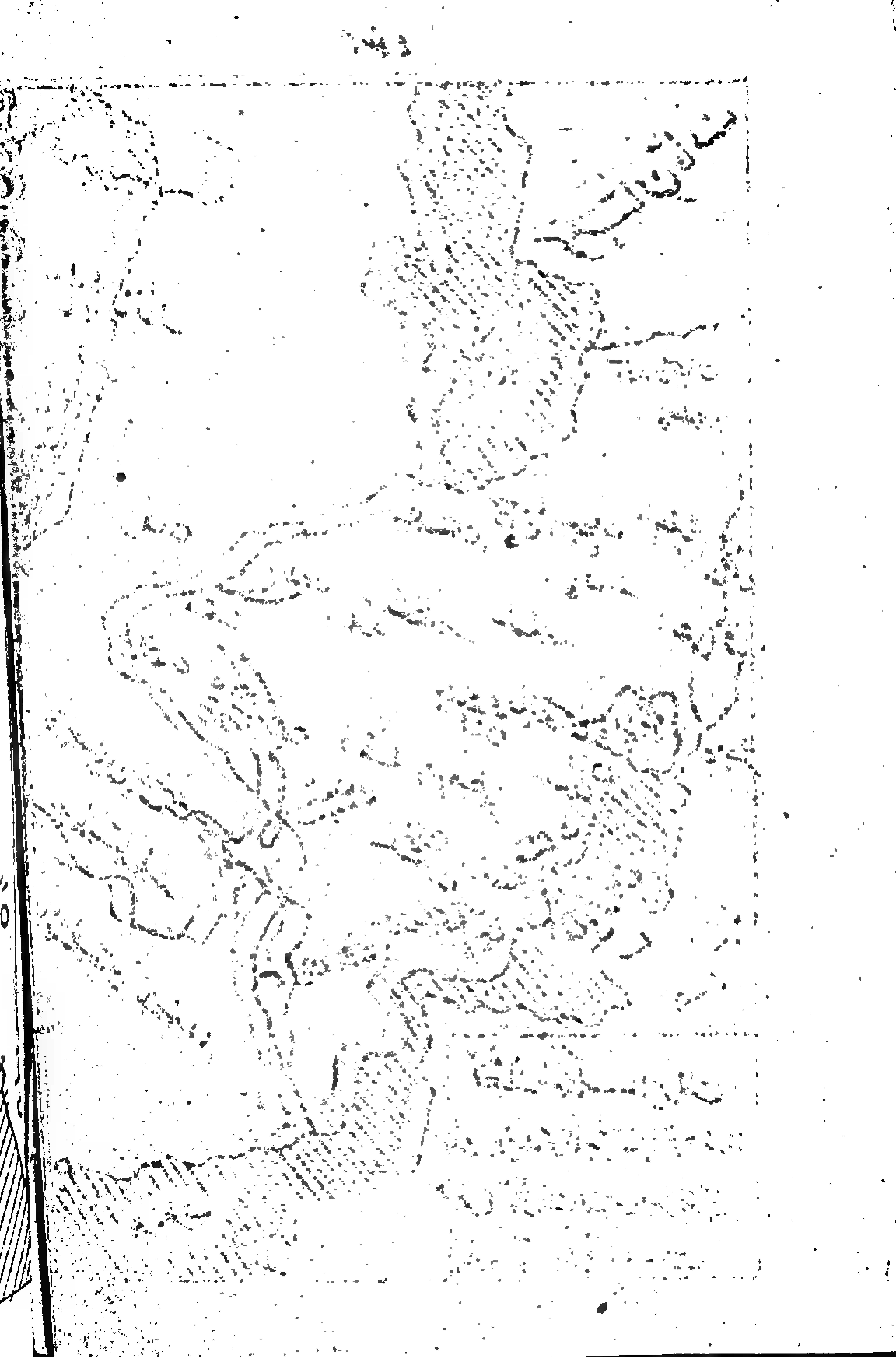
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقؓ کے عہد سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ غنیمت کا مال فی الفور مسلمانوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مال غنیمت بہت کثیر مقدار میں آنے لگا تو اس کی تقسیم میں دقتیں محسوس ہونے لگیں۔ حضرت عمرؓ نے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ مال غنیمت کی تقسیم کو باقاعدہ کر دیا جائے اور ہر مسلمان کے لیے سالانہ معاش کی مقدار متعین کر دی جائے جو اسے وقت پر بیت المال سے ملتی رہا کرے۔ تقسیم کو باقاعدہ بناتے وقت یہ سوال بھی سامنے آیا کہ سبقت فی الاسلام، خدمت فی الجہاد، اور قرابت داری رسولؐ کا امتیاز رکھنے والے لوگوں



نقشہ ملک ایران

ان ولایات کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت عمر فاروق کے عہد میں سر ہوئیں

پیمانہ ۲/۳ انچ ۲۸۰ میل




روم
بحیرۂ روم
شام
فلسطین
القدس
ایلہ
فسطاط
مصر
مصر
دریائے نیل
براعظم افریقہ
حبشہ
مدینہ
نقشہ ملک مصر
جسمیں عمر فاروق رض کی جہات کے اہم
اہم مقام درج ہیں
پیمانہ ۳/۴ انچ ۲۸۰ میل

کو دوسروں کی بہ نسبت بہتر معاش دیا جائے۔ اس تجویز کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا دنیوی مال کی کمی بیشی تو محض ایک حادثہ ہے اسلام کی ممتاز خدمات بجا لانے والوں کو آخرت میں خدا کے ہاں سے بڑا اجر ملے گا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے معاش کی حد بندیاں کر دیں۔ اور حسب ذیل مدارج مقرر کئے گئے:۔

(۱) امہات المومنین یعنی رسول اللہؐ کی ازواج مطہرات کو	دس دس ہزار درہم سالانہ
(۲) غزوۂ بدر شریک ہونے والے صحابہ کرامؓ کو.........	پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ
(۳) بیعت رضوان والے صحابہ کرام کو............	چار چار ہزار درہم سالانہ
(۴) فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کرنے والے مجاہدین کو........	تین تین ہزار درہم سالانہ
(۵) شام اور عراق کی جنگوں میں شامل ہونے والوں کو.....	دو دو ہزار درہم سالانہ
(۶) اصحاب بدرؓ کے بیٹوں کو.............	دو دو ہزار درہم سالانہ
(۷) قادسیہ اور یرموک کے معرکوں کے بعد جہاد میں شامل ہونے والوں کو	ایک ایک ہزار درہم سالانہ
(۸) نمایاں جنگی کارنامے انجام دینے والوں کو.........	مزید پانچ پانچسو درہم سالانہ
(۹) باقی لوگوں کو حسب مراتب خدمات........	پانچسو سے دو سو درہم تک سالانہ
(۱۰) اہل بیتؓ میں سے حضرت عباسؓ کو...........	پانچ ہزار درہم سالانہ
(۱۱) اہل بیتؓ کے دیگر افراد کو...........	حسب قرابت مختلف رقمیں

.... معاش کی اس حد بندی میں عورتوں کو مردوں سے دسواں حصہ الگ دیا جاتا تھا۔ بیواؤں، اور یتیموں کے الگ وظائف بھی مقرر ہوئے۔ ہر نو وارد کو دس درہم سالانہ رسید جاتے تھے۔ غلاموں کو حسب درجہ خدمت آزادوں کے مساوی حصہ دیا جاتا تھا۔ عرب کے باہر غیر عرب مسلمانوں کو بھی حسب مراتب خدمات

وظائف دیئے گئے بعض ایرانی سردار چار چار ہزار درہم سالانہ کے درجہ میں رکھے گئے۔ قریش کے بعض سرداروں نے معاش کی اس حد بندی پر اعتراض کیا اور کہا کہ شرافتِ نسبی کی بنا پر ہمیں زیادہ حصّہ ملنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ معاش کی یہ درجہ بندی محض سبقت فی الاسلام کی بنا پر ہے۔ شرافتِ نسبی کی بنا پر نہیں جسے اسلام تسلیم نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے شیر خوار بچوں کے لئے وظیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بچہ رو رو کر ہلکان ہو رہا ہے لیکن اس کی ماں اسے دودھ نہیں پلاتی۔ دریافتِ حال پر پتہ چلا کہ وہ قبل از وقت بچے کا دودھ اس لئے چھڑانا چاہتی ہے تاکہ بیت المال سے اس کا وظیفہ لگ جائے۔ حضرت عمرؓ کو بہت افسوس ہوا آپ نے کہا "عمرؓ! خدا جانے تو کتنے بچوں کی جان پر ظلم کر چکا ہے"۔ آپ نے اسی وقت شیر خوار بچوں کا وظیفہ یومِ ولادت ہی سے مقرر کر دیا۔

اس سلسلے میں اس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلام کی ممتاز خدمات بجا لانے والوں کے لئے زیادہ معاش مقرر کر دیا تھا تاہم اس دور کے مسلمان بالعموم اور صحابہ کرامؓ بالخصوص اس معاش میں سے محض بقدرِ ضرورت خود صرف کرتے تھے باقی راہِ خدا میں صرف کر دیتے تھے۔ امہات المومنین تو اپنی شرح دیانت سے رائد مال فی الفور مساکین میں بانٹ دیا کرتی تھیں۔

دیوان کی ترتیب

معاش کے تقرر و تعین کے باعث حضرت عمرؓ کو ملت کے تمام افراد

نمازِ جنازہ مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ دیوان کے نام سے یہ رجسٹر بنایا گیا جس میں قبیلہ وار سب کے نام درج کئے گئے۔ یہ بہت بڑا کام تھا لیکن حضرت عمرؓ کے حکم سے مسلمانوں نے اسے درجہ تکمیل تک پہنچایا اس رجسٹر میں نومولود بچّوں کے نام درج ہوتے رہتے تھے اور وفات پا جانے والوں کے نام کاٹ دیئے جاتے تھے۔

قرآن مجید کی حفاظت

مسیلمہ کذّاب کی جنگ میں قرآن مجید کے حفّاظ بہت بڑی تعداد میں شہید ہو گئے تھے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو توجہ دلائی کہ اگر ایسے لوگ ناپید ہو گئے جن کو سارا قرآن یاد ہے تو قرآن نامکمل شکل میں مسلمانوں کو یاد رہ جائے گا اور آہستہ آہستہ مسلمان اسے بھول جائیں گے۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے زید بن ثابتؓ کو جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاتبِ وحی تھے قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ زیدؓ پہلے تو یہ کام کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کرایا وہ اب کیوں کیا جائے۔ لیکن آخر انہیں قائل کر لیا گیا۔ زیدؓ نے کھجور کے پتوں، چمڑے کے ٹکڑوں۔ ہڈیوں۔ سفید پتھر کی تختیوں اور حفّاظ کے سینوں سے قرآن پاک کی آیتیں جمع کر کے از سرِ نو لکھیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ترتیب دی۔ یہ کام جو حضرت صدیقؓ کے عہد میں شروع ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جا کر پایۂ اختتام کو پہنچا۔

قرآن پاک کا یہ مکمل نسخہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں رکھ دیا گیا۔ اور مستند قرار پایا۔

مطافِ کعبہ کی توسیع

حضرت عمرؓ نے ایک حج کے موقع پر ضرورت محسوس کی کہ حرم کعبہ کا مطاف بہت تنگ ہے اسے وسیع کرانا چاہیئے۔ مطاف کے ساتھ ہی لوگوں کے مکان ملحق تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے وہ مکان خرید لئے اور مطاف کو وسعت دی۔ بعض لوگ مکان بیچنے پر رضامند نہ ہوئے۔ ان کے مکان حکماً خالی کرا کے گرا دیئے گئے اور ان کے حساب کی قیمتیں بیت المال میں ان لوگوں کے نام پر جمع کر دی گئیں۔ جو انہوں نے کچھ وقت گزر جانے پر لے لیں۔ حضرت عمرؓ نے حرم کعبہ کی حدود کے نشانوں کی از سر نو مرمت کرائی اور مدینہ سے مکہ تک ہر منزل پر حاجیوں اور مسافروں کی آسائش کے لیے سرائیں بنوائیں۔

سن ہجری کی ترویج

حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ سوال سامنے آیا سرکاری کاغذات میں تاریخ بندی کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے سن ہجری تجویز کیا اور اس کے بعد تمام تاریخیں اسی بنا پر محسوب ہونے لگیں۔

ایک ناکام مہم

حضرت عمرؓ نے ۱۹ھ ہجری میں چھ سو مسلمانوں کی ایک جمعیت حبشہ

کی طرف کشتیوں پر سوار کر کے روانہ کی کشتیاں ابھی راہ میں تھیں کہ بحیرہ قلزم میں طوفان آ گیا اور بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں۔ کچھ اِدھر اُدھر بکھر گئیں اور کناروں پر دور دور جا لگیں۔ اس حادثہ میں بہت سے مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو گئیں۔ اسی سال مدینہ کے قریب کوہ لیلیٰ نے آتش فشانی کی۔ حضرت عمرؓ نے قدرت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر بہت سا مال بطور خیرات تقسیم کرایا۔

عسکری اور ملکی انتظام

حضرت عمرؓ اسلام کے پہلے خلیفہ تھے جنہیں ملک عرب کے علاوہ ایک وسیع مملکت کے انتظامات کی دیکھ بھال کرنی پڑی۔ دیوان کی ترتیب کے علاوہ انہیں حسابات مالی کا ایک محکمہ بھی قائم کرنا پڑا کیونکہ ساری مملکت کے خراج، محاصل، جزیہ، عشر، زکات، سرکاری زمینوں اور اوقات کی آمدنی اور کانوں کی آمدنی کا حساب رکھنا تھا۔ محاسب اور محرر پہلے شامی اور عراقی لوگ مقرر کئے گئے جو ان کاموں سے واقف تھے پھر رفتہ رفتہ عربوں نے بھی حسابات رکھنے کے فن میں مہارت حاصل کر لی۔ اور ان میں سے بھی محاسب اور محرر مقرر ہونے لگے۔

عسکری نظام حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی وہی رہا جو پہلے سے چلا آ رہا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے عراق، شام، مصر اور ایران میں اپنی چھاؤنیاں ڈالیں اور نئی آبادیاں قائم کیں۔ حضرت عمرؓ عربوں کو زمینوں کا مالک بننے اور کھیتی باڑی کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ انہیں اسلام کا مجاہد رکھنا چاہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں پیادہ سپاہ کے علاوہ ایک مستقل رسالہ بھی مرتب کیا گیا اس رسالہ کے لئے گھوڑوں کی پرورش کا الگ صیغہ قائم کیا گیا۔ یہ رسالہ مملکت کی مختلف چھاؤنیوں میں بٹا ہوا تھا۔ چار ہزار نیزہ بردار سوار صرف کوفہ کی چھاؤنی میں رہتے تھے۔

ملکی انتظام کے لئے حضرت عمرؓ مختلف ولایتوں کے لئے گورنر خود مقرر کرتے تھے۔ اور ان کے اعمال کی باز پرس باقاعدہ کی جاتی تھی۔ گورنر کے علاوہ ہر شہر کے لئے قاضی اور معلم دین کا تقرر بھی خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ گورنر کے فرائض میں امن کا قیام۔ نماز کا قیام۔ خطبہ۔ وعظ اور فوجی اور مالی امور کا انتظام داخل تھے۔ قاضی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے ہر صیغہ کے لئے ماتحت افسر مقرر کئے جاتے تھے جو گورنر کے مددگار ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے مالیہ اور لگان وہی قائم رہنے دیا جو قیصر و کسریٰ کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔ البتہ کسانوں کی سہولت کے لئے عراق، شام اور مصر کی زمینوں کی از سر نو پیمائش کرائی اور مالیہ وغیرہ کی شرحیں نئی پیمائش کے مطابق مقرر کی گئیں۔ نہروں کی مرمت و نگہداشت۔ آبپاشی کے انتظام کی اصلاح۔ اور زمینوں کی آبادی اور کاشت کو ترقی دینے کے لئے حکام کو خاص تاکیدیں کی جاتی تھیں۔ ان انتظامات کی دیکھ بھال اور ترقی کے لئے خاص افسر متعین ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ رفاہِ عامہ کے امور کی خاص طور پر دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ اسلام کی حکمرانی عوام کے لئے امان، حفاظت، عدل کی تقسیم، رفاہی انتظامات اور ترقیات کے اعتبار سے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں سے بدرجہا بہتر

بنائی گئی جسے ان ملکوں کے عام باشندوں نے خوش آمدید کہا۔

گورنروں کا تقرر اور عزل

حضرت عمرؓ کا عام قاعدہ یہ تھا کسی مہم پر بھیجنے کے لیے فوجی سالاروں کا تقرر بہت احتیاط سے کرتے تھے اور جب کوئی سالار کسی نئے علاقہ کو سر کر لیتا تھا تو اُسے وہیں کا حاکم بنا دیتے تھے۔ اس طریقہ سے انہوں نے اپنے عہد میں حسب ذیل حاکم مقرر کیے جن میں سے بعض کو انہیں بعد میں کسی غفلت تساہل یا نا اہلی کی بنا پر معزول بھی کر دیا۔

فتح دمشق کے بعد ابو عبیدہؓ کو ملکِ شام کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ یہ تقرر ہر لحاظ سے بہت موزوں ثابت ہوا۔ ابو عبیدہؓ بہت نرم دل شخصیت کے مالک تھے اس لیے انہوں نے ملکِ شام کے لوگوں سے بہت اچھا سلوک کیا اور ان کے دلوں پر حکومت اسلامی کی خوبیوں کی دھاک بٹھا دی۔ شرحبیلؓ کو ولایت اُردن کا حاکم بنایا اور عمروؓ ابن العاص فلسطین کے گورنر مقرر ہوئے۔ یزیدؓ ابن ابو سفیانؓ ولایت دمشق کے حاکم بنائے گئے۔ جب عمروؓ ابن العاص نے مصر کا ملک فتح کر لیا تو انہیں وہاں کی حکومت تفویض کی گئی۔ یزیدؓ کی وفات پر ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہؓ ابن ابو سفیانؓ کو سونپ دی گئی۔ شرحبیلؓ کو نمائش پسندی کی بنا پر معزول کیا تو ولایت اردن کا انتظام عمروؓ ابن العاص کو تفویض کر دیا گیا جب عمروؓ ابن العاص مصر کے حاکم بن گئے تو فلسطین و اُردن کی ولایتیں دمشق سے متعلق ہو گئیں۔ ابو عبیدہؓ ۱۸ھ کی وبائے طاعون

میں فوت ہو گئے۔ انہوں نے اپنا جانشین معاذؓ کو بنایا تھا لیکن معاذؓ بھی چند دن کے بعد فوت ہو گئے اس لئے معاویہؓ شام، اردن اور فلسطین کے حاکم اعلیٰ بنا دیئے گئے۔ خالدؓ کو قنسرین کی ولایت کا حاکم بنایا گیا تھا لیکن انہیں محض اس بنا پر معزول کر دیا گیا کہ عام مسلمان فتح و نصرت کو خالدؓ کی شجاعت اور جنگی مہارت پر محمول کرنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی اور طاقت پر بھروسا کرنے لگیں۔ ان حالات کے باعث معاویہؓ شام، اردن اور فلسطین کی ساری مملکت کے حاکم اعلیٰ بن گئے۔ مخفی نہ رہے کہ وبائے طاعون کے باعث شام کے مجاہدین میں قحط الرجال پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے انتظام کی یہ صورت ناگزیر ہو گئی۔

سعدؓ ابن ابی وقاص نے عراق کی مملکت سر کی تھی۔ انہیں وہاں کا حاکم بنا دیا گیا جنہوں نے پہلے مدائن کو اور پھر کوفہ کی نو آباد چھاؤنی کو اپنا مرکز بنایا۔ سعدؓ نے چند سال حکومت کی تھی کہ ان کے خلاف حضرت عمرؓ کو یہ شکایت موصول ہوئی کہ وہ نمازوں کے قیام میں تساہل سے کام لینے لگے ہیں۔ چنانچہ ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ مدینہ سے ایک عمر رسیدہ صحابی عمارؓ نامی کو حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ عمار بہت بوڑھے اور نرم طبیعت کے مالک تھے۔ اس لئے وہ انتظامات کو خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھال نہ سکے۔ ان کی جگہ ولایت بصرہ کے حاکم ابو موسےٰ اشعری کو بصرہ سے تبدیل کر کے کوفہ بھیج دیا۔ کوفہ کے لوگوں نے ابو موسےٰ کے خلاف یہ شکایت کی کہ ان کے غلام نے پل پر پہنچ کر پیش دستی چارہ خرید لیا اور

اسے منڈی میں پہنچے نہ دیا۔ اس پر ابو موسیٰ واپس بلا لیئے گئے اور ان کی جگہ مغیرہ کو کوفہ (عراق) کا حاکم مقرر کیا گیا۔

عمارؓ کو واپس بلانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کے احساسات کیا ہیں۔ عمارؓ نے جواب دیا کہ جب آپ نے مجھے حاکم مقرر کیا تھا تو مجھے خوشی نہ ہوئی تھی لیکن جب آپ نے مجھے معزول کر دیا تو مجھے کسی قدر رنج ضرور ہوا۔

بصرہ کی ولایت عتبہ نے فتح کی تھی وہی اس کے حاکم بنائے گئے۔ ان کے خلاف شکایت پہنچی کہ وہ آرام طلب ہو گئے ہیں اور دنیوی آسائشوں کے دلدادہ بن گئے ہیں۔ اس شکایت پر حضرت عمرؓ نے عتبہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ مغیرہ بن شعبہ حاکم بنائے گئے۔ اہل بصرہ نے ان پر زنا کا الزام لگایا مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا الزام لگانے والے صرف تین گواہ پیش کر سکے چوتھا گواہ یعنی شہادت دینے سے منکر ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ گواہوں کو تازیانے لگائے جائیں۔ تازیانے لگائے جا رہے تھے کہ مغیرہ نے کہا کہ ان کو خوب زور سے تازیانے لگائے جائیں حضرت عمرؓ بولے "خاموش رہو تمہارا بچاؤ صرف ایک گواہ کی کمی کے باعث ہوا ہے ورنہ دھر لئے گئے تھے۔" اس مقدمہ کے بعد حضرت عمرؓ نے مغیرہ کو حکمرانی سے معزول کر دیا۔ اور ان کی جگہ ابو موسیٰ کو بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ ابو موسیٰ بھی بصرہ کے لوگوں کے الزامات سے نہ بچ سکے۔ ایک شخص ضبہ نامی نے مدینہ پہنچ کر دعویٰ دائر کیا۔ ابو موسیٰ جواب دہی کے لئے بلائے گئے۔ ضبہ نے پہلا الزام یہ لگایا ہے:

ضبہ :- ابوموسےٰ نے جنگی قیدیوں کو اپنا ذاتی غلام بنا رکھا ہے۔
ابوموسےٰ :- یہ جنگی قیدی ایران کے امیرزادے تھے۔ انہوں نے بعد قید کے طور پر لشکر کی خدمات ادا کیں میں نے زر فدیہ دے کر انہیں رہا کرا لیا اب وہ برضا و رغبت میری خدمت کر رہے ہیں۔
ضبہ :- آپ نے ٹھیک جواب دیا لیکن جو میں نے کہا تھا وہ بھی ٹھیک تھا۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ حاکم نے زمین کے دو ٹکڑے اپنے لئے مخصوص کر رکھے ہیں۔ حالانکہ صرف ایک ٹکڑا ان کو ملنا چاہیئے تھا۔
ابوموسےٰ :- میں نے ایک ٹکڑا اپنی سکونت کے لئے لیا اور دوسرا ٹکڑا مہمانوں کے لئے۔
ضبہ :- ٹھیک ہے لیکن جو میں نے کہا تھا وہ بھی غلط نہ تھا۔ تیسرا الزام یہ ہے کہ ابوموسےٰ نے اپنے گھر میں ایک خوبصورت خادمہ رکھی ہوئی ہے۔
ابوموسےٰ نے اس الزام کا کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ یہ کوئی الزام نہ تھا۔
ضبہ :- چوتھا الزام یہ ہے کہ انہوں نے ایک شاعر کو ایک ہزار درہم انعام دیا۔
ابوموسےٰ :- مجھے اس سے انکار نہیں لیکن میں نے اس کا منہ بند کرنے کے لئے یہ انعام دیا تھا کہ وہ ہجو نہ کہے۔
ضبہ :- ابوموسےٰ نے زیاد کو جو ابھی نوجوان ہیں اپنا سکرٹری بنا رکھا ہے حکومت کی مہریں اسی کے پاس رہتی ہیں۔
ابوموسےٰ :- میں زیاد کو اس منصب کا اہل پاتا ہوں اس لئے اس پر اعتماد

سمجھتا ہوں

حضرت عمرؓ یہ سوال وجواب سن کر ضبہ پر ناراض ہوئے اور کہا سچ کی تحریف بھی جھوٹ کے برابر ہے اور جھوٹ جہنم میں لے جاتا ہے۔ ابوموسیٰ بدستور گورنر بنے رہے۔ تاآنکہ انہیں تبدیل کرکے کوفہ کا گورنر بنا دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ کی خادمہ اور زیاد کو ان سے الگ کرکے مدینہ میں رہنے کا حکم دیدیا۔

حضرت عمرؓ نے مملکت عرب کے دوسرے اقطاع پر جو حاکم مقرر کر رکھے تھے ان میں سے ایک علاءؓ تھے جو بحرین کے حاکم تھے نعمان ابن مقرن کو ایران کا حاکم مقرر کیا تھا ان کی شہادت پر ان کے بھائی نعیم حاکم بنائے گئے۔ صرف کوفہ اور بصرہ کی نوآباد چھاؤنیوں میں گورنروں کا ردوبدل ہوتا رہتا تھا ان چھاؤنیوں کے باشندے شورش پسند بدوی قبائل کے لوگ تھے اس لئے ہر گورنر کے خلاف شکایات کرتے رہتے تھے۔ گورنروں کے معاملہ میں حضرت عمرؓ بہت سخت گیر تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ گورنر اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ بنے رہیں لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عامی ماحول گورنروں۔ حاکموں اور عام مسلمانوں کو متاثر کرنے لگے تھے۔ اور جس معیار پہ حضرت عمرؓ انہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس پر وہ پورے نہیں اترتے تھے۔ مصر کی ایک ولایت کے حاکم عیاض بن غنم کے متعلق شکایت موصول ہوئی کہ وہ ریشمی لباس پہننے لگے ہیں حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا باز پرس کی اور ریشمین کپڑے اتروا کر اونٹ کے بالوں سے بنا

ہوا خالص عربی لباس پہنایا اور ان کے ہاتھ میں عصا دے کر کہا کہ بکریاں چراؤ۔ عیاض نے عذر کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "تمہارے باپ دادا یہی کام کرتے تھے تمہیں اس کام سے کیوں عار ہے؟"

حضرت عمرؓ کی شہادت

۲۳ھ ۶۴۴ء

چہارشنبہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو حضرت عمرؓ حسب معمول فجر کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں آئے۔ امامت کے لئے کھڑے ہوئے۔ ابھی اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھی تھی کہ کسی نے مقتدیوں کی صف سے آگے بڑھ کر ان پر خنجر کے وار کئے۔ یکے بعد دیگرے چھ زخم لگائے۔ حضرت عمرؓ مصلے پر گر پڑے۔ حملہ آور نے چند اور مسلمانوں کو بھی زخمی کیا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ گرفتار ہونے سے پہلے اس نے وہی خنجر اپنے سینے میں بھی گھونپ لیا اور خودکشی کی موت مر گیا۔

حملہ آور فیروز نامی ایک ایرانی تھا جسے ابولؤلؤ بھی کہتے تھے۔ یہ فیروز مغیرہ کا غلام تھا جو ایک جنگ میں اسیر ہو کر آیا تھا۔ نہاوند کی جنگ کے بعد مزید ایرانی قیدی مدینہ پہنچے تو ان میں کچھ بچے بھی تھے۔ فیروز نے اپنی قوم کی تباہی کا یہ حال دیکھا تو اس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا: "عمرؓ نے میرے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا ہے"۔

اگلے دن فیروز نے منڈی کے چوک میں حضرت عمرؓ کو دیکھا۔ اور آگے بڑھ کر کہا "امیر المومنین! میری داد رسی فرمائیں۔ میرا مالک مجھ پر بھاری بوجھ ڈال رہا ہے" حضرت عمرؓ نے پوچھا ؟ "کتنا ؟" فیروز نے جواب دیا "دو درہم روزانہ" حضرت عمرؓ کہا "تم کیا کام کرتے ہو؟" فیروز نے جواب دیا "میں نجار ہوں لوہے کا کام بھی کر سکتا ہوں اور مکانات کے نقشے بھی بنا لیتا ہوں" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تمہارے پیشے کے لحاظ سے یہ رقم زیادہ نہیں" فیروز خاموش ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے کام دینے کی خاطر پوچھا کہ "کیا تم پون چکی بنا سکتے ہو، ہمیں ایک پون چکی بنا دو" فیروز جس کے سینے میں انتقام کی آگ شعلہ زن ہو چکی تھی۔ بولا ۔

"ہاں میں بشرط زندگی آپ کے لئے ایسی پون چکی بناؤں گا کہ مشرق و مغرب میں اس کی شہرت عام ہو جائے گی"۔

اس ملاقات کے بعد اگلے دن کی صبح کو وہ حادثہ رونما ہوا جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔

حادثہ کے بعد لوگ حضرت عمرؓ کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ عبدالرحمانؓ بن عوف نماز کی امامت کریں۔ نماز فجر کے بعد آپ نے عبدالرحمانؓ ابن عوف کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا "اگر میں آپ کو اپنا جانشین مقرر کر دوں تو کیا آپ خلافت کی ذمہ داریاں قبول کریں گے" عبدالرحمانؓ نے جواب دیا۔ "آیا آپ اسے میرے لئے لازم قرار دیتے ہیں یا اسے میری مرضی پر چھوڑتے ہیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "آپ کی رضامندی

پر موقوف ہے۔ عبدالرحمان رضؓ نے کہا "پھر مجھے معاف کیجئے میں اس بارِ گراں کا متحمل نہیں ہو سکتا"۔

عبدالرحمن جانتے تھے کہ خلافت کا بار اٹھانا خدا اور رسول کی طرف سے بہت بڑی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے اس لئے انہوں نے معذرت پیش کر کے اپنا دامن چھڑا لیا۔ عبدالرحمن کا جواب سننے کے بعد حضرت عمر رضؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اکابر صحابہ کی ایک مجلس مقرر کر دی اور حکم دے دیا کہ یہ مجلس باہمی مشورہ سے تین دن کے اندر اندر نئے خلیفہ کا انتخاب کر لیں۔ اور اتنے دن صہیبؓ نماز پڑھائیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بزرگ صحابی تھے۔

حضرت عمر رضؓ نے لوگوں کو بلا کر ان کے سامنے یہ وصیت بیان کی اور اس کے بعد حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا "اے علیؓ! اگر مجلس آپ کو خلیفہ بنائے تو آپ بنی ہاشم کی بیجا رعایت نہ کریں"۔ حضرت عثمانؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے عثمانؓ! اگر آپ خلیفہ بنا لئے جائیں تو اپنے رشتہ داروں کو مسلمانوں کے سر پر مسلط نہ کر دینا"۔ ازاں بعد آپ نے حسبِ ذیل وصیت کی:۔

"جو شخص میرا جانشین ہو اسے چاہئیے کہ اس شہر (مدینہ) کے لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ ان کی نیکیوں کا صلا بڑھ چڑھ کر دے۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کرے۔ نیز اسے چاہئیے کہ عرب قبائل کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے

آسئے کیونکہ وہ اسلام کی پشت پناہ ہیں۔ جو زکات ان سے لی جائے وہ انہی کے غریبوں پر تقسیم کردی جائے۔ عیسائیوں اور یہودیوں سے جو معاہدے کئے گئے ہیں ان کا پورا پورا لحاظ رکھے۔

حضرت عمرؓ نے ابوطلحہؓ سے کہا کہ مجلس انتخاب جس مکان میں بیٹھ کر انتخاب خلیفہ کے لیے مشورہ کرے اس کے دروازے پر وہ پہرہ دیتے رہیں۔

جانشین کے تقرر کی یہ صورت متعین کرنے اور متذکرہ صدر وصیت فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا "حملہ آور کون تھا؟" عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ "ابولؤلؤ" حضرت عمرؓ نے یہ سن کر خدا کا شکر ادا کیا کہ حملہ آور مسلمان نہ تھا اور ایسا شخص تھا جس کا سر ایک بار بھی خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوا۔ پھر اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ تم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جا کر اجازت حاصل کرو کہ میری میت ان کے حجرے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہدیا کہ اگر وہ اجازت نہ دیں تو میری قبر جنت البقیع میں بنائی جائے جہاں دوسرے مسلمانوں کی میتیں دفن کی جاتی ہیں۔

پھر آپ نے عام لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ایک جمگھٹا لگ گیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ ان پر حملہ کرنے میں کسی بڑے آدمی کا ہاتھ تو نہیں تھا۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر

اطمینان ظاہر فرمایا۔

اس حادثہ کے بعد حضرت عمرؓ تین دن تک صاحب فراش رہے۔ تیسرے دن یعنی ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۳ نومبر ۶۴۴ء کو نہیں چھوہاروں کا پانی پلایا گیا۔ وہ سب زخم کی راہ سے باہر نکل گیا۔ پھر دودھ پلایا گیا۔ وہ بھی نکل گیا۔ یہ علامت دیکھ کر طبیب مایوس ہو گیا اس نے کہا امیر المومنین آپ کا وقت نزدیک آ گیا ہے کلمۂ شہادت پڑھیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں پڑھ چکا ہوں۔ ازاں بعد آپ نے ایک شعر پڑھا اور پھر کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے کل ۶۰ سال عمر پائی۔ ۲۸ سال کی عمر میں دین اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مہمات میں شریک رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دست راست اور مشیر خاص تھے۔ ۵۰ سال کی عمر میں خلیفۂ اسلام بنے۔

حضرت عمرؓ کا اندازِ حکومت کردار اور طرزِ عمل

رات کا وقت تھا۔ مدینہ کے مضافات میں ایک خیمہ نشین بدوی عورت چولہے کے پاس بیٹھی ہنڈیا پکا رہی تھی اُس کے بچے بھوک کے مارے بلک بلک کر رو رہے تھے ایک رہرو بچوں کے رونے کی آواز سن کر ادھر آیا۔ پوچھا بچے کیوں رو رہے ہیں۔ بڑھیا نے کہا "بھوکے ہیں اس لئے رو رہے ہیں۔" رہرو نے پوچھا "تم کیا پکا رہی ہو" جواب ملا "بچوں کو بہلانے کے لئے پانی چڑھا رکھا ہے۔ رو دھو کر سو جائیں گے۔ میرے پاس ہے کیا جو انہیں پکا کر کھلاؤں۔" رہرو الٹے پاؤں پھرا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو سامان خوراک کی ایک بوری کندھے پر تھی۔ اس شخص نے بوری میں سے کچھ غلہ نکالا۔ ہنڈیا میں ڈال دیا۔ دلیا پکایا اور بچوں کو کھلایا۔ اور جب بچے سیر ہو کر ہنسنے کھیلنے لگے تو وہ شخص واپس جانے کے لئے اٹھا۔ بڑھیا نے دعائیں دیں۔ اور کہا کہ "عمرؓ تو نالائق امیر ہے اس کی جگہ تم خلیفہ ہوتے تو موزوں شخص تھے۔"

یہ رہرو امیر المومنین حضرت عمرؓ تھے جو رات کی تاریکیوں میں عام لوگوں کے حالات دیکھنے کے لئے پھرا کرتے تھے۔ وہ سمجھتے کہ خلافت حکمرانی کا صحیح منصب یہ ہے کہ خلق خدا چین کی نیند سوئے اور سب کی

آسایش کی فکر میں وہ خود جاگتے رہیں۔

دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ سخت تیز تھی۔ مدینہ کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں دروازوں پر پردے ڈالے دبکے بیٹھے تھے۔ احنف نامی ایک شخص نے دیکھا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ پسینے سے شرابور تمازت آفتاب میں ایک اونٹ کی مہار تھامے چلے جا رہے ہیں۔ دوڑ کر خدمت میں حاضر ہوئے احوال پوچھا حضرت عمرؓ نے کہا "کچھ بات نہیں بیت المال کا اونٹ بھاگ گیا تھا میں اسے جنگل سے پکڑ لایا ہوں" احنف نے کہا کہ خود کیوں زحمت فرمائی کسی خادم کو بھیج دیا ہوتا جواب ملا "بیت المال کی نگہداشت کے لئے خدا کے سامنے میں جواب دہ ہوں خادم نہیں"۔

قیصر روم ہرقل کا سفیر مدینہ میں آیا تا کہ مسلمانوں کے اس شہنشاہ کو قیصر کے تحائف پیش کرے جس نے قیصر و کسریٰ کی فوجوں کو شکست دے کر شام عراق اور ایران کی مملکتیں چھین لی ہیں۔ مدینہ پہنچ کر اس نے لوگوں سے خلیفہ کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے ایک نخلستان کی طرف اشارہ کر دیا۔ قاصد نے دیکھا کہ ادھیڑ عمر کا ایک شخص مٹی کی اینٹ کو سرہانہ بنائے کھجور کے سائے میں سو رہا ہے۔ اور درہ پاس دھرا ہے۔ ایک شخص نے بتایا کہ امیر المومنین یہی ہیں۔ قاصد حیران ہوا۔ حضرت عمرؓ جاگے تو اس نے کہا "آپ بلاشبہ اپنی رعایا میں عدل کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یوں کھلے میدان میں پہرہ دار کے بغیر چین کی نیند سو سکتے ہیں"۔

پیغمبر خدا کے بعد اسلام کا یہ دوسرا حکمران تھا جن کے انداز حکمرانی

کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ ان کی زندگی کا عام اسلوب عام لوگوں کا سا تھا۔ ہر قسم کی امتیازی نمود اور شان سے مبرا لیکن فرائض منصب ادا کرنے کا یہ حال تھا کہ قانونِ اسلام کے نفاذ اور اجرا میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور سب کی گردنیں ان کے احکام کے سامنے رضاکارانہ طور پر جھکی رہتی تھیں۔

حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ کی طرح سادگی۔ بے نفسی، نیک نیتی، فرض شناسی، عدل بے لوث اور للہی خدمتِ خلق کا ایک مجسم پیکر تھے۔ جوانی میں ذرا درشت مزاج تھے لیکن خلیفہ بننے کے بعد ان کی طبیعت میں انتہا درجہ کا انکسار آ گیا تھا۔ آپ بات بات میں کہتے "کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ کاش میں گھاس کے اس تنکے کی مانند ہوتا۔" شریعت۔ اور محاسبۂ اعمال کے معاملہ میں آپ ہمیشہ سخت گیر رہے۔ وہ جانتے تھے کہ انسان ایسی صورت میں اپنی تخلیق کا منشا پورا کر سکتا ہے جب وہ خدا کے قانون کی قائم کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔ نازوں میں تساہل کی بنا پر وہ سعدؓ ابن ابی وقاص ایسے حاکم کو معزول کر دیتے تھے۔ اور ریشمیں لباس زیب تن کرنے پر گورنروں تک کو اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا لباس پہنا کر بکریاں چرانے کی سزا دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو رپورٹ ملی کہ شام کی اسلامی فوج کے بعض منچلے جوان وہاں کے لوگوں کی دیکھا دیکھی شراب پینے لگے ہیں۔ آپ نے حکم بھیج دیا کہ ان سب کو تازیانے لگائے جائیں۔ جن پر جرم ثابت تھا انہیں یہ سزا دی گئی اور جن پر ثابت نہ تھا وہ خود آگئے

بڑھے تاکہ سیدا پاکر اپنی روحوں کا تزکیہ کریں۔ ان میں شام کے معرکوں کے ہیرو عمر ابھی تھے۔

امور مہم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لینے۔ اور عام لوگوں کو اپنے عمال کے محاسبہ کا حق دینے کے معاملہ میں آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مسلک پر چلتے رہے۔ عام لوگ حق بات کہنے میں ذرّہ بھر جھجک سے کام نہ لیتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے۔ یمن ر نجران کے خراج سے آئی ہوئی چادریں چند دن پہلے مسلمانوں پر فی کس ایک چادر کے حساب سے تقسیم ہو چکی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی چادر کے کپڑے کا بنا ہوا کرتا زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے مجمع میں سے اٹھ کر سوال کیا کہ آپ نے ایک چادر سے اپنا کرتہ کس طرح بنا لیا۔ میرا کرتا تو اس سے بن نہ سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اپنے بیٹے عبداللہ کو جواب دینے کا اشارہ کیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر امیرالمؤمنین کو دے دی تھی ان دونوں سے ان کا کرتا بنایا گیا۔

عہدِ عمر رضی اللہ عنہ کی تحصیلات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت اسلام کے لشکر مشرق میں سندھ زابلستان۔ اور ترکستان کی حدوں تک پہنچ چکے تھے۔ شمال میں ایشیائے کوچک کی جنوبی حد سے جا ٹکرائے تھے۔ مغرب میں عمرو ابن العاص کی فوجیں طرابلس کا شہر سر کر چکی تھیں۔ عرب کے علاوہ عراق۔ ایران۔ شام۔ مصر اور

طرابلس کے ملک اسلام کے زیر نگیں آچکے تھے۔ ان فتوحات کے باعث تاتار کے ترکوں اور تاتاریوں۔ کابل۔ زابل اور سندھ کے ہندوؤں۔ رومی سلطنت اور یورپ کے ملکوں میں بسنے والے عیسائیوں کے درمیان مذہب اسلام کے ظہور پذیر ہونے کے چرچے عام ہوگئے۔ اور مفتوحہ ملکوں کے غیر مسلم مسلمان عربوں کے حسن اخلاق اور جوش تبلیغ سے متاثر ہوکر مسلمان ہونے لگے مسلمانوں نے باہر کے ملکوں میں متعدد نئی چھاؤنیاں قائم کیں وہاں کے ہر گونہ انتظامات درست کئے۔ قرآن پڑھنے پڑھانے اور معمولی نوشت وخواند سکھانے کی درسگاہیں قائم کی گئیں۔ اسلام کے اخلاقی معیار کو رائج کیا گیا دیوان مرتب ہوا۔ حسابات رکھنے کا صیغہ قائم کیا گیا۔ گھوڑ سوار رسالے باقاعدہ کئے گئے۔ اور گھوڑوں کی پرورش کے لئے سرکاری طور پر خاص انتظامات معرض عمل میں لائے گئے۔ ڈاک تجارتی شاہراہوں کی حفاظت۔ رفاہیت عامہ کے امور۔ نہروں اور کاریزوں کی مرمت کے انتظامات درست کئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اسلام کی حکمرانی کی جو نظیر قائم کی اس کے موٹے موٹے خدوخال یہ تھے :۔

مسلمانوں کو قرآن کے احکام اور قوانین کا پابند بنائے رکھنا۔ نماز قائم کرنا۔ ملت کے ہر فرد کے لئے کام اور معاش کی بہتر صورتیں مہیا کرنا۔ شرع اسلام کی پابندی کے ساتھ انفرادیت (افراد کی حس خودداری حس مساوات اور حس آزادی) کی حفاظت کرنا۔ غیر مسلموں کے ساتھ طے شدہ معاہدوں کی سختی سے پابندی کرنا اور کرانا۔ ذمیوں (مسلمانوں کی امان قبول کرنے والوں) کے

جان و مال آبرو اور جائز دینی شعائر کی حفاظت کرنا۔ بے لوث عدل نافذ کرنا اور خلق خدا کی آسائش کے لئے رفاہیت عامہ کے کاموں کو ترقی دینا۔ غیر مسلموں کو دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت ایسے طریق سے دینا جس میں جبر کا شائبہ تک نہ ہو۔

اسلام کے اس ابتدائی دور کی اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ مسلمان ادنٰے مجاہد سے لے کر امیر المومنین تک اپنے فرائض منصبی کو محض اللہ کی رضا کے حصول کے لئے بجا لاتے تھے ان کے عمل کی محرکات میں دنیوی آسائشوں، منصبوں، عزتوں اور ترقیوں کی خواہش کو کسی قسم کا دخل حاصل نہ تھا۔ دنیا کے بجائے آخرت کی زندگی میں اُونچے درجے حاصل کرتے یعنی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونے کی خواہش ان کے ہر گوشہ اعمال و حرکات کی محرک ہوا کرتی تھی حضرت عمرؓ ایران سے حاصل شدہ مال غنیمت کی فراوانی کو دیکھ کر رو دیئے اور کہا:۔

" میں ڈرتا ہوں کہ مالِ غنیمت کی یہ فراوانیاں جو اللہ ہمیں عطا کر رہا ہے کہیں مسلمانوں میں دنیا کی محبت اور حسد کے جذبات کو ترقی دینے کا باعث نہ بن جائیں اگر ایسا ہوا تو قوم تباہ ہو جائے گی "

نقشہ مملوکاتِ خلافتِ اسلامیہ
حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات کے وقت
سنہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۳ء

خلافتِ اسلامیہ
سلطنت روم
طرابلس
اسکندریہ
برقہ
فسطاط
طرابلس
مصر
دمشق
القدس
شام
کوفہ
عراق
بصرہ
مدائن
ایران
ہرات
کابلستان
زابلستان
سندھ
مدینہ
مکہ
خلیج فارس
عرب
مملکت حبش

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

32

تاریخِ اسلام

جلد اوّل

جس میں عہدِ رسالت ؐ اور عہدِ شیخین رض کے مستند تاریخی حالات
تشریح و تبصرہ کے ساتھ درج کئے گئے ہیں

مؤلفہ
مرتضیٰ احمد خان

ناشران
تاج کمپنی لمیٹڈ

لاہور ——— کراچی ——— ڈھاکہ